حیات حبیب الامت

جلد دوم

تالیف

حبیب الامت عارف باللہ

حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم

شیخ الحدیث وصدر مفتی، بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور سنجرپور اعظم گڑھ یوپی

خلیفہ ومجاز بیعت

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی وحضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوری

ناشر

مکتبۃ الحبیب جامعہ اسلامیہ دارالعلوم

مہذب پور، پوسٹ سنجرپور ضلع اعظم گڑھ، یوپی (انڈیا)

ملنے کا پتہ: مکتبہ طیبہ دیوبند یوپی

حیات حبیب الامت

حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم

مکتبۃ الحبیب

MAKTABA-AL-HABIB
JAMIA ISLAMIA DARUL ULOOM
MUHAZZABPUR P.O.SANJARPUR DISTT. AZAMGARH U.P. INDIA
Mobile: 09450546400

یلوح الخط فی القرطاس دهراً
و کاتبہ رمیم فی التراب

حیات حبیب الامت

(جلد دوم)

تالیف:

حبیب الامت، عارف باللہ

حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم

شیخ الحدیث وصدر مفتی

بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور، سنجر پور، اعظم گڈھ، یوپی، انڈیا

ناشر

مکتبہ الحبیب

جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور

پوسٹ سنجر پور، ضلع اعظم گڈھ، یوپی، انڈیا

نام کتاب: حیات حبیب الامت (جلد دوم)
مصنف: حضرت مولانا مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم
صفحات: 320
تعداد اشاعت: 1100
قیمت: 250
ناشر: مکتبہ الحبیب، جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور
پوسٹ سنجر پور، ضلع اعظم گڈھ، یوپی، انڈیا

ملنے کے پتے

۱- مکتبہ الحبیب جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور، سنجر پور، اعظم گڈھ، یوپی
۲- مکتبہ الحبیب خانقاہ حبیب گوونڈی ممبئی
۳- مکتبہ الحبیب وخانقاہ حبیب جھٹکاہی ڈھاکہ ضلع مشرقی چمپارن
۴- مکتبہ طیّبہ دیوبند، سہارنپور

فہرست

☆☆☆

پیش لفظ

"**حیات حبیب الامت**" کی جلداول الحمدللہ تمام مراحل سے گزر کرطبع ہوکر محبین، تلامذہ، رفقاء، مریدین اور خلفاء کے ہاتھوں میں پہنچی اور ان سب نے اس خادم کی حیاتِ فانی کو جاودانی کی شکل میں پا کر بے حد مسرت کا اظہار کیا۔ بالخصوص وہ احباب وتلامذہ، مریدین وخلفاء جن کا ایک عرصہ سے مسلسل یہ اصرار ہورہا تھا کہ خادم اپنی زندگی کے کم ازکم اہم واقعات کونقشِ دوام کا درجہ دے کران کے لیے مشعل راہ بنادے۔

لیکن یہ خادم کثرتِ مشاغل، ہجوم کار، پیہم مصروفیات اور ذہنی وفکری غیر ضروری مسائل کے دباؤ اور رجالِ کار کے فقدان کی وجہ سے معذرت کرتا رہا، لیکن "کل أمرٍ مرھون بأوقاته" کے تحت وہ وقت آہی گیا کہ من جانب اللہ دل ودماغ اس عظیم کام کے لیے تیار ہوگیا اور الحمدللہ جلداول کے بعد "حیات حبیب الامت" کی دوسری جلد آپ حضرات کے ہاتھوں میں ہے۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس خادم کی زندگی میں بھی کچھ ایسے اہم واقعات ضرور ہیں جو میرے ان خوردوں کے لیے رہنما کی حیثیت رکھتے ہیں، جن کا اس خادم سے مخلصانہ ومحبانہ برتاؤ ہے، اگرچہ ناقدین ومعاندین کے لیے سوائے سمع خراشی کے اور کچھ نہیں ہے، لیکن اس انداز کے مثبت کام کرنے والے ہمیشہ اپنی نظر ونگاہ میں ان مخلصین ومحبین کو رکھتے ہیں جو جینے کا سہارا بنتے ہیں اور ایسے ہی

خوردوں اور محبین کے لیے ہمارے بزرگوں نے بھی بہت کچھ کر دکھایا اور یہ خادم بھی اپنے انھیں اسلاف کے نقشِ قدم کو قدم بوسی کے ساتھ نشانِ منزل تصور کر کے، حالات کے تھپیڑوں سے گزر کر منزل کی تلاش کا عادی رہا ہے۔

اس خادم نے اپنی زندگی کو تین حصوں میں تقسیم کرنے کی کوشش کی ہے: (۱) از ایک تا بیس، اس حصے کے جو اہم واقعات عمر کے اس مرحلے میں دل و دماغ میں ثبت تھے، ان کو ''حیات حبیب الامت'' کے جلد اول کے صفحات کی نذر کر کے ان نقوشِ فانیہ کو نقشِ دوام کی شکل دینے کی سعی بلیغ کی ہے۔ جس کا تعلق عموماً بچپن کے ساتھ ابتدائی وانتہائی تعلیم سے وابستہ ہے۔ اسی لیے اس جلد میں زیادہ تر ملازمت سے پہلے ہی کی باتیں ملیں گی۔

(۲) اس خادم کی زندگی کا دوسرا حصہ، جس کی ابتدا کم وبیش بیس سے شروع ہوکر چالیس پر ختم ہوتی ہے، جس کا اکثر حصہ مدرسہ ریاض العلوم گورینی کی ملازمت کی نذر رہا ہے، جس میں بہت کچھ دیکھنے اور کرنے کے ساتھ بہت کچھ سمجھنے کا موقعہ ملا اور بہت سے بعید کو قریب اور قریب کو بعید بنتے اور ہوتے ہوئے دیکھا، اور بہت سے تلخ حقائق جو وہم وگمان سے خارج تھے، لیکن وہ تصور سے نکل کر تصدیق کے درجہ میں پہنچ کر افسانہ نہیں، بلکہ حقیقت کا روپ اختیار کر گئے، ان تجربات، مشاہدات، معلومات، تیقنات کا مجموعہ اس خادم کی حیات کی دوسری جلد ہے۔

(۳) اس خادم کی زندگی کا تیسرا حصہ جس کی ابتدا کم وبیش چالیس سے شروع ہوکر ساٹھ پر ختم ہوتی ہے، یہ حصہ مکمل جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور،

سنجر پور، اعظم گڑھ کی بناء وتعمیر وترقی کی ہمہ وقت فکر ولگن ودھن اوراس کے لیے دردر کی ٹھوکریں کھانے اور خاک چھاننے کی نذر ہو گیا، جس خلوص کے ساتھ اس خادم نے اللہ پاک کی دی ہوئی تمام تر صلاحتیوں کو اس نوخیز ادارے کی استادگی و وجود کے لیے وقف کر دیا، آج یہ ادارہ اپنے وجود سے اس کا شاہدِ عدل بنا ہوا ہے، زندگی کے اس آخری حصہ کی اہم تاریخ پر مشتمل ''حیات حبیب الامت'' کا تیسرا حصہ ہوگا، جو آپ حضرات کے ہاتھوں میں وقتِ مقررہ پر ان شاء اللہ پہنچے گا۔

جلد اول کی طرح ''حیات حبیب الامت'' جلد دوم میں بھی جو باتیں مندرج ہیں وہ سو فیصد مبنی بر حقیقت ہیں، کہیں پر بھی دروغ گوئی یا افترا والتزام تراشی سے کام نہیں لیا گیا ہے، اس لیے اس خادم کو یقین ہے کہ ان تحریرات کے ذریعے ان اذہان کی لکیروں کی سمت یقیناً قبلہ رُخ ہو جائیں گی اور قبلہ کی تعیین میں حیات کے مندرجات ان شاء اللہ معاون ومعین ثابت ہوں گے۔ **و ما ذلک علی اللہ بعزیز۔**

مفتی حبیب اللہ قاسمی
شیخ الحدیث وصدر مفتی
بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور سنجر پور، اعظم گڑھ
۱۲؍رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ
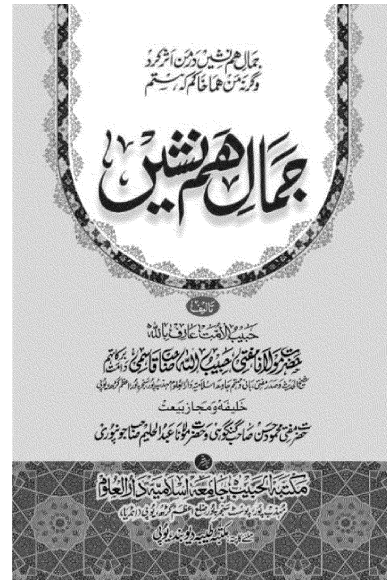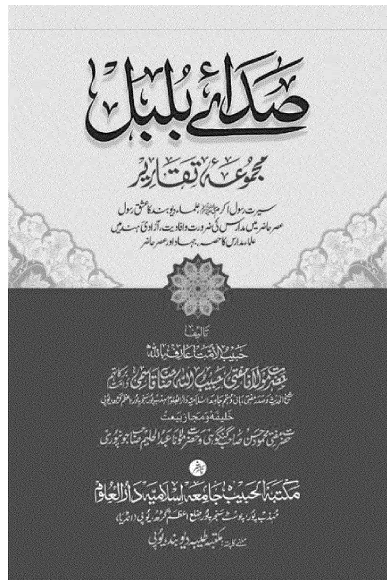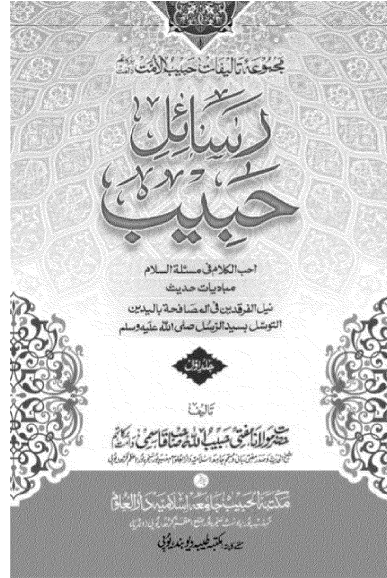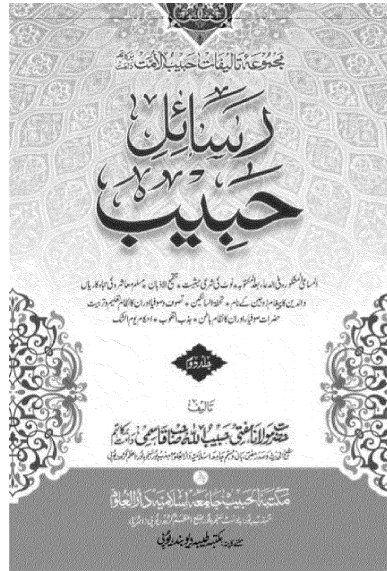
مدرسہ ریاض العلوم گورینی کا ہنگامی چندہ

مدرسہ ریاض العلوم میں قیام کے دوران ایک مرتبہ حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب نے اساتذہ کی میٹنگ طلب کی اور یہ بتلایا کہ مدرسہ کا بجٹ فیل ہو چکا ہے، نظام کو چلانے کے لئے ہنگامی چندہ کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اس اعلان کے بعد تین وفد کی تشکیل عمل میں آئی، پہلا وفد سہ نفری بنا اور اس کی قیادت مدرسہ کے صدر مدرس مولانا محمد حنیف صاحب کے سپرد ہوئی، دوسرا وفد بھی سہ نفری بنا اس کی قیادت نائب ناظم کے سپرد ہوئی، تیسرا وفد بھی سہ نفری بنا جس کی قیادت اس خادم کے سپرد ہوئی اور یہ طے پایا کہ مغرب کے بعد یہ تینوں وفود روانہ ہوں گے، عشاء کی نماز اپنے اپنے حلقہ عمل میں ادا کریں گے اور چندہ کر کے مدرسہ ہی کی گاڑی سے واپسی ہو جائے گی۔

چنانچہ مغرب کے بعد تینوں وفود کے ارکان و قائدین مدرسہ کے احاطہ میں جمع ہو گئے، ڈرائیور گاڑی لے کر آیا اور تینوں وفد کے اراکین اس پر بیٹھ گئے اس کے بعد گاڑی روانہ ہوئی، اس خادم کو صبر حد میں اتارا گیا اور صدر مدرس کا قافلہ رفیع پور میں اترا اور نائب ناظم کا قافلہ اسرہٹہ میں اترا، اور یہ طے پایا کہ عشاء کے بعد پروگرام سے فارغ ہو کر لوگ سڑک پر آجائیں اور رات ہی میں اسی گاڑی سے واپس چلنا ہے۔

چنانچہ یہ خادم صبر حد کی ایک مسجد میں پہونچا اور عشاء کی نماز کے بعد مختصر

بیان کیا اور چندہ کی اپیل کی، چنانچہ نوسو روپے کا چندہ اسی وقت ہو گیا اور کچھ حضرات نے نام لکھوا کر صبح دینے کا وعدہ کیا۔ چنانچہ نوسو روپیہ نقد لے کر یہ خادم حسب ہدایت واپسی کے لئے روڈ پر آ گیا اور خادم نے اپنے وفد کے ایک ممبر مولانا تصدیق احمد صاحب کو یہ کہہ کر روک دیا کہ باقی حضرات سے ملاقات کر کے صبح آپ وصولی کر کے مدرسہ آئیں۔ چنانچہ وہ صبح کو چھ سو روپے لے کر آئے۔ اس طرح اس خادم کا چندہ پندرہ سو روپیہ ہو گیا۔ جانے میں اترنے والا سب سے پہلا قافلہ اس خادم کا تھا اور واپسی میں گاڑی پر بیٹھنے والا سب سے آخری قافلہ اس خادم کا تھا، گاڑی میں بیٹھنے کے بعد کارگزاری شروع ہوئی، ہر ایک نے دوسرے سے پوچھنا شروع کیا، لیکن اپنی کارگزاری کوئی بتانے کو تیار نہیں تھا۔ بالآخر اس خادم نے یہ اعلان کیا کہ واپسی جس کی جس ترتیب سے ہوئی ہے اسی ترتیب سے کارگزاری ہونی چاہئے، میری اس تجویز کو سب نے قبول کیا اور اس ترتیب کے مطابق سب سے پہلا نمبر نائب ناظم کا تھا، ان کے رفیق سفر نے بتلایا کہ ہمارا چندہ ڈیڑھ سو روپیہ ہوا ہے، اس کے بعد دوسرا نمبر صدر مدرس کا تھا ان کے رفیق سفر نے بتایا کہ ہمارا چندہ ایک سو روپیہ ہوا ہے، اس کے بعد تیسرا نمبر اس خادم کا تھا میں نے بتلایا کہ میرا چندہ نقد نوسو روپیہ ہوا ہے اور چھ سو روپیہ ادھار ہے جو صبح مل جائے گا۔ اس طرح میرا کل چندہ پندرہ سو روپیہ ہوا، میری کارگزاری سن کر صدر مدرس اور نائب ناظم دم بخود رہ گئے اور گورینی تک کوئی کچھ نہیں بولا اور دونوں کی ایسی حوصلہ شکنی ہوئی کہ کل ہو کر ان دونوں نے چندہ کے لئے جانا بند کر دیا، لیکن یہ خادم پندرہ روز تک مسلسل چلتا رہا، دن بھر سبق پڑھاتا اور شام کے

وقت بس پکڑ کر کسی بھی گاؤں میں چلا جاتا، عشاء کے بعد بیان کرتا اور نقد چندہ کرنے کے بعد رات کا قیام اسی گاؤں میں کرکے فجر کے بعد خصوصی ملاقات کرنے کے بعد تعلیم کے وقت مدرسہ پہونچ جاتا اور دن بھر سبق پڑھاتا۔ اس طرح پینتالیس ہزار روپے میں نے چندہ کرکے مدرسہ ریاض العلوم کے دفتر میں جمع کرایا، لیکن نہ کسی معاوضہ کا خیال پیدا ہوا اور نہ ہی مدرسہ والوں نے کسی حوصلہ افزائی کی ہمت وجرأت کی، لیکن اس خادم نے لوجہ اللہ یہ خدمت انجام دی اور حضرت مولانا کے منشاء کے مطابق اپنے کو چلا کر خوش رہا۔

مالی فراہمی کے لئے کانپور کا سفر

اسی طرح ایک مرتبہ حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب نے اس خادم کو بلا کر فرمایا کہ مفتی صاحب ہمارے مدرسہ کے چندے کے لئے رمضان میں ماسٹر عزیز الرحمٰن صاحب پوٹریا والے کانپور جاتے ہیں، لیکن وہاں کا چندہ بہت کم ہے، صرف ڈیڑھ ہزار روپیہ ہے، اگر آپ کانپور کا سفر کر لیتے تو معاونین کی فہرست بڑھ جاتی اور چندہ میں اضافہ ہو جاتا۔ چنانچہ خادم نے حضرت مولانا کے حکم کی تعمیل میں دس دن میں پندرہ ہزار روپیہ چندہ کرکے مدرسہ میں لاکر جمع کر دیا جو رمضان کے چندے سے پندرہ گنا زیادہ تھا، خادم کا یہ سفر بھی حضرت کے منشاء کے مطابق ہوا، لیکن مدرسہ کے دیگر ذمہ داروں میں سے کسی نے بھی زبانی حوصلہ افزائی کی بھی ہمت نہیں کی، لیکن اس

کی کوئی پرواہ بھی میں نے نہیں کی، چونکہ میں اپنے کو حضرت مولانا کے منشاء اور حکم کا تابع بنائے ہوئے تھا۔

مالی فراہمی کے لئے کلکتہ کا سفر

اسی طرح مدرسہ ریاض العلوم میں قیام کے دوران حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب نے اس خادم سے فرمایا کہ مفتی صاحب کلکتہ شہر میں ہمارے مدرسے کا چندہ بہت کم ہے، قاری انیس الرحمٰن صاحب مانی خورد والے ہر سال کلکتہ چندہ کے لئے جاتے ہیں، لیکن مشکل سے وہاں سے ہزار ڈیڑھ ہزار روپیہ چندہ لے کر آتے ہیں، اگر وہاں کے معاونین میں بھی کچھ اضافہ ہو جاتا تو بہت اچھا ہوتا۔ چنانچہ یہ خادم قاری انیس الرحمٰن صاحب مانی خورد والے کی رفاقت میں اس کام کے لئے دسمبر ۱۹۸۷ء میں کلکتہ گیا اور سترہ ہزار روپیہ چندہ کر کے ۹/جنوری ۱۹۸۸ء کو مدرسہ واپس آیا اور پوری رقم دفتر نظامت میں جمع کروا دیا جو رمضان کے عمومی چندہ سے سترہ گنا زیادہ تھا، لیکن خادم کی اس محنت و کاوش پر بھی مدرسہ کے ذمہ داروں میں سے کسی کی زبان نہیں کھلی اور ہمت و حوصلہ افزائی کا ایک بول بھی کسی کے منہ سے نہیں نکلا، لیکن چونکہ یہ خادم یہ ساری خدمت لوجہ اللہ کر رہا تھا اور میرے پیش نظر حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب کے حکم کی تعمیل ہوتی تھی اس لئے کسی کی پرواہ کئے بغیر اپنا کام کرتا رہتا تھا۔

رمضان المبارک میں بھدوہی کا چندہ

مدرسہ ریاض العلوم میں قیام کے دوران اسی طرح حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب نے ایک مرتبہ اس خادم سے فرمایا کہ مفتی صاحب حاجی عبدالوحید صاحب ایم، ایم، مجید اینڈ برادرس قالین کے کاروباری ان کے لڑکے غلام شرف الدین عرف غلامن آئے تھے، وہ مجھ سے یہ کہہ کر گئے کہ اگر بھدوہی میں مدرسہ کا چندہ کروانا ہو تو مفتی حبیب اللہ صاحب کو بھیجئے۔

میں نے یہ کئی روز پہلے مولوی وکیل کے ذریعہ نائب ناظم کو کہلوایا آپ کو کہنے کے لئے لیکن پتہ نہیں وہ آپ سے کیوں نہیں کہہ سکا، اس لئے مجھ کو کہنا پڑ رہا ہے، لہٰذا آپ مدرسہ کے کام کی خاطر بھدوہی چلے جائیں اس خادم نے جواب میں عرض کیا کہ حضرت آپ کا جیسا حکم ہو میں تیار ہوں، حضرت مولانا نے دوبارہ فرمایا کہ ہاں ضرور چلے جائیے، اس سے مدرسہ کا کچھ فائدہ ہو جائے گا۔

اس سے پہلے حافظ عمر صاحب جو حضرت مولانا کے داماد اور مدرسہ کے ناظم مالیات تھے بھدوہی میں مدرسہ کا چندہ وہی کیا کرتے تھے اور کل چندہ بھدوہی کا ساٹھ ہزار تھا جو رمضان میں یک مشت نہ مل کر پورے سال میں متفرق قسطوں میں آیا کرتا تھا۔

چنانچہ میں نے حضرت مولانا کے اس حکم کا تذکرہ اپنے رفیق محترم مولانا عبدالعظیم صاحب ندوی سے کیا، انہوں نے سن کر کہا کہ آخری عشرہ شروع ہونے میں

بھی چند روز ہی باقی ہیں اور آخری عشرہ میں آپ کا رہنا بھی ضروری ہے، لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ آپ سحری کھا کر فجر کی نماز پڑھ کر اپنے ہیرو مجسٹک (سیارۃ المفتی) سے فوراً نکل جائیں تو آٹھ بجے تک آپ بھدوہی پہونچ جائیں گے، اور غلامن آپ کو مل جائیں گے۔ اس طرح آپ کا ایک دن بچ جائے گا اور اگر آپ بس سے جائیں گے تو غلامن سے ملاقات نہیں ہو پائے گی اور آپ کا ایک دن خراب ہوجائے گا۔ چنانچہ میں اپنی گاڑی سیارۃ المفتی سے مولانا عبدالعظیم صاحب ندوی کی ہدایت کے مطابق نکلا تو آٹھ بجنے میں پانچ منٹ باقی تھے اور غلامن گاڑی پر بیٹھ چکے تھے اور ڈرائیور گاڑی اسٹارٹ کر چکا تھا، مجھ کو دیکھ کر وہ گاڑی سے اترے، ملاقات کے بعد میں نے اپنی آمد کی غرض ان کو بتلائی، انہوں نے کہا کہ آپ آرام کریں میں ایک دو گھنٹے میں واپس آتا ہوں۔ چنانچہ واپسی پر انہوں نے مجھ کو اپنے ساتھ لیا اور ہم دونوں ملاقات کے لئے نکل گئے، دو دن کی محنت سے الحمدللہ بھدوہی سے تین لاکھ روپئے کا چندہ ہو گیا۔

تیسرے دن رمضان کی بیس تاریخ تھی، شام سے اعتکاف شروع ہونا تھا، اس لئے اسی دن پہونچنا بھی ضروری تھا اور کام بھی مکمل ہو چکا تھا، اور مدرسہ کی واپسی کے سلسلہ میں غلامن صاحب کی رائے یہ ہوئی کہ تین لاکھ روپیہ کیش لے کر ہیرو مجسٹک سے جانا مناسب نہیں ہے، اس لئے انہوں نے یہ طے کیا کہ آپ چار چکا گاڑی سے جائیں اور ہیرو مجسٹک یہیں چھوڑ دیں۔ چنانچہ انہوں نے ایک اٹیچی منگائی اور تین لاکھ روپئے گن کر اس میں رکھ دیئے اور ایک ڈرائیور کو بلایا اور راستہ کی حفاظت کے لئے ایک بندوق دھاری ملازم کو گاڑی میں بٹھایا اور تین لاکھ کیش سے بھری اٹیچی

لے کر میں بھدوہی سے روانہ ہوااور ظہر سے پہلے مدرسہ ریاض العلوم گورینی حضرت مولانا کی خدمت میں پہونچ گیا۔

جب یہ خادم حضرت مولانا کی خدمت میں پہونچا تو آپ آرام فرمارہے تھے، جونہی میں سلام کر کے کمرے کے اندر داخل ہوا، آپ اٹھ کر بیٹھ گئے، میں نے زمین پر رکھی ہوئی اٹیچی کھولی اور تین لاکھ روپے حضرت کی خدمت میں نقد یک مشت پیش کر دیئے، اتنے زیادہ پیسے دیکھ کر حضرت مولانا کی آنکھوں سے خوشی کی وجہ سے آنسو چھلک پڑے، اس کے بعد فرمایا کہ مفتی صاحب آپ نے تو ہمارے مدرسے کے مطبخ کے پورے سال کے اخراجات کا انتظام کر دیا، تب یہ معلوم ہوا کہ مطبخ کا اس وقت سالانہ خرچ تین لاکھ روپئے تھا، اس کے بعد فرمایا کہ مولوی عتیق دوبئ جاتے ہیں اور ہر سال جاتے ہیں، ویزا اور ٹکٹ کا اچھا خاصا خرچ ہوتا ہے، اس کے باوجود وہ بھی اتنا نہیں لا پاتے، اس کے بعد حضرت مولانا نے مولوی وکیل احمد صاحب کو بلا کر جو دفتر محاسبی کے ذمہ دار تھے وہ پوری رقم ان کے حوالہ کر دی۔

چونکہ رمضان کی بیس تاریخ تھی اس لئے اخیر عشرہ کے اعتکاف کے لئے مہمانوں کی آمد شروع ہوگئی، اس کے بعد جتنے مہمان آتے گئے ہر ایک کے سامنے حضرت مولانا نے میری تعریف شروع کر دی کہ ہمارے مفتی صاحب نے تو اس سال کمال کر دیا، صرف دو دن میں بھدوہی سے تین لاکھ روپیہ لے کر آ گئے، حضرت نے اتنی تعریف کی کہ خواص میں اس کا چرچا شروع ہوگیا، اور ہر ایک نے تعریف شروع کر دی، یہ دیکھ کر مدرسہ کے نائب ناظم کے پیٹ میں مروڑ شروع ہوگیا اور حضرت

مولانا اور خواص کے دل و دماغ میں میری جو عظمت پیدا ہوئی تھی اس کو ڈاؤن کرنے کے لئے اور حضرت مولانا کو بدگمان کرنے کے لئے میری طرف منسوب کر کے ایسی دو شکایت کی تا کہ حضرت مولانا مجھ سے بدظن ہو جائیں اور میری تعریف بند کر دیں، حالانکہ جن باتوں کی انہوں نے شکایت کی ان کا نہ میرے حاشیہ خیال میں گزر ہوا اور نہ کسی سے میں نے تذکرہ کیا، وہ باتیں سراسر کذب بیانی پر مبنی تھیں اور الزام وتہمت تراشی تھیں۔

نائب ناظم نے جو دو باتیں حضرت مولانا سے کہیں (۱) مفتی صاحب بھدوہی کے چندے کی کارکردگی مانگ رہے ہیں جبکہ کارکردگی کا خیال تک مجھ کو نہیں آیا یہ خدمت صرف اور صرف حضرت مولانا کے حکم کی تعمیل میں کیا تھا (۲) وہ خائن اور بددیانت ہیں، اس لئے کہ انہوں نے ڈیڑھ سو روپئے کا سفر خرچ دفتر میں دیا ہے جبکہ یہ بس سے ادھر سے گئے اور ادھر سے غلامن کی گاڑی سے واپس آئے، پھر ان کا سفر خرچ ڈیڑھ سو کیسے ہو گیا۔

کاش نائب ناظم حضرت مولانا سے شکایت کرنے سے پہلے اور مجھ کو خائن وبددیانت ثابت کرنے کی ناتمام کوشش کرنے سے پہلے پوچھ لیتے تو صحیح صورتحال میں ان کو بتا دیتا، لیکن ان کو تو حقیقت سے کوئی مطلب نہیں تھا، مطلب تو صرف اس سے تھا کہ حضرت مولانا کی نگاہ سے کسی طرح ان کی عزت کا گراف گر جائے۔

حالانکہ اس کی حقیقت یہ تھی کہ میرا سفر ہیرو مجسٹک سے ہوا تھا، جاتے ہوئے اس میں تیل لگا، بھدوہی کے قیام کے دوران کچھ واجبی اخراجات ہوئے جو کھانے پینے

سے متعلق تھے، چونکہ غلامن کے گھر میں صرف افطاری کا رواج تھا اس کے بعد کھانے کا کوئی معمول نہیں تھا اور سحری میں صرف ایک گلاس دودھ سے وہ لوگ سحری کرتے تھے اس کے ساتھ کچھ کھانے کا مزاج نہیں تھا اور اس خادم کو دونوں وقت اس سے ہٹ کر روٹی چاول کی ضرورت تھی جس کی تلافی میں بازار سے کچھ خرید کر کرتا رہا اور واپسی چونکہ ان کی گاڑی سے ہوئی، اس لئے میری ہیرو مجسٹک وہیں رہ گئی اس کو لانے کے لئے مولانا عبدالعظیم صاحب ندوی کے مشورے سے عبید نامی ایک طالب علم کو بھیجا جو اتر پٹی ضلع جونپور کا رہنے والا تھا وہ بس سے بھدوہی گیا اور میری ہیرو مجسٹک لے کر وہ واپس آیا، واپسی میں اس میں تیل بھی اس کو ڈالنا پڑا اور چونکہ گرمی کا موسم تھا اس طالب علم نے گرمی کی شدت میں یہ خدمت انجام دی اس لئے مولانا عبدالعظیم صاحب کے کہنے پر اس کو بیس روپیہ بطور ہدیہ دیا۔ اسطرح کل خرچ ملا کر ڈیڑھ سو روپیہ بنا جس کی تفصیل لکھ کر میں نے ناظم محاسبی کے حوالہ کر دیا، دوسرے یہ کہ تین لاکھ کے مقابلہ میں ڈیڑھ سو روپے کی کوئی حیثیت نہیں تھی، جبکہ وہ سفر خرچ مکمل دیانت اور صداقت پر مبنی تھا اس کے باوجود شکایت کا کوئی جواز نہیں تھا، لیکن جب یہ شکایت حضرت مولانا سے انہوں نے کی تو حضرت مولانا نے مولانا عبدالعظیم ندوی کو بلا کر بتلایا، اس وقت آپ عشاء کی نماز کے لئے وضو فرما رہے تھے، یہ بے بنیاد بات سن کر ندوی صاحب کو غصہ آ گیا اور انہوں نے حضرت مولانا سے کہا کہ جس نے یہ بات آپ سے کہی ہے اس کو بلوائیں اور میں مفتی صاحب کو بلواتا ہوں، اگر یہ بات سچی نکلی تو مفتی صاحب کو دس جوتے آپ ماریں اور جھوٹی نکلی تو جس نے آپ سے شکایت کی ہے اس کو دس جوتے لگائیں، یہ جواب سن کر

حضرت مولانا خاموش ہوگئے اور وضوء سے فارغ ہوکر مسجد آگئے۔

تراویح کے بعد ندوی صاحب نے مجھ سے پوری بات کا تذکرہ کیا، میں نے ان سے کہا کہ اس کو بلائیے اور ہم دونوں قرآن لے کر مسجد میں کھڑے ہوتے ہیں اور مجھ سے جو قسم آپ لینا چاہیں لے سکتے ہیں، اس کے بعد میں نے کہا کہ یہ بات جو کہی گئی ہے یہ سراسر الزام اور تہمت ہے، نہ میرے حاشیہ خیال میں یہ بات گزری اور نہ ہی کبھی میں نے یہ سوچا، اس کے بعد ندوی صاحب نے اپنا وہ جواب بتلایا جو حضرت مولانا کو انہوں نے دیا تھا۔

اس طرح نائب ناظم کی ریشہ دوانیاں الزامات، تہمتیں، بدگمانیاں، دوریاں، بدزبانیاں بڑھتی گئیں۔ بالآخر اس خادم کو وہ فیصلہ لینا پڑا جس کو کبھی سوچا بھی نہیں تھا اور نائب ناظم کو اپنی ہی وصیت کے خلاف وہ کرنا پڑا جس کو شاید کبھی انھوں نے سوچا نہ ہوگا۔

لیکن مذکورہ بالا چیزوں میں شدت کب سے پیدا ہوئی اس کا تذکرہ انشاءاللہ آئندہ صفحات میں آپ پڑھیں گے اور ابتدا کب سے ہوئی اس کا تذکرہ ماضی کے صفحات میں گزر چکا ہے۔

اس خادم کی دعوت پر مدرسہ ریاض العلوم میں چند بزرگوں کی آمد

(۱) جب یہ خادم مدرسہ ریاض العلوم گورینی پہونچا تو اسی زمانہ میں حضرت

مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی بنارس تشریف لائے اور بغیر کسی اطلاع کے دو پہر کے وقت جب میں کمرہ میں لیٹا قیلولہ کر رہا تھا، اچانک حضرت کی گاڑی پہونچی، میرے ہی کمرے کے سامنے گاڑی رکی اور مولانا ابراہیم افریقی نے آکر مجھ کو بتلایا کہ تمہاری ملاقات کے لئے حضرت تشریف لائے ہیں، میں فوراً اٹھ کر دوڑا گیا اور حضرت مفتی صاحب سے ملاقات کی اور اپنے کمرے میں لاکر بٹھایا، ملاقات کے بعد حضرت نے فرمایا کہ چندروز کے لئے بنارس آنا ہوا تھا، معلوم ہوا کہ مدرسہ ریاض العلوم گورینی قریب ہی میں ہے تو دل چاہا کہ چل کر تم سے ملاقات کرلوں، ایک ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد ظہر کی اذان ہوئی، ظہر کی نماز کے بعد حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب سے اجازت لے کر حضرت مفتی صاحب کے بیان کا اعلان کیا، تھوڑی دیر حضرت نے بیان فرمایا اس کے بعد حضرت مولانا کے یہاں چائے پی کر بنارس کے لئے واپسی ہوگئی۔ اس طرح حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی کی آمد مدرسہ ریاض العلوم میں پہلی مرتبہ ہوئی۔

دوسرا سفر حضرت مفتی صاحب کا اس وقت ہوا جب آپ خیرآباد ضلع مئو کے مدرسہ منبع العلوم میں جلسہ کے لئے تشریف لائے، اس جلسہ میں حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب بھی مدعو تھے، یہ خادم حضرت مفتی صاحب کے ساتھ شاہ گنج سے خیرآباد پہونچا، وہاں کا جلسہ دو روزہ تھا، پہلے ہی دن حضرت مفتی صاحب کا بیان ہوگیا، اس کے بعد حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ میرا بیان تو آج ہوگیا، واپسی پرسوں جونپور سیٹی سے ہے، تو دو دن یہاں رہ کر میں کیا کروں گا، میرا دل چاہتا ہے کہ تمہارے ساتھ مدرسہ ریاض العلوم گورینی چلا چلوں اور وہیں سے پھر واپسی ہوجائے گی۔ چنانچہ میں نے حضرت مفتی

صاحب کی اس خواہش کا اظہار حضرت مولانا سے رات ہی میں کر دیا، حضرت نے فرمایا کہ میں تو ابھی جا رہا ہوں، آپ حضرت مفتی صاحب کو کل لے کر آ جائیں۔

جب اس کی اطلاع جلسہ کے منتظمین اور اہل مدرسہ کو ہوئی تو سارے لوگ مجھ پر چراغ پا ہو گئے اور سب نے مجھ پر یہ الزام رکھا کہ انہی کے بہکانے پر حضرت مفتی صاحب مدرسہ ریاض العلوم گورینی جا رہے ہیں۔ حضرت مفتی صاحب کے پاس پہونچ کر بھی رکنے کے لئے دباؤ بہت بنایا، لیکن حضرت تیار نہیں ہوئے اور جھولا اٹھا کر چلنے کے لئے کھڑے ہو گئے، بمشکل تمام گاڑی کا انتظام ہوا اور حضرت کو لے کر میں مدرسہ ریاض العلوم آ گیا، اس سفر میں چوبیس گھنٹہ آپنے قیام فرمایا اور کل ہو کر جونپور سیٹی سے دیوبند کے لئے واپسی ہو گئی۔

(۲) ایک مرتبہ پھولپور الہ آباد مدرسہ عین العلوم کے جلسہ میں جانا ہوا، وہاں حضرت قاری صدیق احمد صاحب باندوی بھی تشریف لائے ہوئے تھے، وہ کبھی مدرسہ ریاض العلوم گورینی نہیں آئے تھے، میں نے حضرت قاری صاحب کو مدرسہ ریاض العلوم گورینی تشریف لانے کی دعوت دی، آپنے قبول فرمایا اور میرے ہی ساتھ تشریف لائے اور پھر واپسی چند گھنٹوں کے بعد ہو گئی، پھولپور تک پہونچانے کے لئے میں بھی گیا واپسی میں دوران سفر بہت سی باتیں حضرت سے ہوئیں ان میں ایک بات حضرت نے یہ بھی فرمائی کہ ایک مرتبہ میں سہارنپور مدرسہ مظاہر علوم حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب کی ملاقات کے لئے گیا تو آپ نے مجھ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ صدیق! میں نے اپنی زندگی میں بہت سی تحریکات اور تنظیموں کو دیکھا لیکن جتنا خلوص

اورللّٰہیت میں نے تبلیغی جماعت میں پایا اتنا کسی میں نہیں، اس کے بعد میں نے حضرت قاری صاحب سے عرض کیا کہ حضرت میں اگر کسی سے کہوں اور کوئی ثبوت اور پروف مانگے تو میں کیا پیش کروں، تو اس کے جواب میں حضرت قاری صاحب نے فرمایا کہ میں کہہ رہا ہوں اس سے بڑا پروف اور کیا ہوسکتا ہے۔

(۳) اسی طرح حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب جو دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء کے ناظم تھے، اور اس خادم کے افتاء کے استاذ بھی تھے اور حضرت شاہ وصی اللہ صاحب الہ آبادی کے صحبت یافتہ اور خلیفہ و مجاز تھے مئو اپنے مکان پر ایک مرتبہ تشریف لائے، خادم کو شوق ہوا کہ ان کو مدرسہ ریاض العلوم گورینی بھی لے آؤں۔ چنانچہ مئو پہونچ کر حضرت کو دعوت دی اور حضرت نے دعوت منظور کیا اور ۴ر جنوری ۱۹۸۹ء کو مدرسہ ریاض العلوم اس خادم کی دعوت پر تشریف لائے اور رات بھر قیام فرمایا، عشاء کے بعد طلباء اساتذہ میں آپ کا بیان ہوا، جس میں خصوصیت کے ساتھ ایک بات پر آپ نے زور دیا کہ اس ملک میں مستقبل قریب میں ہندی زبان کا بول بالا اور غلبہ ہونے والا ہے، اس لئے اپنے اکابرین کی تعلیمات اور کتابوں کو ہندی زبان میں منتقل کرنے کی ضرورت ہے تاکہ نوجوان نسل تک اپنے اکابرین کی تعلیمات پہونچ سکیں، اس وقت حضرت مفتی صاحب کی یہ بات سمجھ میں نہیں آئی، لیکن بیس پچیس سال کے بعد جب حالات نے کروٹ بدلی اور ہندی کا بول بالا شروع ہو گیا تب سمجھ میں آیا کہ اس مرد درویش نے پچیس سال پہلے جو بات کہی تھی وہ سچ تھی۔ رات بھر قیام کرنے کے بعد کل ہو کر مئو کے لئے روانہ ہو گئے۔

(۴) اسی طرح حضرت مولانا ضمیر احمد صاحب جلالپوری جو اس علاقہ کے مانے ہوئے مقرر تھے اور سرائے میر کے گرد ونواح میں جلسوں میں شرکت کیا کرتے تھے، دار العلوم دیوبند کے ممتاز فضلاء میں سے تھے، مدرسہ کرامتیہ جلالپور ضلع فیض آباد کے صدر مدرس تھے۔ جنہوں نے ایک مرتبہ حضرت قاری طیب صاحب سے حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب کے رکن شوریٰ دار العلوم دیوبند بننے کے بعد جلالپور مدرسہ کرامتیہ کے ایک جلسے میں آمد کے موقع پر سوال کیا تھا کہ مولانا عبد الحلیم صاحب دار العلوم دیوبند کے شوریٰ کے ممبر کیسے بنا دیئے گئے؟ جبکہ وہ مظاہری ہیں، قاسمی نہیں۔ اس کے جواب میں حضرت قاری طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند نے بہت سنجیدگی اور متانت کے ساتھ یہ جواب دیا کہ اس کا جواب مولانا منظور نعمانی اور مولانا علی میاں صاحب سے پوچھو، یعنی اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ ان کو رکن شوریٰ بنانے میں انہیں دونوں حضرات کی رائے کا دخل تھا اور ان دونوں حضرات کو حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب کی رکنیت کے لئے مشورہ دینے والے حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب تھے۔

حضرت مولانا ضمیر احمد صاحب کی سوچ مدرسہ ریاض العلوم کے سلسلہ میں بہت اچھی نہیں تھی اور حضرت مولانا پر جو یہ ایک الزام تھا کہ وہ مدرسہ ریاض العلوم میں کسی قاسمی کو ٹکنے نہیں دیتے اس میں جونپور کی قاسمی برادری کے ساتھ مولانا ضمیر احمد صاحب کی بھی شرکت وشمولیت تھی۔

لیکن اس خادم کے مدرسہ ریاض العلوم میں آجانے کے بعد حضرت مولانا

عبدالحلیم صاحب کے حکم پر اپنے فتاوی میں قاسمی لکھنے کے بعد جب علاقہ میں یہ بات پھیلی کہ کوئی قاسمی مدرسہ ریاض العلوم میں آ گیا ہے اور اس کا چرچا ہونے لگا تو قاسمی برادری کو جستجو شروع ہوئی کہ وہ کون ہیں اور جب ان سے ملاقات شروع ہوئی اور اس قاسمی نے مدرسہ ریاض العلوم کا تعارف شروع کروایا تو دھیرے دھیرے قاسمی برادری کے وہ افراد جو دور تھے وہ حضرت مولانا اور مدرسہ سے قریب ہونے لگے، پھر ایک دن وہ بھی آیا کہ میں نے مولانا ضمیر احمد صاحب کو ذاتی طور پر مدرسہ آنے کی دعوت دی، انہوں نے قبول کیا اور آئے اور مدرسہ دیکھ کر بہت متاثر ہوئے، اور اس کے بعد ان کی سوچ اور زبان تبدیل ہوگئی، پھر تو ان کا حال یہ ہوگیا کہ جب ایک مرتبہ جلالپور میں فجر کی نماز کے بعد ملاقات ہوئی اور انہوں نے مجھ سے مدرسہ کی خیر خیریت دریافت کی تو میرا جواب سننے کے بعد انہوں نے ایک ٹھنڈی آہ لی اور فرمایا کہ مفتی صاحب سچ بات تو یہ ہے کہ انہی مدارس میں آج کل عافیت ہے اور ڈھنگ سے کام بھی ہو رہا ہے جو مدارس کسی شخصیت کی ماتحتی میں چل رہے ہیں، باقی جن مدارس میں کمیٹی کمیٹا ہے وہاں سوائے چھینٹی چھینٹا کے اور کچھ نہیں ہے۔ اس کے علاوہ بھی مختلف ملاقاتوں میں مختلف واقعات وہ سناتے رہے جن میں سے بعض واقعات کا تذکرہ آپ کو ملفوظات حبیب الامت میں بھی ملے گا۔

(۵) ریاض العلوم کے قیام کے زمانہ میں ایک مرتبہ حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب کی دعوت پر حضرت مولانا منظور نعمانی اور ان کی رفاقت میں ان کے داماد مولانا زکریا صاحب سنبھلی تشریف لائے، ان کے استقبال کے لئے گاڑی لے کر یہ خادم اور مولانا عبدالعظیم صاحب ندوی شاہ گنج گئے، دہرہ دون ایکسپریس سے اتر کر بذریعہ جیپ

مدرسہ ریاض العلوم پہونچے، مدرسہ کی مسجد کے متصل اتر طرف بنے ہوئے عارضی مہمان خانہ میں قیام ہوا، ہم سب کی ظہر کی نماز بھی باقی تھی، یہ طے پایا کہ پہلے ظہر کی نماز پڑھ لی جائے اس کے بعد کھانا کھایا جائے، سبھی حضرات مسافر تھے، دو رکعت نماز ادا کرنی تھی، حضرت مولانا نعمانی نے فرمایا کہ نماز کون پڑھائے گا؟ خادم نے عرض کیا کہ حضرت میں۔ چنانچہ مسافرت والی نماز میں نے دو رکعت پڑھا کر جونہی سلام پھیرا حضرت مولانا منظور صاحب نعمانی زور سے ہنسے اور فرمایا کہ لگتا ہے آپ نے شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کے ساتھ نماز پڑھی ہے، اس لئے کہ یہ حضرت شیخ والی نماز ہے۔ خادم نے عرض کیا کہ جی میں نے حضرت شیخ کے ساتھ سیکڑوں نمازیں ادا کی ہیں، اس پر وہ بہت خوش ہوئے اور بہت داد دی۔ حضرت شیخ کے یہاں "من ام قوماً فلیخفف" پر پورا پورا عمل ہوتا تھا اور آپ کے یہاں فرائض بہت ہلکی پڑھائی جاتی تھیں، رات میں حضرت مولانا منظور نعمانی کا قیام مدرسہ ہی پر رہا اور مغرب کے بعد دار الحدیث میں آپ کا بیان ہوا، آپ کی تقریر اخلاص کے موضوع پر رہی کہ جو بھی کام کیا جائے اخلاص کے ساتھ کیا جائے، کل ہو کر دہرہ دون ایکسپریس سے لکھنؤ کے لئے واپسی ہوگئی۔

(۲) حضرت مولانا طلحہ صاحب مولانا سلمان صاحب مولانا شاہد صاحب تینوں حضرات ایک ساتھ یکم اکتوبر ۱۹۸۹ء کو مدرسہ ریاض العلوم گورینی تشریف لائے اور غالباً یہ آمد مدرسہ مظاہر علوم کے مسائل کے سلسلہ میں حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب سے مشورہ کے لئے ہوئی تھی، چونکہ ۴؍اکتوبر ۱۹۸۸ء میں مدرسہ مظاہر علوم میں تالا لگ گیا تھا اور ہنگاموں کی شروعات ہو چکی تھی، جس کو ایک سال گزر گئے تھے، ان تینوں

حضرات کی آمد پر مغرب کے بعد مدرسہ ریاض العلوم کی مسجد میں بیان رکھا گیا جس میں مولانا سلمان صاحب اور مولانا شاہد صاحب نے تو تقریر کی اور مولانا طلحہ صاحب نے دعاء کرائی، عشاء کی نماز کے بعد کھانے سے فارغ ہوکر تینوں حضرات روڈ پر ٹہلنے کے لئے نکلے ساتھ میں یہ خادم بھی تھا، دوران گفتگو خادم نے ان تینوں حضرات سے کہا کہ کب تک آپ لوگ مدرسہ کی چہار دیواری سے باہر چکر لگاتے رہیں گے، آپ حضرات کو دارالعلوم سے سبق لینا چاہئے، مدرسہ مظاہر علوم دارقدیم اور دفتر کی عمارت مفتی مظفر حسین صاحب اور ان کے حواریوں کے لئے چھوڑ دیں اور دار جدید پر اساتذہ اور طلباء کو لے کر قبضہ کرلیں، پھر بعد میں جو ہوگا ہوتا رہے گا، لگتا ہے کہ یہ بات ان تینوں حضرات کے دل ودماغ میں اتر گئی، کل ہوکر تینوں حضرات سہارنپور کے لئے واپس ہوگئے اور چندروز کے بعد یہ خبر آئی کہ دار جدید پر حضرت شیخ کے لوگوں کا قبضہ ہوگیا۔

صبح سویرے فجر کی اذان کے بعد حضرت مولانا یونس صاحب حضرت مولانا عاقل صاحب اور دوسرے گروپ کے تمام اساتذہ اور طلباء گیٹ کھلوا کر دار جدید کے احاطہ میں داخل ہوگئے اور اندر سے تالا بند کرلیا۔ اس طرح ان حضرات کا دار جدید پر قبضہ ہوگیا جو آج تک بحال ہے۔

مدرسہ ریاض العلوم میں جلسہ دعائیہ کا انعقاد

مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں پہلی مرتبہ جس سال دورۂ حدیث کا آغاز ہوا

ختم بخاری کے موقع پر حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب کی یہ خواہش ہوئی کہ جلسۂ دعائیہ کے نام سے ایک پروگرام کرلیا جائے اور اس کے لئے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی کو بلا لیا جائے، وہ بخاری شریف کا ختم بھی کرادیں اور دعاء بھی ہوجائے۔ چنانچہ یہ پروگرام حضرت کے حکم پر طے پا گیا، لیکن اس پورے پروگرام کی ترتیب تبویب دعوت نامہ کی ترتیب، ترسیل اور دیگر مقررین و علماء کی تشکیل آنے والے مہمانوں کی ضیافت یہ سارے کام اس خادم کے سپرد کئے گئے۔

اور اسی کے ساتھ حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب نے تمام اساتذہ کے سامنے یہ کہنا شروع فرما دیا کہ اس جلسہ میں مدرسہ کا ایک پیسہ بھی خرچ نہیں ہونا چاہئے، بلکہ اس کے لیے مستقل الگ سے چندہ کیا جائے۔ حضرت کی زبان سے روزانہ یہ خادم بھی یہ جملہ سنتا رہا اور میرے ذمہ جو کام سپرد تھے اس میں مصروف رہا، جب چند روز باقی رہ گئے اور جب دیکھا کہ کسی کے کان پر جوں نہیں رینگ رہی ہے، سب تماشائی کھڑے سن رہے ہیں تو سارا انتظام مکمل کرنے کے بعد جلسہ سے چار دن پہلے حضرت مولانا سے اس خادم نے درخواست کی کہ حضرت اگر اجازت ہو تو چند روز کے لئے میں سفر کرلوں اور جلسہ کے اخراجات کا انتظام کر آؤں۔ حضرت نے بہت خوشی سے اجازت دے دی، یہ خادم سب سے پہلے جلالپور پہونچا، وہاں کے دوستوں سے جلسہ کے لئے چندہ کیا، اس کے بعد وہاں سے نریاؤں پہونچا، وہاں قاری اختر صاحب کو موٹر سائیکل کے ساتھ لیا اور نریاؤں کے لوگوں سے خصوصی ملاقات کی، تین دن کے بعد جلسہ کے ایک دن پہلے مدرسہ واپس آیا تو دیکھا کہ بمبئی سے بہت سارے

مہمان جو شوریٰ کے ممبر تھے وہ آ چکے تھے اور موجودہ نئے مہمان خانہ کے پاس بانس کا بیریئر لگا ہوا تھا، دیکھ کر حیران ہو کر میں نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ معلوم ہوا کہ حضرت کی تین دن سے طبیعت بہت زیادہ خراب ہے اور لوگوں کی آمد و رفت اور ملاقات بالکل بند ہے، لیکن اس حال میں بھی حضرت مولانا آپ کو بار بار یاد کر رہے ہیں، اور پوچھ رہے ہیں کہ ہمارے مفتی صاحب آئے یا نہیں؟ چنانچہ اس کے بعد فوراً مولانا عبدالعظیم صاحب ندوی مجھ کو لے کر حضرت مولانا کے کمرے میں پہونچے۔ حضرت مولانا بائیں کروٹ لیٹے ہوئے تھے، جونہی میں نے کمرہ میں داخل ہو کر سلام کیا حضرت فوراً داہنے کروٹ ہو گئے، مجھ کو دیکھا سلام کا جواب دیا، خیریت پوچھی، میں نے سفر کی کارگزاری سنائی اور بتلایا کہ اتنا چندہ جلسۂ دعائیہ کے لئے لے کر آیا ہوں، حضرت بہت خوش ہوئے اور دعاؤں سے نوازتے ہوئے یہ فرمایا کہ مفتی صاحب آپ نے تو پورے جلسہ کے خرچہ کا انتظام کر دیا۔ چنانچہ جلسہ کے بعد جب حساب کیا گیا تو جلسہ کے سارے اخراجات پورے ہونے کے بعد کئی ہزار روپئے بچ گئے جو داخل دفتر ہو کر مدرسہ کی ضروریات میں صرف ہوئے۔

دعاؤں سے نوازنے کے بعد تکیہ کے نیچے سے حضرت مولانا نے ایک خط نکالا اور مجھ کو دیتے ہوئے یہ فرمایا کہ مفتی صاحب لیجئے اس کو پڑھ لیجئے، جب میں نے خط کھولا تو مدرسہ کا دعوت نامہ جو جلسہ دعائیہ میں شرکت کے لئے حضرت مولانا ابرار الحق صاحب ہردوئی کو بھیجا گیا تھا اس دعوت نامہ کے پشت پر حضرت مولانا ہردوئی کا لکھا ہوا جواب تھا اس جواب کو جب میں نے پڑھا تو اس میں لکھا ہوا تھا کہ جلسہ کا

دعوت نامہ موصول ہوا لیکن اس جلسہ میں شرکت کرنے سے احقر معذور ہے چونکہ یہ جلسہ میرے نزدیک بدعت ہے اور بدعت کے کام میں شرکت کرنا احیاءِ سنت کے خلاف ہے، اس لئے احقر حاضری سے معذور ہے، اس خط کو پڑھنے کے بعد یہ خادم سمجھ گیا کہ حضرت کی علالت کی وجہ حضرت مولانا ہردوئی کا یہی خط ہے اور بیماری کی علت خفیہ یہی ہے۔

مزید برآں حضرت کی بیماری کی وجہ سے حضرت کی عدم موجودگی میں شوریٰ کی میٹنگ ہوئی جس میں نائب ناظم اور صدر مدرس دونوں شریک تھے اور اس میٹنگ میں جلسہ دعائیہ پر بھی بحث ہوئی اور حضرت مولانا ہردوئی کے خط کے تناظر میں اہل شوریٰ نے بھی اس کے بدعت ہونے کا فیصلہ صادر کیا اور تجویز لکھتے ہوئے رجسٹر پر مزید یہ لکھوایا کہ آئندہ کبھی بھی اس انداز کا جلسہ بغیر شوریٰ کی منظوری کے ہرگز نہ کیا جائے، اہل شوریٰ کی اس سخت گیر موقف کا کوئی بھی جواب مجلس میں نہ نائب ناظم نے دیا اور نہ صدر مدرس نے بلکہ شوریٰ کی تجویز پر ان دونوں نے بھی تائیدی دستخط کیے اس کے بعد وہ رجسٹر حضرت مولانا کو لاکر دیکھایا گیا، شوریٰ کی اس تجویز نے زخم پر نمک کا کام کیا اور حضرت مولانا کی بیماری کی شدت میں کئی گنا اضافہ کردیا جس کا تذکرہ خط دینے کے بعد حضرت مولانا نے خود اپنی زبان سے فرمایا۔ یہ سننے کے بعد اس خادم کو یقین ہوگیا کہ حضرت کی بیماری کا سبب یہی دو باتیں ہیں جس کی وجہ سے آپ صاحب فراش ہو چکے ہیں: (۱) مولانا ہردوئی کا خط (۲) شوریٰ کا فیصلہ۔ چنانچہ اس کے بعد بطور علاج کے حضرت مولانا ہردوئی کے سلسلہ میں کچھ ایسی باتوں کا تذکرہ کیا جن کا یہاں لکھنا مناسب نہیں

ہے،ان باتوں کوسن کرمیں نے دیکھا کہ حضرت کے چہرے پر رونق پلٹ آئی اور آدھا غم ہلکا ہوگیا اور آدھی بیماری بھی دور ہوگئی،اس کے بعد حضرت اٹھ کر بیٹھ گئے،اس کے بعد اس خادم نے شوری کا رخ کیا جس میں نائب ناظم اور صدر مدرس بھی شامل تھے،ان کے سلسلہ میں بھی کچھ معروضات پیش کیں جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت کا پورا غم ہلکا ہوگیا اور بیماری میں اتنی تخفیف ہوگئی کہ عشاء کی نماز آپ نے مسجد میں آ کرادا کی۔

سارے لوگ یہ منظر دیکھ کر حیران کہ آخر مفتی صاحب نے کونسا ایسا جادو حضرت پر کردیا کہ تین دن کی علالت مفتی صاحب کے آنے کے بعد ختم ہوگئی اور حضرت مولانا مسجد آنے کے لائق ہوگئے،لیکن آج تک کسی کو یہ خبر نہیں ہوسکی کہ ہماری حضرت مولانا سے تنہائی میں کیا گفتگو ہوئی کہ جس نے حضرت کی بیماری کو دور کردیا لیکن حضرت کے ساتھ اس خادم کے اس ربط خفی کو بہت سے لوگوں نے محسوس کیا اور بعض نے دبی زبان سے بعض مواقع پر اس کا اظہار بھی کیا۔

بہر حال کل ہوکر شاندار انداز میں جلسہ دعائیہ ہوا اور یہ تقریب دارالحدیث میں انجام پذیر ہوئی اور حسب دعوت حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی تشریف لائے اورانہوں نے بخاری شریف کاختم کرایا،اس پروگرام میں حضرت مولانا اسعد صاحب مدنی اور حضرت مولانا ضمیر احمد صاحب بھی تشریف لائے اوران کے بھی بیانات ہوئے اس کے بعد قرب وجوار سے آئے ہوئے علماء اہل مدارس اور مہمانوں کی ضیافت اس خادم نے کی جس کا انتظام اس خادم کے کمرے میں تھااور بخیر وخوبی پروگرام پایہ تکمیل کوپہونچ گیا۔

جلسہ کے ختم ہونے کے چندروز کے بعد حضرت مولانا نے ایک مفصل خط شوریٰ

والوں کے نام لکھوایا اور ان کی اس حرکت پر حضرت مولانا نے جم کر خبر لی، نیز مدرسہ کے صدر مدرس کو بھی خوب کڑوی کسیلی سنائی جس کا کوئی جواب ان کے پاس نہیں تھا۔

بہرحال جب تک یہ خادم مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں رہا حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب کے منشاء اور خواہش کے مطابق اپنے کو چلاتا رہا اور آپ کی مرضی کو اللہ کی مرضی کے بعد سب سے مقدم رکھتا رہا۔

مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں ریاض الجنہ کا اجراء

۱۹۸۸ء میں مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں مولانا افضال الحق صاحب اور اس خادم نے ریاض الجنہ کے نام سے ایک پرچہ نکالنے کا ارادہ کیا جب ہم دونوں کا اس پر اتفاق ہو گیا تو حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب سے منظوری کے لئے ہم لوگوں نے ملاقات کی حضرت کی منظوری ملنے کے بعد ایک سہ نفری مجلس ادارت تشکیل دی جس میں مولانا افضال الحق صاحب اور اس خادم کے ساتھ مولانا عبدالعظیم صاحب ندوی کو شامل کیا گیا اور حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب کو اس کا سرپرست طے کیا گیا، ابتداءً اس کو سہ ماہی رکھا گیا اور اس کے بعد جنوری ۱۹۸۹ء سے اس کو ماہانہ کر دیا گیا، کئی سال تک یہ رسالہ بہت شان کے ساتھ چلتا رہا، لیکن اس رسالہ کی پوری ذمہ داری اس خادم کے سر تھی، مضامین لکھنا، مضامین کی فراہمی، کتابت کروانا، پروف ریڈنگ کرنا اور مختلف مراحل سے گزار کر اس کو شائع کروانا یہ اتنے زیادہ اور مشکل کام تھے

جس کا بوجھ اکیلے اس خادم کے سر تھا، لیکن کئی سال تک بلا غرض اور بلا عوض یہ خادم اس بوجھ کو بصد شوق برضاء ورغبت اٹھاتا رہا۔

لیکن مولانا افضال الحق صاحب کے جانیکے بعد اس رسالہ کو بالتدریج نظر لگنی شروع ہوئی، پہلے تو مجلس ادارت کو ختم کیا گیا اور صرف سرپرست اور مدیر مسئول کا نام باقی رکھا گیا۔ اس طرح کچھ دنوں تک رسالہ چلتا رہا، لیکن اس کے باوجود یہ خادم سارے فرائض انجام دیتا رہا، لیکن جب بات زیادہ خراب ہوگئی تو پچیس جولائی ۱۹۹۰ء کو اس خادم نے نائب ناظم کو ریاض الجنہ کی جملہ خدمات سے سبکدوشی کا استعفیٰ پیش کردیا، لیکن چونکہ مدرسہ میں موجود افراد میں سے کوئی بھی شخص اس کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا کہ وہ بلا معاوضہ صرف لوجہ اللہ اتنے بڑے کام کو انجام دے سکے۔ بالآخر ۹ راگست مطابق ۱۶ رمحرم ۱۹۹۰ء کو تمام اساتذہ کی ایک میٹنگ ہوئی جس میں باتفاق رائے ماہنامہ ریاض الجنہ کا مدیر تحریر اس خادم کو نامزد کردیا گیا، نتیجۃً بالآخر اس خادم کو دوبارہ اس بوجھ کو اٹھانا پڑا اور جب تک مدرسہ ریاض العلوم میں رہا دیگر فرائض کے ساتھ اس فرض کو بھی باحسن وجوہ انجام دیتا رہا اور جب تک ریاض الجنہ کی خدمت کی نہ کبھی معاوضہ کا خیال پیدا ہوا اور نہ مطالبہ کیا۔

مدرس ریاض العلوم میں شعبہ تعلیمات اور خادم کی ذمہ داریاں

جب یہ خادم مدرسہ ریاض العلوم گورینی پہونچا تو سوائے دفتر انتظام کے اور کوئی شعبہ موجود نہیں تھا، کچھ عرصہ کے بعد مدرسہ کے نائب ناظم نے اس خادم سے کہا

کہ مفتی صاحب شعبہ تعلیمات کا کام بڑھتا جارہا ہے اگر اس کے اصول وضابطے بن جاتے اور باضابطہ اس کے لیے افراد طے پاجاتے تو کام تقسیم ہوجاتا اور ڈھنگ سے کام انجام پذیر ہونے لگتا۔

چنانچہ نائب ناظم کے حکم پر شعبہ تعلیمات کا پورا دستور بنایا بلکہ دار الاقامہ، برقیات، مطبخ اور دیگر ذیلی شعبوں کے اصول وضوابط لکھے اور اس کے فرائض واختیارات متعین کئے اور چند روز میں یہ سارا کام مکمل کر کے نائب ناظم کے حوالہ کردیا جس کو پڑھ کر انہوں نے بہت تحسین کی اور اس خادم کی مدح کے لئے الفاظ ان کے پاس کم پڑ گئے اس کے بعد الگ الگ رجسٹروں پر ان سارے اصول وضوابط کو لکھوایا۔ حضرت مولانا کو سنا کر منظوری لی، لیکن جب مجلس تعلیمی کا ممبر بنانے کی بات آئی تو عمداً اس خادم کے نام کو نظر انداز کردیا گیا اور مجلس تعلیمی میں ان لوگوں کے نام رکھے گئے جن کو نہ ان کاموں سے واقفیت تھی اور نہ فرصت، جس کی وجہ سے مجلس تعلیمی کا مکمل کام کئی سال تک تنہا اسی خادم کو دیکھنا پڑا اور بلاغرض وبلاعوض یہ خدمت بھی ایک طویل زمانہ تک انجام دیتا رہا، لیکن اس کے باوجود بھی مجلس تعلیمی میں نامزد نہیں کیا گیا، نام کی پرواہ کئے بغیر طویل عرصہ تک بحسن وخوبی شعبۂ تعلیمات کے سارے کام کرتا رہا اور یہ ہمیشہ ذہن میں رکھا "إن اجری إلا علی الله"۔

حضرت مولانا عبدالحق صاحب اعظمی کی مدرسہ ریاض العلوم میں آمد

حضرت مولانا عبدالحق صاحب اعظمی جس وقت دار العلوم مئو میں شیخ الحدیث

تھے، اسی وقت سے اس خادم کی ان سے آشنائی تھی اور اس سے پہلے حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کی خدمت میں رہتے ہوئے بھی ان سے ملاقات ہو چکی تھی۔

جب دارالعلوم دیوبند میں انقلاب آیا اور نئے اساتذہ کی تقرری شروع ہوئی تو اس میں حضرت مولانا عبدالحق صاحب اعظمی کو بھی دارالعلوم دیوبند بلا لیا گیا اور اس کے بعد بخاری جلد ثانی ان کے سپرد کی گئی جس کی وجہ سے شیخ ثانی کے لقب سے وہ مشہور ہوئے۔

ایک مرتبہ ان کی آمد مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں ہوئی، اس وقت مدرسہ میں چونکہ کوئی مہمان خانہ نہیں تھا اس لئے اپنے عزیز ماسٹر عزیز الرحمٰن صاحب جو پوٹریا ضلع جونپور کے رہنے والے اور مفتی منظور احمد صاحب قاضی شہر کانپور کے خاندان کے تھے اور مدرسہ ریاض العلوم میں پرائمری کے استاذ تھے انہی کے کمرہ میں رات کا قیام کیا اور صبح فجر کی نماز کے بعد حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب سے یہ کہتے ہوئے سلام ومصافحہ کیا کہ حضرت اب میں جارہا ہوں، یہ خادم بھی حضرت مولانا کے ساتھ اس وقت تھا چونکہ فجر کی نماز کے بعد حضرت مولانا کے یہاں ذکر کی مجلس ہوتی تھی اس میں بلاناغہ شرکت کا معمول تھا، چند قدم آگے بڑھنے کے بعد اس خادم نے حضرت مولانا سے عرض کیا کہ حضرت اجازت ہو تو میں مولانا عبدالحق صاحب کو چائے پلادوں۔ حضرت نے بہت بشاشت کے ساتھ اس کی اجازت دی اور یہ فرمایا کہ مفتی صاحب ہمارے یہاں تو بہوئیں دیر سے ناشتہ بناتی ہیں، نو بجے سے پہلے ناشتہ تیار نہیں ہوتا، اس لئے آپ ضرور ناشتہ کرادیں، چنانچہ مولانا عبدالحق صاحب کو لے کر اپنے گھر گیا۔

چونکہ اس وقت اس خادم کے اہل وعیال مدرسہ ہی کے متصل مدرسہ کے ایک مکان میں کرایہ پر مقیم تھے، فجر کی نماز کے بعد اس خادم کا معمول یہ تھا کہ ذکر کی مجلس سے واپس آکر ایک گلاس کا جو بادام کا جوس پیتا، ایک نیم برشٹ انڈا کھاتا، ایک پیالی چائے پیتا، اس کے بعد ایک گھنٹہ آرام کرتا اس کے بعد دوسری گھنٹی سے سبق پڑھانا شروع کرتا تو علی طول بارہ بجے تک یہ سلسلہ جاری رہتا، دوپہر میں بالعموم مہمانوں کی آمدورفت رہتی تھی اس لئے قیلولہ کا موقعہ نہیں ملتا تھا اس کی تلافی کے لیے بعد نماز فجر ذکر کی مجلس سے فارغ ہوکر ایک گھنٹہ آرام کرلیا کرتا تھا۔

جب حضرت مولانا عبدالحق صاحب میرے کمرہ میں تشریف لے گئے تو دسترخوان بچھا کر کمرے میں موجود مختلف قسم کے بسکٹ اور نمکین کے ساتھ کا جو بادام اور کا جو بادام کا ایک گلاس جوس اور انڈا پیش کیا، مولانا دسترخوان پر لگی ہوئی چیزوں کو کافی دیر تک بغور دیکھتے رہے، میں نے جب کئی مرتبہ کھانے کے لئے اصرار کیا تب آپ نے کہا کہ مفتی صاحب دارالعلوم دیوبند تک اساتذہ میں اس کا چرچا ہے کہ مدرسہ ریاض العلوم میں سارے لوگ بمشکل چھ گھنٹہ ڈیوٹی کرپاتے ہیں، تنہا مفتی حبیب اللہ صاحب ایسے ہیں جو اٹھارہ گھنٹہ ڈیوٹی کرتے ہیں، میں سوچتا تھا کہ وہ اٹھارہ گھنٹہ ڈیوٹی کیسے کرتے ہیں، لیکن آج سمجھ میں آگیا کہ جو اپنی صحت کا اتنا خیال رکھتا ہو وہ یقیناً اٹھارہ گھنٹہ ڈیوٹی کرسکتا ہے، اس کے بعد ناشتہ اور چائے سے فارغ ہونے کے بعد روڈ پر لے جاکر ان کو رخصت کیا، میرے اس عمل سے وہ بہت ممنون ہوئے جس کا صلہ انہوں نے اس طرح دیا۔

کہ اس کے بعد میرا جانا دیوبند حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی کی ملاقات کے لئے ہوا تو عشاء کی نماز کے بعد دارالحدیث فوقانی میں استاذ کے تخت کے داہنے حصہ والے دروازہ سے چپکے سے جا کر بیٹھ گیا، جہاں حضرت مولانا عبدالحق صاحب بخاری شریف جلد ثانی کا درس دے رہے تھے، میرے بیٹھتے ہی حضرت مولانا نے اپنے داہنے طرف دیکھنا بند کردیا، صرف سامنے اور بائیں دیکھتے رہے، میں آدھے گھنٹہ تک درس میں شریک رہا، لیکن آپ کا یہی انداز رہا جبکہ آپ سبق پڑھاتے ہوئے دائیں بائیں اور سامنے مستقل دیکھتے تھے، طلباء بھی پریشان کہ آخر آپ نے داہنے طرف دیکھنا کیوں بند کردیا، جب میں نے یہ محسوس کرلیا کہ لگتا ہے کہ مولانا کی نظر مجھ پر پڑ گئی ہے اسی وجہ سے انہوں نے دائیں طرف دیکھنا بند کردیا، اس کے بعد میں خاموشی سے اٹھا اور واپس آ گیا، صبح کو درجنوں طلباء ملے کہ حضرت مولانا عبدالحق صاحب آپ کو تلاش کروا رہے تھے اور دو گھنٹے تک ہر جگہ آپ کو ڈھونڈوایا لیکن آپ نہیں ملے، کل ہو کر جب آپ سے ملاقات ہوئی تو آپ نے فرمایا:

کہ مفتی صاحب جب آپ دارالحدیث میں تشریف لائے تو میری نظر آپ پر پڑ گئی اور میں نے آپ کو دیکھ لیا تھا، اس لئے دائیں طرف دیکھنا میں نے بند کردیا، اگر دارالعلوم کی روایت کے خلاف یہ بات نہ ہوتی تو میں آپ کو بلا کر تخت پر اپنے پاس بٹھاتا، اس کے بعد جب سبق ختم کر کے گھر آیا تو دو گھنٹے تک آپ کو تلاش کروایا تا کہ آپ کے ساتھ کھانا کھا سکوں، آخر کار جب آپ نہیں ملے تو میں نے دو بجے رات کو آپ کا انتظار کر کے کھانا کھایا۔

اس کے بعد حضرت مولانا نے فرمایا کہ جب تک آپ کا یہاں قیام ہے، آپ کھانا میرے ساتھ کھائیں، لیکن خادم نے یہ کہہ کر معذرت کردی کہ میں حضرت مفتی صاحب کا مہمان ہوں، اگر وہ دسترخوان پر مجھ کو نہیں پائیں گے تو ان کو برا لگے گا، لہٰذا کھانے کے تکلف کو چھوڑ دیں، پھر بھی اصرار کر کے ایک وقت دعوت دے کر اپنے ساتھ کھانا کھلایا۔

تذکرہ حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری

اسی طرح ایک مرتبہ میں فیض آباد سے شاہ گنج آ رہا تھا، فیض آباد میں دہرہ دون ایکسپریس کی جس بوگی میں، میں داخل ہوا اس میں حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری بھی موجود تھے، ان کے ساتھ ایک طالب علم تھا جو رفیق سفر اور رہبر تھا، حضرت مولانا ریاست علی صاحب سے ملاقات کے بعد تعارف ہوا، تعارف کے بعد میں نے خدمت شروع کی، فیض آباد شہر کے جو تحائف میرے پاس تھے ان کو میں نے پیش کیا۔ حضرت مولانا نے بہت خوشی اور شوق سے نوش فرمایا، جہاں جہاں گاڑی رکتی گئی وہاں سے مختلف چیزیں خرید کر پیش کرتا رہا، جب شاہ گنج گاڑی پہونچی تو اسٹیشن پر جلسہ والوں میں سے نہ کوئی موجود تھا اور نہ گاڑی ہی موجود تھی، میں نے ظہر کی نماز کے بہانے حاجی غلام رسول صاحب کی مسجد میں حضرت مولانا کو پہونچایا اور حاجی صاحب کے بچوں کو بلا کر کہا کہ جتنی جلدی ہو سکے تین آدمی کا کھانا تیار کریں، چونکہ

دوپہر کے کھانے کا وقت گزر رہا تھا اور کھانے کی ضرورت کو شدت سے میں نے محسوس کیا، ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر حاجی غلام رسول کے مکان پر حضرت مولانا کو لے کر گیا جہاں حاجی صاحب کے بچوں نے فوراً دسترخوان لگا کر ماحضر پیش کر دیا، حضرت مولانا نے بہت رغبت سے کھانا کھایا اور اس کے بعد میری اس ذہانت کی بہت داد دی، اس کے بعد میں نے گاڑی کا انتظام کیا، حضرت مولانا نے فرمایا کہ پہلے میں آپ کے مدرسہ چلوں گا اس کے بعد جلسہ گاہ جاؤں گا۔

چنانچہ آپ مدرسہ ریاض العلوم گورینی تشریف لائے، مدرسہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے، اس کے بعد چائے سے فارغ ہو کر مجھ کو اصرار کے ساتھ اپنے ساتھ لے کر جلسہ گاہ گئے، وہاں پہونچ کر حضرت مولانا نے اس خادم کی بہت زیادہ پذیرائی کی اور خدمت کو سراہا اور جلسہ کے منتظمین کی جی بھر کے کھینچائی کی، جلسہ ختم ہونے کے بعد جب میں مدرسہ واپس آنے لگا تو آپ نے اس خدمت کا صلہ اس طرح دیا کہ آپ نے الوداعی سلام ومصافحہ کرتے وقت آپ نے فرمایا کہ آپ کا آنا جب بھی دارالعلوم دیوبند ہو تو مجھ سے ضرور ملاقات کریں اور میرے مہمان بنیں۔

چنانچہ اس کے بعد جب دارالعلوم دیوبند جانا ہوا اور آپ سے ملاقات ہوئی تو آپ نے تصور سے زیادہ عزت دیا اور حاضرین میں تعارف کرایا اور اپنے یہاں قیام کا حکم فرمایا، لیکن خادم نے قیام سے معذرت کر دی، لیکن حضرت مولانا کے اصرار کی وجہ سے ایک وقت کا پُر تکلف کھانا ان کے ساتھ کھانا پڑ گیا۔ لیکن سفر کی اچانک اس مختصر سی ملاقات اور تھوڑی سی خدمت کو انہوں نے ہمیشہ یاد رکھا اور جب جب ملاقات

ہوئی فوراً انھوں نے پہچان لیا۔

اس خادم کا گجرات کا چلہ اور بمبئی کا اعتکاف

یہ خادم مدرسہ ریاض العلوم کے قیام کے زمانے میں حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب کی منشاء اور ایماء پر جب تبلیغی جماعت سے وابستہ ہوا تو کئی چلے بھی لگانے کا اتفاق ہوا، انہیں میں سے ایک چلہ جس کا آغاز سرائے میر میں ہونے والے اجتماع سے ہوا، اس چلہ میں خادم کی جماعت کا رخ مرکز نظام الدین دہلی کا بنایا گیا۔ چنانچہ حسب تجویز یہ خادم اپنی جماعت کے ساتھ دہلی پہونچا، دہلی سے گودھرا کا رخ مرکز والوں نے بنادیا جہاں عالمی اجتماع ہونے والا تھا، اجتماع کے ختم ہونے کے بعد وہاں سے ہماری جماعت کا رخ سورت کا بنا، سورت پہونچ کر رمضان شروع ہو چکا تھا ایک ہفتہ سورت شہر کی مختلف مساجد میں اور ایک ہفتہ راندیر میں وقت لگا، جماعت کی نسبت سے گجرات اور سورت اور راندیر کو دیکھنے کا پہلا اتفاق تھا، نیز گجرات کے کبار علماء حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری، حضرت مولانا اجمیری، حضرت مولانا مفتی اسماعیل صاحب وغیرہم کی زیارت و ملاقات کا پہلا اتفاق تھا دو ہفتے کے بعد خادم کی جماعت کا لاجپور کفلیتا، مرول، ڈابھیل، سملک، ویسما ہوتے ہوئے نوساری پر چلہ مکمل ہوا، چلہ کے ساتھیوں میں حاجی منظور احمد صاحب جلالپور، حاجی سجاد صاحب کوھنڈہ ضلع اعظم گڑھ، حاجی عبدالقیوم صاحب منگراواں وغیرہم خصوصیت

سے قابل ذکر ہیں۔

اس سال حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب کا اعتکاف بمبئ کے احباب کے اصرار پر بمبئ میں ہونا طے پایا تھا، خادم کا چلہ چونکہ ۱۹/رمضان کو مکمل ہورہا تھا، اس لئے اور ساتھیوں کے ساتھ واپسی کے بجائے میں نے حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب سے بمبئ میں ان کی معیت میں آخری عشرہ کے اعتکاف کی پیشگی اجازت حاصل کرلی تھی۔ چنانچہ ۲۰/رمضان کی صبح کونوساری سے بذریعہ ٹرین روانہ ہوکر چند گھنٹے میں یہ خادم بمبئ پہونچ گیا وہاں استقبال میں حاجی رضوان صاحب گاڑی لے کر موجود تھے، گاڑی میں بیٹھنے کے بعد جب حاجی رضوان صاحب سے گفتگو شروع ہوئی، میں نے ان سے خانقاہ کے معمولات کے بارے میں دریافت کیا تو یہ سن کر میں حیران رہ گیا کہ سوائے عصر کے بعد کتابی تعلیم کے اور کچھ بھی نہیں ہورہا ہے، اور کئی روز سے حضرت یہ فرمارہے ہیں کہ جب ہمارے مفتی صاحب آجائیں گے تبھی معمولات شروع ہوں گے اور روزانہ حضرت آپ کا تذکرہ کررہے ہیں، کل حضرت نے خود ہی فرمایا کہ ہمارے مفتی صاحب آرہے ہیں ان کو لینے کے لئے وہی جائے گا جو مجھ کو لینے کے لیے جاتا ہے، اس لئے میں آپ کو خود لینے کے لیے حاضر ہوا، ظہر کی نماز سے پہلے جب ڈونگری کے مرغی محلّہ کی مسجد میں پہونچا جہاں حضرت مولانا بیس روز سے معتکف تھے تو اس مسجد میں مولانا منیر احمد صاحب بستوی امام وخطیب جامع مسجد کالینہ مولانا کلیم اللہ صاحب بستوی امام وخطیب مکلائی مسجد سورت، گجرات اور مولانا مقبول صاحب جونپوری جیسے جبال علم اکابر موجود تھے، اس کے باوجود حضرت مولانا کی

خانقاہ میں سناٹا تھا، ظہر سے جب یہ خادم پہونچا، پہونچتے ہی فوراً حاجی رضوان اللہ صاحب سے ختم خواجگان کا کپڑا اور اس کا دانہ منگوایا اور ظہر کی نماز کے بعد اعلان کر کے ختم خواجگان کرایا اور اس خادم نے اجتماعی دعاء کرائی، اس کے بعد اجتماعی مجلس ذکر کا اعلان کیا اور ذکر شروع کروایا، عصر کے بعد کتابی تعلیم کا اعلان کیا اور معمول کے مطابق کتاب کی تعلیم ہوئی اور مغرب سے پہلے آخری عشرہ کے اعتکاف کا اعلان کیا اور دیگر رفقاء کے ساتھ یہ خادم بھی مسجد میں معتکف ہوگیا، عشاء کے بعد ختم یٰسین شریف اور چہل حدیث درود پاک کا اعلان کیا اور اس کے بعد میں نے اجتماعی دعاء کرائی، فجر کی نماز کے بعد دس سے گیارہ بجے تک بیان کا اعلان کیا اور مولانا نوازش علی صاحب علن پور فیض آباد کا بیان طے کر کے ان کو بیان کے لئے بٹھایا۔

اس طرح تمام معمولات کے شروع ہونے کے بعد مسجد کی رونق دو چند ہوگئی اور پروگرام میں شرکت کرنے والوں کی تعداد بھی کافی بڑھ گئی اور لوگ استعجاب کے ساتھ اس جستجو میں پڑ گئے کہ یہ کون شخص ہے جس نے آتے ہی روح چمن میں پھونک دی ورنہ تو یہاں کی کلی کلی محو تھی خواب ناز میں ؎

سورش عندلیب نے روح چمن میں پھونک دی
ورنہ کلی کلی یہاں محو تھی خواب ناز میں

مجبوراً جبال علماء کو یہ بتلانا پڑا کہ یہ حضرت کے مدرسہ کے مفتی صاحب ہیں، جب لوگوں نے یہ سنا کہ یہ مفتی صاحب ہیں تو ان کے دل و دماغ میں سوئے ہوئے سوالات بیدار ہونے لگے اور چونکہ اعتکاف کی وجہ سے مسجد سے باہر نکلنا ممکن نہیں تھا

اس لئے تراویح سے فارغ ہونے کے بعد مستفتیان کرام کی بھیڑ جمع ہونے لگی۔

جب اس خادم کے اردگرد بھیڑ کو لوگوں نے دیکھا تو بعض لوگوں کے پیٹ میں مروڑ شروع ہونے لگا نوبت بایں جا رسید کہ کچھ لوگوں نے بچھو کی طرح ڈنک مارنا شروع کر دیا، مجبوراً خادم کو کہنا پڑا کہ آپ ہی ان حضرات کو منع کر دیں کہ میرے گرد و پیش نہ بیٹھا کریں، لیکن بعض لوگوں کو اس خادم کی مرجعیت سے بہت شدید تکلیف ہونے لگی۔ بہر حال اللہ اللہ کر کے آخری عشرہ کا اعتکاف مکمل ہوا۔

ادھر یہ خادم چلہ کا تھکا ہوا اور چلہ پورا ہوتے ہی مسجد میں آکر ایک جگہ محبوس ہو گیا جس کی وجہ سے شدید قبض کا شکار ہو گیا، ایسا قبض کہ ناخون کے پوروں میں اور آنکھ کے پلکوں میں درد شروع ہونے لگا اور رافع قبض کوئی بھی دوا مؤثر نہیں ہو رہی تھی، ادھر عید کی رات میں از خود دست شروع ہو گیا، دست کی بے چینی ہی میں حضرت مولانا کا حکم ملا کہ کل عید کی نماز بھی مرغی محلّہ کی مسجد میں ہوگی اور عید کی امامت وخطابت آپ کو انجام دینا ہے۔ بہر حال عید کی رات میں باہر نکلا، عطر کی ایک شیشی خرید کر لے کر آیا اور اسی اسہال کی حالت میں تعمیل حکم میں عید کی امامت وخطابت کے فرائض انجام دیئے۔ اسہال کی وجہ سے کچھ کھانے کو جی بھی نہیں چاہ رہا تھا، حاجی رضوان صاحب کے مکان پر حضرت مولانا آرام فرما رہے تھے، پچاس روز کے مجاہدہ کے بعد عید کا دن سوچ کر خدام کو یہ بتلا کر میں ایک صاحب کے ساتھ یہ کہہ کر نکل گیا کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، شام کا کھانا میں نہیں کھا سکوں گا۔ حضرت مولانا کو اس کی اطلاع کر دینا، میں تھوڑا گھوم پھر کر شام تک آتا ہوں، شام کو جب میں پہونچا تو حضرت آرام کے لئے لیٹ چکے تھے، فجر کی نماز کے

بعد حضرت مولانا نے بہت جلال میں یہ اعلان فرمایا کہ رات کا کھانا جس نے جہاں کھایا ہو صبح کا ناشتہ بھی وہ وہیں کرے، حضرت مولانا کے اس ارشاد کا مفہوم ومصداق اس خادم نے خوب اچھی طرح سمجھا اوران سانپ اور بچھوؤں پر بے حد رنج ہوا، جنہوں نے ڈنک مار کر حضرت مولانا سے یہ جملہ اس خادم کو سنوایا۔

عید کے بعد چونکہ مدرسہ کے لئے واپس آنا تھا تو اس خادم نے اپنے ذاتی پیسے سے اپنی واپسی کا ٹکٹ بنوایا اور ایک عطر کی شیشی بھی کسی نے ہدیہ میں نہیں پیش کی، اس کے باوجود بعض لوگوں کو یہ خبط سوار تھا کہ مفتی صاحب کو یہاں جمنے نہ دو، اگر بمبئی میں جم گئے تو ہماری مٹی پلید ہو جائے گی اور ہمارے سارے نذرانے بند ہو جائیں گے۔

چنانچہ اس کا مظاہرہ اس وقت دیکھنے کو ملا جب چند مہینے کے بعد ڈاکٹروں کی ٹیم کی طرف سے عبدالولی بھائی نے حضرت مولانا کے نام یہ خط بھیجا کہ رمضان کے اخیر عشرہ کے اعتکاف کے معمولات واعلانات کے لیے مفتی صاحب کی آواز سن کر ہم ڈاکٹروں کو یہ محسوس ہوا کہ مفتی صاحب کے گلہ کا علاج ضروری ہے، لہٰذا مفتی صاحب کو چند روز کے لئے بمبئی بھیج دیا جائے تاکہ ہم لوگ مل کر ان کے گلے کا علاج کرسکیں، اس خط کے آنے کے بعد حضرت نے خواص کی مجلس بلائی اور یہ خط پڑھ کر سنایا اس کے بعد اس مجلس میں یہ طے پایا کہ مفتی صاحب کو بمبئی نہ بھیجا جائے جب یہ جواب اس خادم کو معلوم ہوا تو سن کر بہت افسوس ہوا اور حاضرین مجلس کی سوچ اور فکر پر بہت صدمہ اور رنج ہوا، لیکن سوائے صبر کے اور کوئی چارہ کار نہیں تھا۔

جامعہ حسینیہ راندیر کے لئے مولانا اسماعیل بدات کا اصرار

۱۹۸۸ء میں یہ خادم جب والدین کے ساتھ حج کے لئے گیا اور حج سے فارغ ہوکر مدینہ طیبہ جانا ہوا تو وہاں مولانا اسماعیل بدات جو گجرات کے نانی نرولی کے رہنے والے تھے اور مدینہ طیبہ میں مقیم تھے اور حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کے خدام وخلفاء میں سے تھے، انہوں نے اپنے گھر بلا کر دعوت کی اور ایک گھنٹہ ترغیبی بات کی، اس وقت جامعہ حسینیہ راندیر میں شیخ الحدیث کی اہم ضرورت تھی اور مولانا کی نظر اس خادم پر آ کر ٹک چکی تھی اور ہر حال میں وہ شیخ الحدیث بنا کر بھیجنا چاہتے تھے، حتی کہ انہوں نے بارہ بجے رات تک مجھ کو کمرے میں بند کر دیا کہ تم کو ہر حال میں ہاں کر کے ہی نکلنا ہے، یہاں تک کہا کہ حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب سے اجازت دلوانا میرا کام ہے، نیز تمہارے جو بھی شرائط ہوں لکھ کر دے دو میں بحیثیت مہتمم منظوری کی دستخط کر کے تم کو دیتا ہوں، لیکن ہر حال میں تم کو وہاں جانا ہے۔ نہ کی کوئی گنجائش نہیں لیکن خادم کا ذہن چونکہ یہ بنا ہوا تھا کہ ''یک در گیر محکم گیر'' نیز اس وقت تک مدرسہ ریاض العلوم گورینی کو چھوڑنے کی کوئی وجہ جواز بھی نہیں تھی، نیز حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد بھی پیش نظر تھا جس میں آپ نے فرمایا کہ اگر اللہ پاک کسی جگہ اس کی روزی کا انتظام کر دے تو بلا وجہ شرعی اس کو چھوڑ کر دوسری جگہ نہیں جانا چاہئے، حالانکہ اس خادم کے انکار سے مولانا موصوف کو بہت تکلیف ہوئی اور اس کے بعد بھی مختلف ذرائع سے سفارش کرواتے رہے اور ترغیب دیتے رہے، لیکن یہ خادم اخیر تک ان سے معذرت کرتا رہا۔

مدرسہ مظاہر علوم دار جدید کی پیشکش

اسی طرح جب مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے حالات میں جب سکون پیدا ہوا اور افراتفری ختم ہوگئی اور دار جدید کے تعلیمی نظام میں باضابطہ استحکام پیدا ہوگیا تو حضرت جی مولانا انعام الحسن کے برخوردار مولانا زبیر الحسن صاحب نے کئی مرتبہ اور کئی ملاقاتوں میں مدرسہ مظاہر علوم جانے کی پیشکش کی اور یہاں تک فرمایا کہ تم مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں ترمذی شریف پڑھاتے ہو مدرسہ مظاہر علوم میں بھی ترمذی شریف پڑھانے کو دی جائے گی۔ اس طرح تم مدرسہ ریاض العلوم میں ماہنامہ ''ریاض الجنۃ'' کے مدیر تحریر ہو، مدرسہ مظاہر علوم میں ماہنامہ ''مظاہر'' کے تم مدیر تحریر رہو گے اور اس کے علاوہ جو کتاب تم کہو گے وہ کتاب دی جائے گی اور تمہاری تنخواہ جو مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں ہے اس سے ڈبل وہاں ہوگی، اس کے علاوہ جتنی بھی تمہاری شرطیں ہوں ساری شرطیں منظور ہیں، رہ گئی بات حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب سے اجازت دلوانے کی تو وہ ذمہ داری میری ہوگی میں کیسے اجازت ان سے دلواؤں گا وہ میرا کام ہے، اس کو میرے اوپر چھوڑ دو، بس تم ہاں کہہ دو باقی مسائل سے میں نمٹ لوں گا، لیکن جن اسباب اور وجوہ کے تحت مولانا اسماعیل بدات سے میں نے معذرت کی تھی انہیں اسباب اور وجوہ کے تحت میں نے مولانا زبیر الحسن صاحب سے بھی معذرت کرلی، حالانکہ میری معذرت ان پر گراں گزری اور جب جب ملاقات ہوتی رہی وہ اصرار کرتے رہے اور ہر مرتبہ میں ان سے معذرت کرتا رہا۔

امارت شرعیہ پٹنہ کے لئے پیشکش

مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں رہتے ہوئے حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب کا ایک سفر چمپارن کا ہوا، واپسی میں مدرسہ خیر العلوم بریار پور جو موتیہاری شہر میں واقع ہے، حضرت قاضی صاحب وہاں تشریف لے گئے، ماحضر سے فارغ ہونے کے بعد مدرسہ کے ناظم حضرت مولانا محمد عالم صاحب قاسمی نے رجسٹر تأثرات حضرت قاضی صاحب کی خدمت میں پیش کیا، حضرت قاضی صاحب نے اپنا تاثر لکھنے سے پہلے اپنے سے پہلے والوں کے تاثرات پڑھنے شروع کئے، ان تاثرات میں حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب جونپوری کا بھی تاثر تھا جو چمپارن کے سفر کے موقعہ پر مدرسہ خیر العلوم بریار پور میں تشریف آوری کے وقت لکھا گیا تھا، جس کا لکھنے والا یہ خادم تھا، جب حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب کے تاثرات کو حضرت قاضی صاحب نے پڑھا تو آپ نے ٹھہر کر ناظم صاحب سے پوچھا کہ یہ تحریر کس کی ہے، اس کے جواب میں ناظم صاحب نے بتلایا کہ یہ مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی کی تحریر ہے جو میرے عزیز ہیں اور مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں کئی سال سے مدرس ہیں، حضرت مولانا انہیں کے گھر تشریف لائے ہوئے تھے، واپسی پر یہاں بھی تشریف لائے، اسی موقع کی یہ تحریر ہے، اس کے بعد حضرت قاضی صاحب ناظم صاحب کے پیچھے پڑ گئے کہ مفتی حبیب اللہ صاحب کی مجھ کو ضرورت ہے، آپ ان کو مجھے دے دیں، جبکہ قاضی صاحب سے اس خادم کی کبھی کی ملاقات نہیں تھی، لیکن

حضرت قاضی صاحب اتنے مصر ہوئے کہ ناظم صاحب کے لئے جواب دینا مشکل ہوگیا۔ بالآخر قاضی صاحب نے ناظم صاحب سے یہ وعدہ کرالیا کہ مفتی صاحب جب بھی گھر آئیں تو مجھ سے ضرور ملاقات کرادیں، جب ناظم صاحب نے پکا وعدہ کرلیا تب ان کی جان بچی اور حضرت قاضی صاحب وہاں سے روانہ ہوئے۔

چنانچہ چند مہینے کے بعد اس خادم کا جب گھر جانا ہوا اور ناظم صاحب سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے پورا واقعہ بتلایا اور اسی کے ساتھ اصرار کیا کہ آپ کو اسی سفر میں ہر حال میں پٹنہ چلنا ہے اور حضرت قاضی صاحب سے ملاقات کرنی ہے، چونکہ وہ مجھ سے وعدہ لے کر جاچکے ہیں، چنانچہ یہ خادم جب گھر سے واپس آیا تو ناظم صاحب اپنے ساتھ لے کر پٹنہ پہونچے، لیکن سوئے اتفاق حضرت قاضی صاحب موجود نہیں تھے، کہیں سفر میں گئے ہوئے تھے، اس وقت امارت شرعیہ ایک پرانی عمارت میں چل رہی تھی جس کی زیارت کا اس خادم کو پہلی مرتبہ اتفاق ہوا، اس کے بعد حضرت ناظم صاحب موتیہاری کے لیے واپس ہوگئے اور میں جونپور کے لئے روانہ ہوگیا، چونکہ یہ معلوم نہیں تھا کہ حضرت قاضی صاحب کی واپسی کب ہوگی۔

تذکرہ مولانا اکرام الحق صاحب امام وخطیب جامع مسجد پٹنہ جنکشن

مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں رہتے ہوئے حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب کا ایک سفر وایا پٹنہ چمپارن کا ہوا، نظام کے تحت یہ خادم نظم وانتظام کے تعلق سے گھر پہلے چلا

گیا اور یہ طے پایا کہ حضرت کی معیت میں مولانا عبدالعظیم صاحب ندوی آئیں گے۔
چنانچہ حضرت کا سفر جونپور سے امرتسر ہاوڑہ ایکسپریس کے ذریعہ پٹنہ تک ہوا، پٹنہ اتر کر جنکشن کے قریب جامع مسجد میں تشریف لے گئے، اس کے بعد اسی کے متصل جو سرکاری بس اڈہ تھا وہاں جا کر سرکاری بس کے ذریعہ مظفر پور تشریف لائے۔

حضرت مولانا کے استقبال میں یہ خادم ایک دن پہلے مظفر پور پہونچ گیا تھا اور اس خیال سے مدرسہ جامع العلوم چندوارہ مولانا اشتیاق احمد صاحب کے پاس پہونچا کہ وہ اس خادم کے ساتھ حضرت مولانا سے بھی آشنا ہیں ان سے حضرت مولانا کے استقبال اور صبح کی چائے کا انتظام ہو جائے گا، لیکن مولانا موصوف اس قدر بے رُخی کے ساتھ ملے اور ایسی بے التفاتی اور بے اعتنائی کا ثبوت دیا کہ میں حیران رہ گیا۔ بہرحال از خود جو کچھ انتظام ہوسکا کر کے اکیلے بس اڈہ پہونچا، حضرت مولانا سے ملاقات ہوئی، چائے وغیرہ سے فارغ ہو کر موتیہاری کے لیے روانہ ہوئے، موتیہاری جب بس پہونچی تو وہاں جیپ لے کر استقبال میں لوگ موجود تھے، حضرت اس خادم کے غریب خانے پر وایا ڈھا کہ جھٹکا ہی تشریف لائے، رات کا قیام فرمایا، پوری بشاشت کے ساتھ حضرت کا چند روز کا سفر گزرا، کل ہو کر مدرسہ مجیدیہ جو گاؤں کا مدرسہ ہے وہاں تشریف لے گئے، وہاں آپ کا مختصر بیان ہوا، اس کے بعد گاؤں کے مکھیا حاجی جمیل اختر صاحب کے مکان پر تشریف لے گئے۔

اس خادم کے گھر سے مدرسہ مجیدیہ اور مدرسہ مجیدیہ سے مکھیا جی کے مکان تک کا سفر پیدل ہوا، اس خادم کا غریب خانہ اتر محلّہ میں تھا اور مکھیا جی کا مکان دکھن محلّہ

میں، وہاں پہونچ کر حضرت مولانا نے پہلا سوال یہ فرمایا کہ مکھیا جی آپ کے یہاں جمعہ کی نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ حضرت یہ مفتی صاحب آپ کے سامنے بیٹھے ہیں، یہ فتوی ہی نہیں دیتے، حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب نے گاؤں والوں کی موجودگی میں مجھ کومخاطب کر کے فرمایا کہ مفتی صاحب یہاں تو جمعہ واجب ہے، آپ کو یہاں جمعہ پڑھنا چاہئے، یہ سن کر مکھیا جی اور گاؤں والوں کی عید ہوگئی کہ اب مفتی صاحب کہاں جائیں گے، اب تو پھنس گئے، اب تو ان کو جمعہ پڑھنا اور پڑھانا ہی پڑے گا۔ چنانچہ اس کے بعد اس خادم نے اہتمام والتزام کے ساتھ اپنی بستی جھٹکا ہی میں جمعہ پڑھنا اور پڑھانا شروع کر دیا۔ اس کے بعد حضرت مولانا حافظ جمال الدین صاحب بھادوں والے کے گاؤں ''بڑھڑوا'' تشریف لے گئے، وہاں سے مدرسہ معراج العلوم کٹھملیا جانا ہوا، وہاں سے مدرسہ خیرالعلوم بریار پور، وہاں سے مادھو پور مدھومالت اس خادم کے سسرال جانا ہوا، وہاں رات میں عشاء کے بعد حضرت کا جو خطاب عام ہوا وہ مکمل الہامی اور مقتضاء حال کے مطابق تھا جس پر سارے علماء عش عش کر کے رہ گئے، کل ہو کر جونپور کے لئے وایا پٹنہ واپسی ہوگئی، اس کے بعد دوسرا سفر پھر حضرت کا چمپارن اس غریب خانہ پر ہوا وہ بھی وایا پٹنہ ہی ہوا۔

تیسرا سفر خادم کی بڑی بچی کا نکاح پڑھانے کے لئے ہونا طے پایا جس میں حضرت کے ساتھ حضرت کی معیت میں یہ خادم بھی تھا، پوری بشاشت کے ساتھ آپ گورینی سے بنارس تشریف لائے اور اسٹیشن پہونچکر ٹرین پر سوار ہو گئے، اس کے بعد

اچانک آپ کی طبیعت علیل ہوگئی، جس کی وجہ سے مولانا عبدالعظیم ندوی کے ساتھ آپ کو واپس ہونا پڑا اور یہ خادم اکیلا غریب خانہ پہونچا اور اہل خانہ کے ساتھ بڑی بچی کی تقریب کو پایہ تکمیل تک پہونچایا، لیکن حضرت مولانا کے سفر کی وجہ سے کئی جگہوں پر جلسہ کا نظام بن چکا تھا، حضرت مولانا کی عدم آمد کی وجہ سے ان جلسوں کو بھی اس خادم ہی کو نمٹانا پڑا۔

پہلی ملاقات کے بعد ہی مولانا عبدالعظیم صاحب ندوی نے مجھ سے کہا کہ بہار کی راجدھانی پٹنہ ہے اور پٹنہ کی جامع مسجد کے امام بہت تلخ گو سخت مزاج اور سخت لہجہ ہیں اس لئے ان کو کنٹرول کرنے کی ضرورت ہے۔

چنانچہ آتے جاتے یہ خادم ان سے اہتمام سے ملاقات کرنے لگا، پھر اتنی قربت بڑھی کہ مولانا نے اپنے گھر کا مہمان بنانا شروع کر دیا اور اسٹیشن پہونچانے اور لانے کی خدمت بھی شروع کر دی اور پھر اتنے قریب ہوئے کہ اگر کبھی چند مہینے کی غیبت ہوئی تو انہوں نے انتظار شروع کر دیا اور مسجد کی آفس میں اہتمام سے قیام کی اجازت دے دی اور ہر ممکن تعاون کے لئے ہر وقت تیار رہنے لگے۔ الغرض جو کبھی اجانب میں شمار ہوتے تھے وہ حبیب کے احباب میں داخل ہو گئے۔

مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں خادم کے ذمہ تفویض کردہ کتابیں

مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں رہتے ہوئے ہر فن کی کتابوں کے پڑھانے کا

الحمدللہ موقعہ ملا، فارسی میں گلستاں بوستاں بھی پڑھایا، جس کے پڑھانے کا ایک نیا انداز وہاں کے طلباء کے سامنے آیا، وہ یہ کہ شیخ سعدی کے بوستاں کو ترنم کے ساتھ اس خادم نے پڑھایا جس کی وجہ سے ایک نیا ماحول پیدا ہوا اور صبح کی آخری گھنٹی میں جب بوستاں کا درس ہوتا تو شوق سے سننے والے طلباء کا کمرہ کے اردگرد ہجوم جمع ہو جاتا تھا۔

شعبہ عربی میں ہدایۃ النحو سے لے کر شرح جامی تک نحو کی کتابیں پڑھائیں، صرف میں علم الصیغہ تک، اصول فقہ میں نور الانوار تک، فقہ میں ہدایہ تک، منطق میں مرقات سے لے کر سلم تک، فلسفہ میں میبذی تفسیر میں جلالین شریف اور بیضاوی اور حدیث میں مشکوۃ شریف، ترمذی شریف، نسائی، ابن ماجہ، مؤطاء امام مالک، مؤطا امام محمد، فصاحت و بلاغت میں مختصر المعانی، علم کلام میں شرح عقائد اور فرائض میں سراجی جیسی کتابیں کئی بار مسلسل پڑھانے کا موقع ملا۔

فنی کتابوں کو فنی اعتبار سے پڑھانے کا مزاج تھا اور حل کتاب پر زیادہ زور رہتا تھا، نیز فنی کتابوں کے پڑھانے کے وقت کتاب صرف طلباء کے سامنے ہوتی تھی، یہ خادم مقدار مقروءہ کے ماحصل کی ایک مرتب اور منظّم تقریر زبانی کرتا جس سے فن کے ساتھ مصنف کے ذکر کردہ مسائل طلباء کے ذہنوں میں واضح انداز میں بیٹھ جاتے تھے، اس کے بعد کتاب سے ترجمہ اور تشریح کے ساتھ تقریر کردہ مضمون کا انطباق کرادیا جاتا تھا۔ مختصر المعانی کے سال میں عبدالودود نامی ایک طالب علم جو فیض آباد کا رہنے والا تھا اور انعام الحق مونگیری، عثمان و عبدالرؤف و سہیل جونپوری کے ساتھیوں میں تھا، طبیعت کے اعتبار سے قرویت کی پوری چھاپ اس پر تھی، رفتار و گفتار میں بھی بانگڑ وپن

تھا،مختصر المعانی کے سبق میں ایک دن جب اس نے میرا ظرافت کا موڈ دیکھا تو کہنے لگا کہ مفتی صاحب ایک بات کہی؟ نراج نہ ہوئے گا، میں نے کہا کہو کیا کہنا چاہتے ہو، کہنے لگا کہ جب پہلے سال آپ آئے اور ہم لوگوں کی شرح تہذیب آپ کے یہاں گئی اور آپ نے پوری کتاب زبانی پڑھائی،شرح تو درکنار کتاب بھی کبھی آپ نے اپنے سامنے کھول کرنہیں رکھی،تو ہم لوگوں نے سوچا کہ شاید مفتی صاحب کو یہ کتاب زبانی یاد ہوگی،دوسرے سال میں جب نورالانوار آپ کے یہاں آئی تو اس کو بھی آپ نے زبانی پڑھایا تو ساتھیوں نے سوچا کہ شاید دو کتاب زبانی یاد ہوگی،اس سال جب مختصراور سلم آئی توان دونوں کتابوں کو بھی آپ نے زبانی پڑھایا،اس سال جاکراب ہم لوگ آپ کا لوہامان گئے کہ آپ کے ٹکر کا اس مدرسہ میں کوئی نہیں ہے۔

جب پہلی مرتبہ اس خادم کو مشکوۃ شریف پڑھانے کا موقعہ ملا تو ششماہی امتحان تک مشکوۃ شریف کتاب الطہارۃ تک ہوئی اور حسن اتفاق ششماہی امتحان کے موقعہ سے مولانا عبدالرشید صاحب بستوی جو مشکوۃ کے پرانے مدرس تھے وہ مکہ مکرمہ سے آئے ہوئے تھے،مدرسہ والوں نے مشکوۃ شریف کا پرچہ ان کو بنانے کو دے دیا، اس سال مشکوۃ شریف کی جماعت میں عثمان جونپوری،عبدالرؤف،سہیل جیسے طلباء تھے جن کا شمار سمجھدار اور ذہین بچوں میں تھا،جب جوابات کی کاپی مولانا عبدالرشید صاحب کے پاس پہونچی تو باون نمبر بعض طلباء کو دینے پر مجبور ہوئے جبکہ پچاس نمبر آخری نمبر تھا اور تاثرات میں انھوں نے لکھا کہ جوابات کی کاپی دیکھنے کے بعد اس نتیجہ پر پہونچا کہ مشکوۃ شریف میری توقع سے کہیں زیادہ اچھی ہورہی ہے۔

مدرسہ ریاض العلوم میں میرے پہونچنے سے پہلے مختصر المعانی صرف ایک مرتبہ پڑھائی گئی تھی، اس سال یہ کتاب مولانا اکرام اللہ صاحب جو فیض آباد کے رہنے والے تھے ان کے ذمہ ہوئی تھی اور پورے سال میں مختصر المعانی صرف ۶۵ صفحات ہوئے تھے، اس کے بعد دوسری مرتبہ مختصر المعانی کی جب جماعت آئی اور طلباء کو مختصر پڑھنے کا موقع ملا تو یہ خادم پہونچ چکا تھا اور یہ کتاب خادم کے ذمہ آئی، اس کتاب کو بھی فنی اعتبار سے اس خادم نے پڑھایا اور ۵۷۰ صفحے کی کتاب کو سال بھر میں مکمل کرایا، جس کا شور پورے مدرسہ ہی میں نہیں بلکہ دارالعلوم دیوبند میں بھی اس کا چرچا رہا کہ مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی نے مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں ایک ایک سطر کر کے مختصر المعانی پوری کتاب پڑھائی ہے، جبکہ اس زمانہ میں دارالعلوم دیوبند میں بھی مختصر پوری نہیں ہوتی تھی اور جب طلباء نے سالانہ امتحان دیا تو ممتحن بھی تعریف کرنے سے نہیں رک پائے، جوابات کی کاپی دیکھ کر ممتحن نے نوٹ لگایا کہ طلباء کے جوابات کی کاپی دیکھنے کے بعد یہ محسوس ہوا کہ مختصر جیسی اہم فنی کتاب سمجھ کر پڑھی اور پڑھائی گئی ہے اور استاذ نے پڑھانے میں کافی محنت سے کام لیا ہے، مختصر المعانی پہلی مرتبہ پڑھنے والے طلباء میں عثمان، عبدالرؤف، سہیل جونپوری انعام الحق مونگیری اور عبدالودود فیض آبادی وغیرہم تھے۔

اسی طرح جب سراجی پہلی مرتبہ پڑھانے کا اتفاق ہوا تو اس کا انداز بھی ماضی کے اساتذہ سے بہت مختلف تھا، حمزہ گورکھپوری جیسے طلباء اس میں شریک تھے، جب سراجی کے سابق مدرس نے اس کا امتحان لیا تو یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ اس سال سراجی

ماضی کے مقابلہ میں بہت اچھی پڑھائی گئی ہے،اور مدرس نے فن کا حق ادا کر دیا ہے۔

اسی طرح جب پہلی مرتبہ قطبی پڑھانے کا اتفاق ہوا تو اسی جماعت میں عمر گورکھپوری اور رشید احمد معروفی کوثر اعظمی جیسے طلباء تھے، دو ہفتے کے بعد عمر گورکھپوری نے کہا اللہ جزائے خیر دے کہ آپ آ گئے، اور یہ کتاب زندہ ہوگئی ورنہ عید کے بعد جس استاذ کے ذمہ یہ کتاب گئی تھی انہوں نے تو اس کا جنازہ نکال دیا تھا، اس کتاب کی تجہیز وتکفین ہو چکی تھی، صرف تدفین باقی تھی، ششماہی امتحان تک پڑھنے کے بعد قطبی کے شرکاء اپنے کو انداز درس کی تحسین سے نہیں روک پائے اور جی بھر کر طلباء نے مدح سرائی کی اور کتاب کو فنی اعتبار سے سمجھنے کے بعد بہت مسرور ہوئے۔

اسی طرح جب پہلے سال میبذی پڑھانے کا اتفاق ہوا تو اس کے انداز تدریس کا بھی مدرسہ کے ماحول میں بڑا چرچا ہوا، ایک دن حلول کی بحث چل رہی تھی اور حلول سریانی اور حلول طریانی کی تعریف مثالوں سے طلباء کو میں سمجھا رہا تھا، موسم سردی کا تھا، کمرہ چھوٹا تھا، طلباء ایک دوسرے سے مل کر چادروں میں لپٹے ہوئے شریک درس تھے، انہیں طلباء میں سے کوئی طالب علم چھپا کر ٹیپ ریکارڈ لے آیا اور حلول والے درس کے دن پوری تقریر اس نے ٹیپ کر لی، جب مجھ کو معلوم ہوا تو بہت ناراض ہوا، اور ٹیپ اور کیسٹ ضبط کر لیا، چونکہ اس وقت یہ خادم ٹیپ اور ریکارڈ نگ کا سخت مخالف تھا، اگر جلسوں میں بھی کوئی ریکارڈ کرتے نظر آتا تو جب تک وہ ٹیپ ریکارڈ بند نہیں کرتا، تقریر کرنا موقوف کر دیتا تھا، ایک دن اتفاق سے اس کے چند روز کے بعد مدرسہ کے صدر مدرس حضرت مولانا محمد حنیف صاحب کے کمرے میں جانا ہوا

اور انہوں نے بہت شوق سے اپنی کافیہ کی تقریر کا ٹیپ سنانا شروع کیا جو کسی طالب علم نے کیا تھا، تھوڑی دیر کافیہ کی تقریر سننے کے بعد اس خادم کو شرارت سوجھی اور خاموشی کے ساتھ اپنے کمرے میں جا کر میبذی کی تقریر کی کیسٹ لے کر آیا اور کافیہ کی تقریر کی کیسٹ نکال کر میبذی کی کیسٹ لگا دیا، دس منٹ تک صدر مدرس صاحب بہت دھیان سے میبذی کا سبق سنتے رہے اس کے بعد ان کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا اور حواس باختہ ہو کر انگشت بدنداں ہو گئے اور فرمانے لگے کہ لگتا ہے کہ کوئی شیر دہاڑ رہا ہے اور فلسفہ کا کوئی امام بول رہا ہے، اس کے بعد اپنی کیسٹ لے کر خاموشی کے ساتھ اپنے کمرے واپس آ گیا۔

اس انداز تدریس نے علاقہ کے اضلاع میں ادارہ کی شہرت اور مقبولیت تیزی کے ساتھ بڑھا دی اور دیکھتے ہی دیکھتے چند سالوں میں طلباء کا اتنا ہجوم ہونے لگا اور اتنی آمد بڑھی کہ کمرے تنگ ہو گئے، درسگاہیں چھوٹی پڑ گئیں، منتظمین کو ہاتھ اٹھانا پڑ گیا کہ اب ہمارے مدرسہ میں داخلہ کی گنجائش نہیں ہے، اور نیا مطبخ اور نیا کتب خانہ اور نئی درسگاہوں کی اسکیمیں بننے لگیں اور چند سالوں کی مدت میں یہ ساری چیزیں وجود میں آ گئیں۔

انداز بیان، طرز گفتگو، لب ولہجہ، نشست و برخاست، اسلوب تقریر، انداز درس، الغرض کوئی چیز ایسی نہیں تھی جس پر صدر مدرس سے لے کر کوئی دوسرا مدرس انگلی اٹھا سکے یا منتظمین سے کوئی گلہ شکوہ کر سکے جس کی وجہ سے طلباء پر جو مرعوبیت قائم ہوئی اور جس انداز کا رعب قائم ہوا وہ قابل دید تھا، وہاں کے نائب ناظم بھی یہ کہا کرتے تھے کہ ہم لوگ ڈنڈا چلاتے رہتے ہیں لیکن طلباء اذان کے بعد جلدی کمروں سے نہیں

نکلتے ،لیکن مفتی صاحب جب کمرے سے نکلتے ہیں اوایک آواز لگاتے ہیں کہ ابھی تک کمرے میں بیٹھے ہو مسجد نہیں پہونچے تو تمام کمرے سکنڈوں میں خالی ہو جاتے ہیں اور مسجد بھر جاتی ہے، یہ جادوئی تاثیر صرف انہیں کے پاس ہے، ہمارے پاس نہیں۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس تاثیر کے پیچھے جو جادو کارفرما تھا وہ اس خادم کی علمی اور فنی صلاحیت تھی جو خدادادتھی جس سے طلباء مرعوب اور متاثر تھے۔

ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

و تعز من تشاء و تذل من تشاء

مدرسہ ریاض العلوم میں مجمع الانہر کا تعارف

یہ خادم جب مدرسہ ریاض العلوم گورینی پہنچا اور شعبۂ افتاء کے قیام کے بعد جب دور و قریب سے سوال ناموں کی آمد شروع ہوئی اور ان کے جوابات تحریری طور پر یہ خادم لکھنے لگا تو جوابات میں بالعموم جن کتابوں کا حوالہ یہ خادم دیتا تھا ان میں جہاں شامی، فتح القدیر، البحر الرائق، طحطاوی علی المراقی، علی الدر، کبیری، تبیین الحقائق وغیرہ کے علاوہ ایک اہم کتاب مجمع الانہر بھی تھی۔

چنانچہ ایک مرتبہ ایک فتوی میں جب مجمع الانہر کا حوالہ اس خادم نے دیا اور وہ فتوی مدرسہ کے صدر مدرس کی نگاہ سے گزرا تو اس کتاب کا نام سن کر ان کو بڑی حیرانی ہوئی اور پوچھنے لگے کہ مجمع الانہر کونسی کتاب ہے؟ معلوم ہوا کہ صدر صاحب کی نگاہ

سے فتوی کی یہ اہم کتاب کبھی نہیں گزری، اس لئے وہ اس کتاب سے واقف نہیں تھے۔ چنانچہ ان کے استفسار پر اس خادم نے اپنے ذاتی کتب خانہ میں موجود مجمع الانہر لے جا کر ان کی خدمت میں پیش کیا، انہوں نے اپنے پاس اس کتاب کو رکھ کر کئی روز اس سے استفادہ کیا اور کئی ہفتے کے بعد واپس کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ مفتی صاحب یہ تو بہت اہم کتاب ہے لیکن میں تو اب تک اس سے واقف بھی نہیں تھا، آج آپ کی برکت سے اس کا تعارف ہو گیا۔

ایک مرتبہ مدرسہ ریاض العلوم کی مسجد میں ظہر کی نماز میں امام صاحب نے جہری قرأت کر دی، نماز سے فارغ ہونے کے بعد حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب نے صدر مدرس صاحب کو بلایا اور فرمایا کہ نماز ہو گئی یا نہیں؟ اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ چونکہ امام کی قرأت ماتجوز بہ الصلاۃ کے بقدر نہیں تھی اس لئے نماز ہو گئی، اس کے بعد حضرت مولانا نے اس خادم کو طلب فرمایا اور یہی سوال تمام طلبہ اساتذہ اور صدر صاحب کی موجودگی میں اس خادم سے کیا، خادم نے جواب میں یہ عرض کیا کہ جو صورت پیش آئی ہے اس میں سجدۂ سہو واجب تھا اور امام صاحب نے چونکہ سجدۂ سہو نہیں کیا اس لئے نماز واجب الاعادہ ہوگی۔

مزید خادم نے عرض کیا کہ جہری نماز میں سراً اور سری نماز میں جہراً قراءت جو موجب سجدہ سہو ہے اس کی مقدار اگرچہ عام طور پر فقہ کی کتابوں میں **ماتجوز به الصلاة** کی مقدار کی قید کے ساتھ مقید ہے، لیکن یہ قول مفتی بہ نہیں ہے۔ مجمع الانہر میں اس کی صراحت موجود ہے " **و إن قل أو كثر** "یعنی جہری نماز میں سراً قراءت

اور سری نماز میں جہراً قراءت جو موجب سجدہ سہو ہے وہ ما تجوز به الصلاۃ کی مقدار کے ساتھ مقید نہیں ہے، بلکہ اس میں عموم ہے کہ خواہ مقدار کم ہو یا زیادہ، لہٰذا صورت مسئولہ میں امام پر سجدہ سہو واجب تھا اور سجدہ سہو نہ کرنے کی وجہ سے نماز واجب الاعادہ ہوگی۔

حضرت مولانا کی طلب پر مجمع الانہر اپنے ذاتی کتب خانہ سے لاکر پیش کیا، حضرت نے کتاب دیکھنے کے بعد خادم کے جواب کی تصدیق وتصویب فرمائی اور نماز کے اعادہ کا حکم دیا، چنانچہ اس کے بعد نماز دوبارہ پڑھی گئی۔

بعد میں حضرت مولانا نے مجمع الانہر منگا کر کئی روز مطالعہ میں رکھا اور یہ فرمایا کہ مفتی صاحب آپ کے ذریعہ ایک نئے فتوی کی کتاب کا تعارف ہوا، ورنہ میں بھی اب تک اس کتاب سے واقف نہیں تھا، اس کے بعد کئی سیٹ منگوا کر مدرسہ ریاض العلوم کے کتب خانہ میں اس خادم نے رکھوایا اور اس کے بعد عمومی طور پر طلباء واساتذہ اس سے استفادہ کرنے لگے۔

عینو اضلع فیض آباد کا ایک واقعہ

عینو اضلع فیض آباد کا ایک معروف گاؤں ہے جو نریاؤں اور جہانگیر گنج سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر ہے، وہاں کے کئی طلباء مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں زیر تعلیم بھی تھے، جیسے رضوان اللہ، محبوب عالم، محمد ارشد وغیرہم۔ ان طلباء کے اصرار پر ایک

مرتبہ عینوا جانا ہوا، رات میں عشاء کی نماز کے بعد ان طلباء کی خواہش پر گاؤں کی جامع مسجد میں اس خادم کی تقریر طے پائی، چونکہ یہ خادم کھڑا ہو کر بیان کرنے کا عادی نہیں ہے اس لئے بیان کے لئے لوہے کی کرسی لائی گئی جس پر بیٹھ کر بیان کیا، بیان کے بعد نریاؤں میں موجود ایک مدرسہ میں جہاں قیام طے تھا واپسی ہوگئی۔

کل ہو کر معلوم ہوا کہ عینوا اور قرب و جوار میں بریلویوں نے یہ شور مچا رکھا ہے کہ ''رات عینوا میں ایک دیوبندی مولوی آیا جس نے مسجد میں کرسی پر بیٹھ کر تقریر کی، حالانکہ مسجد میں کرسی پر بیٹھ کر تقریر کرنا سنت کے خلاف ہے، یہ دیوبندی سنت کے بڑے داعی بنتے ہیں لیکن یہ خود سنت کے خلاف کام کرتے ہیں، اس کے ساتھ اور بہت کچھ حاشیہ لگا کر عینوا والوں کو برا بھلا کہنا شروع کیا۔

کل ہو کر عینوا کے طلباء نے اس واقعہ کی اطلاع اس خادم کو دی، یہ خادم ان کی بات سن کر بہت پریشان ہوا، اب بریلویوں کے جواب کی تیاری میں اپنے دل و دماغ کو لگا دیا، جواب کی جستجو میں نریاؤں مدرسہ کے کتب خانہ میں پہنچ گیا اور کتابوں کی ورق گردانی شروع کردی، اچانک اس خادم کا ہاتھ امام بخاری کی ''الادب المفرد'' پر پہنچ گیا اور اس کو نکال کر اس کی ورق گردانی شروع کی۔ اللہ کی طرف سے غیبی مدد شامل حال ہوئی اور تھوڑی ہی دیر کے بعد الادب المفرد میں مذکور ایک حدیث پر نظر پڑی ''**خطب رسول الله صلى الله عليه وسلم يوما في المسجد وجلس على كرسي قوائمه بحديد**'' اس حدیث کے ملنے کے بعد اتنی خوشی ہوئی کہ اگر ایک لاکھ روپیہ بھی ملتا تو اتنی خوشی نہ ہوتی۔

اس علمی یافت کے بعد ان طلباء کو بلایا اور عینوا میں تقریر کا اعلان کروایا اور دوبارہ لوہے کی کرسی منگوا کر اس پر بیٹھا اور امام بخاری کی ''الادب المفرد'' ساتھ لے کر گیا، اور اس کتاب کو دیکھا کر جی بھر کر بریلویوں کو چیلنج کیا اور للکارا اس کے بعد سارے بریلویوں کی زبان بند ہوگئی اور سب سناٹے میں آ گئے اس کے بعد کسی کا منہ نہیں کھلا۔

اس طرح کی علمی یافت اور علمی جستجو پر غیبی مدد من جانب اللہ سینکڑوں مرتبہ ہوئی۔

حیعلتین پر حوقلہ جواب میں کہنے کی علت

چنانچہ ایک مرتبہ ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا کہ جب مؤذن ''**حی علی الصلوۃ**'' اور ''**حی علی الفلاح**'' کہتا ہے، یعنی جب وہ نماز اور کامیابی کی طرف بلاتا ہے تو سننے والوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ اس کے جواب میں ''**لاحول و لاقوۃ**'' پڑھو۔ حالانکہ عرف میں حوقلہ یعنی لاحول ولاقوۃ الخ عموماً اس وقت پڑھا جاتا ہے جب کوئی غلط اور گندہ کام کرتا ہے۔ مؤذن نماز اور فلاح کی دعوت دے رہا ہے پھر اس پر لاحول پڑھنے کا کیوں حکم دیا گیا؟ آخر اس کی کوئی علت وجہ ضرور ہوگی۔

یہ سوال ذہن میں آ کر ایک زمانہ تک پریشان کئے رہا، لیکن اس کا جواب بسیار جستجو کے بعد کہیں نہیں ملا۔

بالآخر منجانب اللہ دل ودماغ میں ایک دن یہ بات آئی کہ جب مؤذن اذان دیتے ہوئے حی علی الصلوۃ اور حی علی الفلاح پر پہونچتا ہے اور اذان مکمل کرنے کے بعد وہ یہ دیکھتا ہے کہ مفتی نے فتوی چھوڑا، مدرس نے تدریس چھوڑی، خطیب نے خطابت چھوڑی، تاجر نے تجارت چھوڑی، ملازم نے ملازمت چھوڑی اور پندرہ منٹ میں وہ مسجد جو خالی تھی بھرگئی اور ہر طبقہ کے ایمان والے جمع ہو گئے تو اس سے مؤذن میں کہیں عجب نہ پیدا ہو کہ میری آواز میں کتنی طاقت ہے کہ میری آواز پر سب اپنا اپنا کام چھوڑ کر اپنی جگہ چھوڑ کر وہاں آ گئے جہاں سے میں نے ان کو بلایا اور آواز دیا، واہ رے میں نے واہ واہ۔

اس لئے حکم دیا گیا کہ جب مؤذن "**حی علی الصلوۃ**" اور "**حی علی الفلاح**" کہے تو تم جواب میں لاحول الخ کہہ کر یہ بتلادو کہ اے مؤذن یہ تمہاری پکار اور آواز کی طاقت نہیں ہے بلکہ یہ صرف اور صرف اللہ کی طاقت ہے کہ اس کے ڈر اور خوف اور اس کی محبت اور شوق میں یہ سب اس کے گھر میں جمع ہوئے ہیں، یہ نہ سمجھنا کہ تمہارے بلاوے پر آئے ہیں۔ اس لئے حیعلتین پر حوقلہ کا حکم دیا گیا ہے۔

دوسرا نکتہ من جانب اللہ دل ودماغ میں یہ آیا کہ جب مؤذن نے آذان دی یعنی یاددلایا تب یہ مؤمن اپنا کام اور اپنی جگہ چھوڑ کر اللہ کے گھر پہونچا، تف ہے اور افسوس ہے ایسے مؤمن اور اس کے حال پر لاحول ولاقوۃ الا باللہ یہ مؤمن اتنا گر چکا ہے کہ اس کو اس کا فرض اور مقصد حیات یاد دلانا پڑ رہا ہے، حالانکہ اس کو اپنا فرض خود یاد رکھنا چاہئے اور اس کے لئے کسی کو یاد دلانے کی ضرورت نہیں پڑنی چاہئے۔

جب یہ دونوں نکتے دل و دماغ میں آئے تو اس پر بہت خوشی ہوئی اور ایک طویل عرصہ کے بعد پھر یہی باتیں ایک بزرگ کی کتاب میں بھی ملیں، اس وقت خوشی دوبالا ہوگئی اور بے پناہ مسرت ہوئی کہ جو بات دل میں آئی تھی اسلاف کے کلام سے اس کی تائید ہوگئی۔

مولانا ظفر احمد صاحب جونپوری کا واقعہ

۱۹۹۰ء مطابق ۱۴۱۰ھ جس وقت یہ خادم مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں تھا جونپور شہر سے ایک استفتاء اس خادم کے پاس آیا جس کے مستفتی جونپور شہر کے ایک ایسے صاحب تھے جن کا سماجی ورک اور مسلمانوں کی نمائندگی اور سیاسی بصیرت بہت اچھی تھی۔ اور چونکہ جونپور شہر کی آبادی گومتی ندی کے دو طرف منقسم ہے لیکن مسلم آبادی زیادہ تر گومتی ندی کے اتری حصہ میں ہے، جامع مسجد بھی اسی حصہ میں ہے لیکن شہر کی عیدگاہ گومتی ندی کے دکھن حصہ میں ہے اور عیدین کے موقعہ پر مسلم اکثریتی علاقہ پورا خالی ہوجاتا ہے اور کئی گھنٹہ تک خالی رہتا ہے، اگر کوئی شر پسند شرارت کرنا چاہے تو آسانی سے مسلم محلوں میں وہ شرارت کرسکتا ہے اور ماضی میں عیدین کے موقعہ پر اس انداز کی شرارت ہندوستان کے بعض شہروں میں ہوچکی تھی۔

انہی حالات کے تناظر میں شہر کے بعض مخلص سرکردہ شخصیات نے جن کی قیادت شہر کے جناب عین الحق اور ان کے بھائی کر رہے تھے، یہ سوچا کہ ایسا کیوں نہ

کیا جائے کہ عیدین کی نماز عیدگاہ کے علاوہ گومتی ندی کے اتری علاقہ کی کچھ مسجدوں میں بھی کچھ مسلمان ادا کرلیا کریں تا کہ اگر خدانخواستہ کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش آئے تو کچھ مسلمان موجود رہیں اور وہ دفاع کرسکیں۔

لیکن ان حضرات نے مناسب یہ سمجھا کہ چونکہ یہ دینی معاملہ ہے، لہٰذا اس مسئلہ میں کوئی فیصلہ لینے سے پہلے دینی قائدین یعنی مفتیان کرام سے رابطہ کرکے اور صحیح صورت حال ان کے سامنے رکھ کر شرعی رہبری اس سلسلے میں حاصل کرلی جائے۔ چنانچہ شہر کے عمائدین پر مشتمل ایک وفد مدرسہ ریاض العلوم گورینی پہنچا اور اس نے ملاقات کرکے خادم سے پوری بات بتلا کر سوالنامہ خادم کے سپرد کیا جس میں یہ سوال کیا گیا تھا کہ شہر جونپور کی موجودہ صورت حال میں لوگ اگر ایک عیدگاہ میں ایک امام کے پیچھے نماز کے بجائے وہ متعدد جگہوں پر عیدین کی نماز ادا کرنا چاہیں تو ادا کرسکتے ہیں یا نہیں؟ حاصل سوال عیدین کے تعدد کا تھا۔

اس خادم نے حسب معمول کتب فقہ کی مراجعت کے بعد یہ جواب لکھ دیا کہ حضرات فقہاء حنفیہ ایک شہر میں متعدد جگہ عیدین اور نماز جمعہ کے جواز کے قائل ہیں اور سوالنامہ میں جو حالات مذکور ہیں اس کے تناظر میں شہر جونپور میں متعدد مقامات پر عیدین کی نماز پڑھنا جائز ہی نہیں بلکہ مستحسن ہے، چونکہ حالات کے تناظر میں جن حضرات نے بھی تعدد عیدین کو سوچا ہے ان کی سوچ بہت مثبت اور بہتر ہے۔

خادم کا یہ جواب جب شہر جونپور میں پہنچا اور لوگوں میں اس فتوی کا چرچا شروع ہوا اور بات جب حضرت مولانا ظفر احمد صاحب امام وخطیب جامع مسجد

وعیدگاہ تک پہنچی تو انہوں نے بہت قوت کے ساتھ اس فتوی کی تردید ہی نہیں کی بلکہ اس کے جواب میں ایک دوسرا سوالنامہ مرتب کرواکر بقلم خود جواب لکھ کر تعدد عیدین کو غلط اور ممنوع قرار دیا اس کے بعد شہر میں اس مسئلہ کو لے کر عوام وخواص میں ہر جگہ یہی تذکرہ کا موضوع بن گیا اور لوگ دو گروپ میں تقسیم ہو گئے، ایک گروپ مولانا ظفر صاحب کی حمایت وتائید میں کھڑا ہو گیا اور دوسرا گروپ ان سرکردہ شخصیات کے ساتھ کھڑا ہو گیا جن کی رائے تعدد عیدین کی تھی اور جن کی حمایت میں ایک مضبوط ادارہ کے مضبوط دار الافتاء کے مضبوط مفتی کا فتوی تھا، مزید برآں اس فتوی کی تائید ہندوستان کے مشہور اداروں نے بھی کی۔

لیکن مولانا ظفر احمد صاحب اخیر تک اپنی رائے پر اڑے رہے اور کسی قیمت پر وہ تعدد عیدین کے جواز کے حق میں نہیں ہوئے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مجوزین ومانعین کی طرف سے شہر میں کئی مہینہ تک پوسٹر بازی بھی ہوئی اور مختلف عنوان سے ہینڈ بل بھی تقسیم کیے گئے۔

بالآخر ۴ر جولائی ۱۹۹۰ء مطابق ۱۰ر ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ کو شہر کے عمائدین نے یہ طے کر لیا کہ ہمیں گومتی کے اتری حصہ میں عید کی نماز ادا کرنی ہے اور مسلم آبادی کو خالی نہیں چھوڑنا ہے۔ چنانچہ شہر کے ذمہ داروں نے دس ذی الحجہ کی صبح کو فجر کے بعد مدرسہ ریاض العلوم گورینی گاڑی بھیجی اور اس خادم نے شہر جونپور پہونچ کر سبزی منڈی کی مسجد میں عید الاضحیٰ کی نماز پڑھائی اور امامت وخطابت کے فرائض انجام دیئے۔ اس طرح شہر جونپور میں تعدد عیدین کی بنیاد پڑ گئی اور سینکڑوں حضرات نے

سبزی منڈی کی مسجد میں عید الاضحیٰ کی نماز ادا کر کے عملی طور پر اس خادم کے فتوی کی تائید کا اعلان کر دیا۔

ممکن ہے کہ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب کو نفس مسئلہ سے زیادہ اس بات کا خطرہ محسوس ہوا ہو کہ کہیں عیدین کی امامت و خطابت اس طرح خطرہ میں نہ پڑ جائے اور میں شہر کا تنہا امام وخطیب ہوں اور اس کا بے تاج بادشاہ ہوں، کہیں یہ تاج سلب نہ ہو جائے، ورنہ بہت واضح اور ایک حق بات جس کی تائید ہندوستان کے سارے بڑے دار الافتاء کے مفتیان کرام نے کی ہو اس کو نہ ماننے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔

بہر حال عیدین کا تو حد تعدد سے تبدیل تو ہو گیا لیکن موافقت ومخالفت کی گونج کافی عرصہ تک شہر میں سنائی دیتی رہی اور لوگ ایک دوسرے پر تنقید کرتے رہے اور یہ مسئلہ موضوع بحث بنا رہا۔

۱۹۸۹ء کے بعد مدرسہ ریاض العلوم کے ماحول میں تبدیلی

حیات حبیب الامت کے جلد اول میں یہ بات تفصیل کے ساتھ آچکی ہے کہ یہ خادم جب ۱۹۸۰ء میں مدرسہ ریاض العلوم گورینی پہنچا تو وہاں کا ماحول کیا تھا اور اس کے بعد اس خادم کی کاوشوں سے مدرسہ ریاض العلوم کے کن کن شعبوں میں آب حیات رواں دواں ہوا اور کن کن شعبوں کو اس خادم نے بنیاد فراہم کیا اور اس کو توانائی دی اور

اس خادم کے جہد مسلسل اور سعی بلیغ سے ادارہ کو علمی فروغ میں کتنی ترقی حاصل ہوئی اور اس خادم کی صلاحیتوں سے حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب کس قدر مانوس ومطمئن وخوش تھے جس کے نتیجہ میں حضرت کے برخورداروں سے تعلقات میں کس قدر قربت بڑھی اور یہ خادم کہاں تک پہنچا اور کتنا قریب ہوا اس کی ساری تفصیلات حضرات قارئین حیات حبیب الامت کے جلد اول میں بہت تفصیل کے ساتھ پڑھ چکے ہیں۔

لیکن برادران سے ان ساری قربتوں اور خدمات کو اس وقت گہن لگ گیا جب ۲۱ راگست ۱۹۸۹ء مطابق ۱۸ محرم ۱۴۱۰ھ یوم دوشنبہ کو مولانا افضال الحق جوہر قاسمی کے ساتھ ناگہانی حادثہ پیش آیا جس کی تفصیلات آپ جلد اول میں پڑھ چکے ہیں، اس کے بعد سے برادران بالخصوص مدرسہ کے نائب ناظم کے تعلقات میں ماضی کی گرم جوشی سرد پڑنے لگی اور ہوا کا رُخ تبدیل ہونے لگا اور بالتدریج منفی سوچ کی طرف بہت تیزی کے ساتھ بڑھنے لگے۔

جس کے ازالہ اور دفعیہ کی اس خادم نے بہت کوشش کی، یہاں تک کہ دفتر نظامت میں بیٹھ کر نائب ناظم کی ذہنی وفکری ترشحات کو سننے کے بعد جب یہ سمجھ میں اچھی طرح آ گیا کہ اب ظرف مظروف تبدیل ہو چکا ہے، اس کے بعد اس خادم نے یہاں تک کہہ ڈالا کہ یہ خادم یہاں خودنہیں آیا ہے بلکہ لایا گیا ہے، حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب، حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی سے مانگ کر لائے ہیں اور میں نے اس مدت میں سوائے خیر خواہی کے مدرسہ کی کبھی بدخواہی نہیں سوچی، میرے پاس جتنی بھی صلاحیت وقوت تھی میں نے بلا دریغ ادارے کو فروغ دینے میں بلاغرض

وعوض صرف کیا اور کبھی بھی میں نے کسی خدمت سے انکار نہیں کیا، حتیٰ کہ میں نے اس ادارہ کے عمومی بیت الخلاء کی بھی سینکڑوں مرتبہ صفائی کی اور اپنے دل ودماغ کی تطہیر کے ساتھ اس ادارہ کی تعلیمی ترقی میں ہمہ تن لگا رہا۔

لیکن اس کے باوجود اگر آپ میری ذات سے ادارہ کا نقصان ہوتا دیکھیں یا سمجھیں تو بلا تکلف اس خادم کو بلا کر اسی دفتر نظامت میں یا کہیں بھی مجھ سے یہ کہہ دیں کہ تمہاری اب اس مدرسہ کو ضرورت نہیں ہے، میں ان شاء اللہ اتنی خاموشی کے ساتھ اس ادارہ سے رخصت ہو جاؤں گا کہ فرشتوں کو بھی خبر نہیں ہوگی اور کسی کو ہوا تک نہیں لگے گی۔

چنانچہ وقت موعود پر یہ خادم مدرسہ ریاض العلوم سے اسی طرح سے روانہ ہوا جس طرح روانگی کا میں نے عہد کیا تھا، جس کی تفصیلات ان شاء اللہ آپ آئندہ صفحات میں پڑھیں گے اور جس کی تائید حضرت مولانا اسجد مدنی کے ملفوظ سے بھی ہوتی ہے۔

مدرسہ ریاض العلوم گورینی سے مستعفیٰ ہونے کے بعد جب یہ خادم چند مہینوں کے بعد دہلی پہنچا اور جمعیۃ العلماء ہند کی مسجد عبد النبی دہلی کی آفس میں حضرت مولانا اسجد مدنی سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے یہ فرمایا کہ مفتی صاحب مجھ کو تو یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ آپ مدرسہ ریاض العلوم گورینی سے مستعفی ہو چکے ہیں، عید کے بعد اچانک میرا جانا جونپور ہوا اور نوناری ضلع جونپور کے حافظ قمر الدین سے جب ملاقات ہوئی تب ان کی زبانی یہ افسوس ناک خبر سننے کو ملی اور ان الفاظ کے ساتھ جو الفاظ حافظ

قمرالدین صاحب کے ہیں کہ مفتی حبیب اللہ صاحب قاسمی جتنے دنوں مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں رہے اور جس خلوص اور محنت کے ساتھ انھوں نے مدرسہ کی خدمت کی اور وہاں کے تعلیمی کاموں کو فروغ دیا اور پروان چڑھایا اور عروج دیا اتنی خدمت اور قربانی حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب کے اپنوں نے بھی اس مدرسہ کو نہیں دی۔ لیکن جب مدرسہ ریاض العلوم چھوڑنے کا وقت آیا تو وہ اللہ کا ولی اتنی خاموشی کے ساتھ مدرسہ سے رخصت ہوگیا کہ کسی کو کانوں کان تک خبر نہ ہوئی۔ اگر وہ رک جاتے اور صحیح صورت حال لوگوں کے سامنے آجاتی تو مدرسہ کی اینٹ سے اینٹ بج جاتی۔ لیکن قربان جایئے اس بے نفس صاحب علم وفضل انسان پر کہ اتنی خاموشی کے ساتھ وہ رخصت ہوگیا کہ لوگ ہاتھ ملتے رہ گئے۔

حافظ قمرالدین صاحب نوناری متصل مانی کلاں ضلع جونپور کے رہنے والے تھے، انتہائی صالح اور صلحاء شعار باوزن سنجیدہ مزاج، خوردنواز بزرگانہ چال ڈھال ولباس کے مالک تھے، مدنی خاندان کے عشاق میں تھے، اس لئے مدنی خاندان کے سارے خورد وکلاں ان کو سلام کرنے نوناری ضرور جاتے تھے، ایک زمانے تک گھر پر قیام پذیر رہے بعد میں ایک لمبے عرصے تک جامعہ حسینیہ لال دروازہ شہر جونپور میں بحیثیت ذمہ دار قیام پذیر رہے بعد میں ہجرت کر کے فتح پور مستقل مقیم ہوگئے اور ایک ادارہ سے وابستہ ہوکر اس کی خدمت کرنے لگے۔

جس زمانہ میں حافظ قمرالدین صاحب جامعہ حسینیہ میں قیام پذیر تھے تو خادم وہاں کے محکمۂ شرعیہ (دارالقضاء) میں پیش آمدہ مسائل کی سماعت اور فیصلہ کے لئے

مولانا توفیق احمد صاحب قاسمی کی خواہش واصرار اور حکم پر جامعہ حسینیہ جایا کرتا تھا اور یہ سلسلہ کافی عرصہ تک چلتا رہا، چونکہ محکمہ شرعیہ کے دوسرے ممبران (۱) مولانا راشد صاحب اعظمی جو حضرت مولانا مسلم صاحب کے برخوردار تھے بعد میں وہ دار العلوم دیوبند کے مدرس بنا دیئے گئے، اس وقت جب وہ جامعہ حسینیہ میں تھے وہ نو آموز فضلاء میں سے تھے (۲) اسی طرح مفتی نجم الحسن صاحب جو ہردوئی کے رہنے والے تھے وہ بھی نو آموز ہی تھے، اس لئے مقدمات کی سماعت اور فیصلہ کے لئے مہینہ پندرہ دن میں ایک مرتبہ اس خادم کو جامعہ حسینیہ جانا پڑتا تھا۔

جب یہ خادم جامعہ حسینیہ جاتا تو حافظ قمر الدین صاحب نوناری والے سے وہاں ضرور ملاقات ہوتی تھی کیونکہ اس زمانہ میں وہ ذمہ دار کی حیثیت سے جامعہ حسینیہ ہی میں قیام پذیر تھے، چونکہ بہت خوش دل و خوش مزاج تھے، اس لئے مختلف موضوعات پر بہت خوش مزاجی سے گفتگو کیا کرتے تھے۔

اور اکثر یہ کہا کرتے تھے کہ مفتی صاحب اگر حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب کا ڈر نہ ہوتا تو آپ کو گورینی سے میں چرالاتا اس کے جواب میں یہ خادم عرض کرتا کہ چرا کر آپ کیا کرتے تو اس کے جواب میں وہ کہتے تھے کہ میں جامعہ حسینیہ میں آپ کو لاکر بیٹھا دیتا۔

بہر حال اللہ کی طرف سے جب تک مدرسہ ریاض العلوم میں اس خادم کا قیام مقدر تھا اس وقت تک پوری دیانت داری اور اخلاص کے ساتھ رہا اور جب جانے کا وقت آیا جس کی تفصیلات آپ اگلے صفحات میں پڑھیں گے اتنی خاموشی کے ساتھ گیا

کہ وہاں کے طلباء، اساتذہ کو بھی خبر ہونے نہیں دی۔

لیکن اس کے باوجود بڑے بھائی کا ارادہ میرے ساتھ کیا تھا اس کی تفصیلات شہادت کے ساتھ اگلے صفحات میں آپ پڑھیں گے۔

مدارس کے رجسٹریشن کے سلسلے میں حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب کا ملفوظ

جس زمانہ میں یہ خادم مدرسہ ریاض العلوم میں موجود تھا ان ایام میں دار العلوم دیوبند کا قضیہ فاجعہ بہت شباب پر تھا، بلکہ ابتدائی دور میں ایک مرتبہ دارالعلوم دیوبند جانا ہوا جب طلبہ طبیہ کالج میں مقیم تھے اور اساتذہ ومنتظمین ان طلبہ کو آلۂ کار بنائے ہوئے تھے اور طلباء عزیز اپنی آخرت سے بے خوف ہوکر اپنے بڑوں کے خلاف کچھ بڑوں کے اشارہ پر جی بھر کر زبان درازی کر رہے تھے، اور اس نازیبا حرکت کے شکار وہاں موجود تقریباً سارے ہی طلباء تھے، خود اس خادم نے جب بعض طلباء کی پاکیزہ زبانوں سے مقدس ہستیوں کے خلاف پلید جملوں کو سنا تو روحانی اذیت پہنچی اور دل ودماغ بے پناہ متوحش ہوا۔

دیوبند میں قیام ہی کے زمانہ میں ایک دن معلوم ہوا کہ جامعہ طبیہ کے ہال میں ایک جلسہ ہونے والا ہے، چنانچہ اس جلسہ میں یہ خادم بھی پہنچا جس میں مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کے پوتے حکیم عبدالرشید صاحب عرف نھومیاں بھی بلائے گئے

تھے جو تشریف بھی لائے اور بیان بھی کیا، اسی طرح مولانا طاہر گیاوی بھی مدعو تھے ان کا بھی بیان ہوا، اسی طرح حضرت مولانا اسعد صاحب مدنی بھی اس جلسہ میں جلوہ افروز تھے ان کا بھی خطاب ہوا، جس خطاب میں حضرت مولانا اسعد صاحب نے یہ بھی فرمایا جس کو اس خادم نے اپنے کانوں سے سنا کہ حاشا وکلا میرا ارادہ دارالعلوم میں اپنے اعزاء واقارب کو رکھنے کا ہرگز نہیں ہے، اگر میں نے اپنے کسی عزیز وقریب ترین کو دارالعلوم کے اندر رکھا تو خنزیر کا گوشت کھانے کے برابر ہوگا۔

حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوری چونکہ حضرت شاہ وصی اللہ صاحب الہ آبادی کی خدمت میں ایک طویل عرصہ تک رہے اور ان کی تعلیم وتربیت سے بے حد مانوس اور قریب تر رہے، حضرت شاہ صاحب کی فکر اور مسلک ومشرب سے ہم آہنگ رہے جس کی وجہ سے حضرت تھانوی اور ان کے سلسلے کے لوگوں سے بے پناہ قربت تھی، اسی قربت کی بنیاد پر حضرت قاری طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند جو حضرت تھانوی کے خلیفہ بھی تھے پوری زندگی چچا کہتے رہے، چونکہ حضرت شاہ وصی اللہ صاحب بھی حضرت تھانوی کے خلیفہ تھے اور وہ باپ کے درجہ میں تھے اس لئے حضرت قاری طیب صاحب کو چچا کہتے رہے۔

لیکن افسوس صد افسوس دارالعلوم دیوبند کے اختلافات نے وہ دن بھی دکھایا جس کو کبھی سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ جب چچا کو قتل کرنا ہوا تو بھتیجے کے ہاتھ میں تلوار دے دی گئی، یعنی جب حضرت قاری طیب صاحب کو دارالعلوم دیوبند کے اہتمام سے سبکدوش کرنا ہوا تو لکھنؤ میں منعقد مجلس شوریٰ کے جس اجلاس میں حضرت قاری طیب

صاحب کی سبکدوشی عمل میں لائی گئی اس مجلس کی صدارت سوچ سمجھ کر دانشور حضرات نے حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب کے سپرد کی۔ چنانچہ آپ ہی کی صدارت میں وہ اجلاس اختتام پذیر ہوا جس میں حضرت قاری طیب صاحب کو اور آپ کے خاندان کو دارالعلوم دیوبند کی خدمت اہتمام سے ہمیشہ کے لئے محروم کردیا گیا۔ إنا لله و إنا إليه راجعون۔

ابھی دارالعلوم دیوبند کا اختلاف ختم بھی نہیں ہوا تھا کہ ۱۴/اکتوبر ۱۹۸۸ء مطابق ۲/ربیع الاول ۱۴۰۹ھ جمعہ کے دن مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں تالا پڑ گیا، ابھی امت دارالعلوم دیوبند کے اختلاف سے نہیں نکل پائی تھی کہ مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے اختلافات شروع ہوگئے جس نے امت کی کمر توڑ کر رکھ دی اور امت مسلمہ گویا کہ بے جان ہوگئی، چونکہ یہ دونوں مدارس اسلام کے گہوارے تھے ہندوستان ہی نہیں بلکہ پوری دنیا میں ان دونوں اداروں سے اسلام کی آبیاری وآبپاشی ہوتی تھی۔

ان دونوں اداروں کے اختلافات کی وجہ سے جہاں بہت سے ناگفتہ بہ مسائل وجود میں آئے ان میں ایک مسئلہ رجسٹریشن سے متعلق بھی سامنے آیا، خواص وعوام دو گروپ میں منقسم ہوگئے، ایک طبقہ پوری قوت کے ساتھ رجسٹریشن کی ضرورت واہمیت وجواز کا قائل تھا اور دوسرا طبقہ پوری قوت کے ساتھ اس کے عدم جواز کا قائل تھا بلکہ دھیرے دھیرے اس مسئلہ میں اتنی شدت پیدا ہوئی کہ دونوں طرف سے مستقل فتوے اور کتابیں وجود میں آئیں۔

رجسٹریشن کے عدم جواز کے قائلین نے تو اس وقت حد کردی جب مدرسہ

مظاہر العلوم کے حضرات سرپرستان اور شوریٰ کے ممبران کو کافر تک قرار دے دیا اور جو حضرات ان سے تعلق ومحبت، عقیدت وارادت رکھنے والے تھے ان کے پیچھے نماز کے عدم جواز کا فتوی صادر کر دیا۔ چنانچہ بہت سے دیہاتوں کے ائمہ اس کی وجہ سے امامت سے سبکدوش کر دیئے گئے، اس وقت جب اس خادم کو صورت حال کی اطلاع ہوئی تو سب سے پہلے اس خادم نے جرأت وہمت سے کام لیا اور اس فتوی کے خلاف مدرسہ ریاض العلوم کے دار الافتاء سے دوسرا فتوی شائع کر کے سہارنپور کے علاقہ میں تقسیم کروایا جس کے بعد حالات میں کچھ اعتدال آیا اور کفر والے فتوے کی آگ سرد پڑی۔

اسی زمانہ میں حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوری نے ایک مجلس میں اس خادم سے فرمایا کہ مفتی صاحب رجسٹریشن کا مسئلہ لوگوں نے اتنی شدت کے ساتھ اٹھا رکھا ہے کہ اس کی آگ خواص سے نکل کر عوام تک پہنچ گئی ہے اور ہر جگہ یہ مسئلہ موضوع بحث بنا ہوا ہے، عوام کے ساتھ خواص بلکہ علماء واکابرین بھی دو کنبوں میں تقسیم نظر آتے ہیں (۱) تھانوی (۲) مدنی۔ اور یہ سننے میں آرہا ہے کہ تھانوی لوگ رجسٹریشن کے عدم جواز کے قائل ہیں اور جو جواز کے قائل ہیں وہ سب مدنی حضرات ہیں۔

حالانکہ مانی کلاں چھوڑنے کے بعد جب گورینی مدرسہ کی میں نے بنیاد رکھی تو حضرت شاہ وصی اللہ صاحب جو میرے مربی اور مرشد تھے اور حضرت تھانوی کے خلفاء میں سے تھے اور خود پوری قوت اور شدت کے ساتھ تھانوی مسلک پر عمل پیرا تھے، اس کے باوجود تاکید کے ساتھ مجھ سے فرمایا کہ عبدالحلیم اپنے مدرسہ کا رجسٹریشن ضرور کرالینا اور اسی کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ میں نے الہ آباد میں اپنے مدرسہ کا بھی

رجسٹریشن کرا رکھا ہے۔

اس کے بعد حضرت مولانا نے اس خادم سے فرمایا کہ کیا حضرت شاہ صاحب تھانوی نہیں تھے اور کیا انھوں نے مسلک کو نہیں سمجھا تھا؟ لیکن جس طرح فقہاء نے لکھا ہے کہ ازمنہ کے بدلنے سے ادوار کے بدلنے سے امکنہ کے بدلنے سے اشخاص کے بدلنے سے احکام بدل جاتے ہیں، اسی طرح ان چیزوں کے بدلنے سے زبان بھی بدل جاتی ہے۔

چنانچہ یہی حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب جونپوری جب تک حضرت شاہ وصی اللہ صاحب کے پاس رہے سب کے محترم ومکرم رہے، لیکن حضرت شاہ وصی اللہ صاحب الہ آبادی کے انتقال کے بعد جب آپ شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کے با فیض دامن سے وابستہ ہو گئے تو آپ مرتد ہو گئے۔

چنانچہ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب سے انسلاک کے بعد حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب جلال آبادی نے آپ کے اس تجدید تعلق کو ارتداد سے تعبیر کیا جو کہ ایک انتہائی اہم اور سخت جملہ ہے، اگر چہ فتوی کی زبان میں اس کی بھی تعبیر نکالی جا سکتی ہے اور اس کو سہل بنایا جا سکتا ہے لیکن ظاہری مفہوم اس کا جتنا سخت ہے اس کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔

لیکن زمانہ کے بدلنے سے الفاظ کی تعبیرات اور اس کے استعمال میں اس قدر وسعت اور عموم وہ بھی اپنے بڑوں کی زبان سے یقیناً خوردوں کے لئے لمحۂ فکریہ ہے۔ فالی اللہ المشتکی۔

حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی کے بارے میں حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب کا ملفوظ

مدرسہ ریاض العلوم گورینی کے قیام کے زمانہ میں حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوری سال میں دومرتبہ دارالعلوم دیوبند کی شوریٰ کے اجلاس میں شرکت کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے اور جب شوریٰ کی شرکت سے واپسی ہوتی تو اس خادم سے ملاقات کے وقت یہ جملہ ضرور فرماتے کہ مفتی صاحب مان گئے آپ کے مولانا کو ماشاءاللہ ان کا کوئی جواب نہیں ہے، اس کے بعد یہ فرمایا کرتے تھے۔

کہ شوریٰ کے اجلاس میں جب حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحب کسی مسئلہ پر گفتگو شروع کرتے ہیں تو ان کی بات اتنی مکمل، مدلل، مبرہن ہوتی ہے کہ ان کی کاٹ کوئی نہیں کرپاتا، اگر کچھ دیر تک چل پاتے ہیں تو حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب اور حضرت مولانا علی میاں صاحب ندوی، ان کے علاوہ باقی ارکان میں کوئی ایسا ممبر نہیں ہے جو ان کی باتوں کا جواب دے سکے۔

اس کے بعد فرمایا کہ ایک مرتبہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی شوریٰ میں یہ مسئلہ پیش ہوا کہ ندوہ میں اچھی خاصی رقم ایسی ہے جس کا فی الحال کوئی استعمال اور مصرف نہیں ہے، تو کیوں نہ اس کو کہیں پر کسی کاروبار میں لگا دیا جائے کہ اس سے مستقل ادارے کی ایک ماہانہ وسالانہ آمدنی بھی ہوجائے گی اور پیسوں کا استعمال بھی ہوجائے گا۔ تقریباً تمام ہی اراکین اس رائے پر متفق ہوچکے تھے اور قریب تھا کہ یہ

متفقہ تجویز رجسٹر تجاویز پر لکھ کر اس کو حتمی شکل دے دی جائے، اتنے میں حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی نے سر اٹھایا۔ اور اس کے خلاف حضرت نانوتوی کے اصول ہشتگانہ کے تناظر میں اتنی کامل اور مکمل گفتگو کی کہ شرکاء اجلاس میں کوئی بھی ان کی رائے کاٹ نہیں سکا، بالآخر یہ طے پایا کہ مدرسہ کی بچی ہوئی رقم کو کسی کاروبار میں لگا کر مدرسہ کی مستقل آمدنی کا ذریعہ اسے نہ بنایا جائے۔

اکثر حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب، حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی کی ذہانت وذکاوت سنانے سے پہلے حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کا ایک ملفوظ بھی سنایا کرتے تھے۔

کہ میں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں جس وقت زیر تعلیم تھا اس وقت اہتمام کے ساتھ روزانہ عشاء کے بعد حضرت شیخ کے سر پر تیل رکھنے کے لئے جایا کرتا تھا تو حضرت شیخ اکثر مزاحیہ کوئی نہ کوئی بات فرمایا کرتے تھے، اکثر یہ فرماتے تھے کہ:

عبدالحلیم تمہارے ضلع فیض آباد میں کوئی کام کا مولوی بھی ہے؟

اس کے جواب میں، میں خاموش رہتا، تھوڑی دیر کے بعد آپ خود ہی فرماتے کہ کہتے کیوں نہیں ایک ہی مولوی ایسا ہے جو ہزاروں نہیں لاکھوں پر بھاری ہے، اگر ویسے دو چار اور ہوتے تو پتہ نہیں ہندوستانی کا کیا حال ہوتا، سب کے لئے اکیلا وہ مولوی لوہے کا چنا بنا ہوا ہے۔

اس سے اشارہ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کا حضرت مولانا حسین احمد مدنی کی طرف ہوا کرتا تھا، کیونکہ حضرت مدنی بھی اصلاً ٹانڈہ ضلع فیض آباد

کے رہنے والے تھے۔

یہ واقعہ سنا کر حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب یہ فرماتے کہ مفتی صاحب اگر کوئی آپ سے پوچھے کہ بہار میں کوئی مولوی بھی ہے تو میری شہادت کی بنیاد پر آپ کہہ سکتے ہیں کہ ایک ہی مولوی تو ایسا ہے جو ہزاروں، لاکھوں مولویوں پر بھاری ہے، اور وہ سب کے لئے لوہے کا چنا بنا ہوا ہے، یعنی مولانا منت اللہ رحمانی، اگر ایسے دو چار مولوی اور ہو جائیں تو سب کی ناک میں دم کر دیں۔

حاجی جمیل الدین صاحب جو کلکتہ کے رہنے والے ہیں اور بہت ہی صالح اور نیک طبیعت علماء نواز تجار میں سے ہیں، حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی سے ارادت کا تعلق بھی ہے اور اجازت وخلافت بھی حاصل ہے، صلحاء شعار، نیک طینت، بزرگ نواز، ہر ضرورت مند کے کام آنے والے انتہائی شریف الطبع، ملنسار انسان ہیں، ایک زمانے تک کثرت سے اس راقم کی ان کے یہاں آمد ورفت رہی اور جب جب ملاقات ہوئی بہت عزت اور محبت سے ملے اور ایک ہفتہ دو، دو ہفتہ زبردستی روک کر علمی سوال وجواب مسلسل کئی کئی گھنٹہ کیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ اس خادم نے ان سے عرض کیا کہ جمیل بھائی ماشاء اللہ آپ کے یہاں کثرت سے ہر طبقہ کے علماء کی آمد ورفت رہتی ہے، لیکن جتنا سوال وجواب آپ مجھ سے کرتے ہیں کسی اور سے نہیں؟

اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ مفتی صاحب صحیح بات یہ ہے کہ جو علماء میرے پاس آتے جاتے ہیں یا تو اتنے بڑے ہوتے ہیں کہ ان سے سوال وجواب کی

ہمت نہیں ہوتی یا اتنے کم علم ہوتے ہیں کہ وہ سوال نہیں سمجھ پاتے جواب تو دور کی بات ہے، بہت سے ایسے علماء بھی ہوتے ہیں کہ اگر ان سے تشفی نہ ہونے کی وجہ سے سوال کا اعادہ کرلیا جائے تو وہ ناراض ہوجاتے ہیں جس کی وجہ سے بات آدھی ادھوری رہ جاتی ہے۔

لیکن آپ سے جب بھی میں نے کوئی سوال کیا آپ کا علم اور مطالعہ اتنا وسیع ہے کہ آپ سوال کو اچھی طرح سمجھ جاتے ہیں اور جواب میں اس کا ہر گوشہ واضح ہوکر سمجھ میں آجاتا ہے۔اس لئے میں صرف آپ ہی سے سوالات کرتا ہوں کسی اور سے نہیں۔ چنانچہ جب یہ خادم ان کے یہاں پہنچتا تو اپنے ذاتی مشاغل کو موقوف کرکے میرے ساتھ مستقل اپنا سارا وقت وقف کرکے بیٹھ جاتے اور علمی سوال و جواب کی مجلس شروع ہوجاتی۔

ایک مرتبہ بھائی جمیل صاحب دوران گفتگو کہنے لگے کہ مفتی صاحب ہندوستان میں صرف دو مولانا ایسے ہیں جن سے حکومت بھی ڈرتی ہے (۱) حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی (۲) حضرت مولانا اسعد صاحب مدنی، میں نے ان سے کہا اس کی کیا وجہ ہے؟ انھوں نے جواب میں کہا کہ یہ دونوں حضرات اتنے ذہین ہیں کہ حکومت جب کوئی بات کہتی ہے تو یہ حضرات س سے سُر ھُر پور پہنچ جاتے ہیں، یعنی جب کبھی کسی پلان یا پروگرام کا حکومت اعلان کرتی ہے تو یہ دونوں حضرات کی نگاہ دوربیں اس کی انتہا اور انجام تک پہنچ جاتی ہے اور اس کے بعد یہ حضرات امت کو بیدار کرنا شروع کردیتے ہیں اور اجلاس و ہنگامہ شروع ہوجاتا ہے جس کے نتیجہ

میں حکومت اپنے پلان کو خاموشی کے ساتھ سرد خانہ میں ڈال دیتی ہے۔

بہر حال اس طرح کے ذہین علماء ہر زمانہ میں اللہ نے پیدا فرمائے جن کے ذریعہ تحفظ دین وشریعت کا اہم فریضہ انجام پاتا رہا اور امت مسلمہ کی صحیح رہبری بروقت ہوتی رہی اللہ پاک ان حضرات کو اپنی شایان شان اجر عظیم عطا فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کے حسنات اور نیکیوں کو قبول فرمائے اور ان کے درجات کو بلند فرمائے اور ان کا نعم البدل امت کو ہر زمانہ میں نصیب فرمائے۔آمین۔

قیام افتاء کے بعد حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب کا ملفوظ

مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں اس خادم کے پہنچنے کے بعد جب باضابطہ شعبۂ افتاء کا قیام عمل میں آ گیا اور دور وقریب سے مسلسل سوالات کی آمد شروع ہوگئی اور اس کے جوابات حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب کی نظر سے تائیدی دستخط کے لئے گزرنے لگے تو اس تسلسل کو دیکھ کر آپ اس قدر مسرور ہوئے کہ آپ نے سینکڑوں مرتبہ اس خادم کی موجودگی میں مدرسہ ریاض العلوم کے صدر مدرس سے یہ فرمایا کہ جب سے ہمارے مفتی صاحب یہاں آئے ہیں اور دارالافتاء کا قیام وجود میں آیا ہے میں دیکھ رہا ہوں کہ اتنی کثرت سے سوالات یہاں آرہے ہیں کہ اس سے پہلے کبھی بھی نہیں آئے تھے، گویا کہ یہاں کا دارالافتاء فتوی کی لائن سے اس علاقہ کا مرکز بن چکا ہے اور لوگوں کا بھرپور اعتماد یہ حاصل کر چکا ہے، یہ بات اس سے پہلے کبھی دیکھنے میں

نہیں آئی، لہٰذا آپ کو دار الافتاء سے استعفیٰ دے دینا چاہئے۔ لیکن ہر مرتبہ حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب کی یہ بات سن کر صدر صاحب خاموشی اختیار فرماتے، کوئی جواب نہ دیتے۔

۱۹۸۰ء سے لے کر ۱۹۹۰ء تک ہزاروں فتوے اس خادم نے لکھے اور سینکڑوں فتوے ہندوستان کے مرکزی اداروں میں پہنچے اور ان کی تصدیق وتصویب کے بعد واپس آئے۔

مدرسہ ریاض العلوم کے قیام کے زمانے میں لکھے گئے فتوؤں میں سے ایک بھی فتوی ایسا نہیں نکلا کہ کسی مرکزی ادارے نے اس فتوی کی تغلیط یا تردید کی ہو، بلکہ ہمیشہ تصدیق وتصویب کے ساتھ فتاوی واپس آئے، سینکڑوں مسائل میں اس زمانۂ قیام کے دوران محاکمہ کی بھی نوبت آئی اور الحمد للہ حکم کی حیثیت سے جو کچھ بھی اس خادم نے لکھا کبھی بھی اس کی تغلیط نہیں کی گئی۔

سوالات کے جوابات حسب موقع وضرورت طویل وقصیر دونوں رہے جس کی شہادت ''حبیب الفتاوی'' کے مطالعہ سے بھی حاصل ہوسکتی ہے، چونکہ فتوی کی لائن سے اس خادم کے استاذ حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی تھے جو پرانے ماہر مفتیان کرام میں سے تھے اور ان کی خدمت میں رہ کر دسیوں ہزار فتاوی کے لکھنے کی سعادت اس خادم کو حاصل ہوچکی تھی اس لئے فتوی نویسی کے نوک و پلک اور طول وقصر سے یہ خادم بخوبی آشنا تھا، اس لئے کسی بھی مسئلہ میں الحمد للہ کبھی بھی کوئی دقت پیش نہیں آئی، بہت سہولت کے ساتھ یہ عظیم خدمت یہ خادم ماضی میں انجام دیتا رہا اور آج بھی انجام دے رہا ہے۔

الٰہ آباد کی خانقاہ کا ایک واقعہ

جس زمانہ میں یہ خادم مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں تھا حضرت شاہ وصی اللہ صاحب کی خانقاہ سے منسلک حضرت مولانا قمر الزماں صاحب الٰہ آبادی نے طلاق سے متعلق ایک اہم مسئلہ محاکمہ کے لئے ارسال فرمایا، اس خادم نے اس کا جواب لکھ کر روانہ کر دیا، اس کے بعد حضرت مولانا قمر الزماں صاحب کا قاصد پہنچا کہ طلاق کے جس مسئلہ میں آپ سے مراجعت کی گئی تھی اس کے حل کے لئے الٰہ آباد کی خانقاہ میں ایک روز آپ کو آنا پڑے گا، اور فریقین کی موجودگی میں اس مسئلہ کو حل کرنا پڑے گا۔ چنانچہ ایک تاریخ متعین کر کے اس خادم نے حضرت مولانا قمر الزماں صاحب کو اطلاع کر دی۔ اور وقت مقررہ پر یہ خادم مدرسہ ریاض العلوم کے صدر مدرس حضرت مولانا محمد حنیف صاحب کو لے کر الٰہ آباد حاضر ہوا، مغرب کی نماز کے بعد پنچایت کی شکل میں مجلس ہوئی اور یہ مجلس حضرت شاہ وصی اللہ صاحب کی خانقاہ میں ہوئی جس میں خانقاہ کے تمام اکابرین کے ساتھ فریقین بھی موجود تھے اور ایک فریق کی طرف سے بہت موٹا تازہ ایک پنڈت بھی آیا ہوا تھا جو اس خادم کے بغل میں بیٹھ گیا جب گفتگو شروع ہوئی تو یہ طے پایا کہ فریقین سے بات چیت اور محاکمہ یہ خادم کرے گا، حالانکہ یہ خادم وہاں موجود سارے حضرات میں سب سے خورد تھا، لیکن خادم کی ذہانت و فطانت اور علمی دسترس کے سبھی موجود اکابر قائل تھے۔

محاکمہ کی مجلس شروع ہوئی پون گھنٹہ کے بعد آخر شوہر نے جرح کے دوران

اس چیز کا اعتراف کرلیا جس کا انکار آج تک وہ کرتا رہا جس کے بعد مجلس ختم ہوگئی اور خادم نے فیصلہ صادر کردیا جس کی تائید تمام شرکاء نے کی اور نتیجہ کے طور پر وہ مسئلہ جو چھ مہینہ سے لاینحل بنا ہوا تھا پون گھنٹہ کی کاوش اور اس خادم کی جرح کے نتیجہ میں حل ہوگیا۔

خادم کے انداز گفتگو اور انداز جرح کو دیکھ کر سارے حاضرین مجلس بہت خوش اور مطمئن ہوئے اور سارے اکابرین جن میں حضرت مولانا قمر الزماں صاحب بھی موجود تھے اس خادم کی ذہانت اور انداز جرح کی داد دینے سے نہیں رک پائے، سبھی حضرات نے جی بھر کر اس خادم کی مدح سرائی کی اور جی بھر کر دعاؤں سے نوازا، اس طرح ایک الجھا ہوا پرانا مسئلہ حل ہوگیا جس پر سبھی اکابرین بے پناہ خوش ہوئے، رات کے قیام کے بعد کل ہو کر خادم کی مدرسہ ریاض العلوم گورینی کے لئے واپس ہوگئی۔

مدرسہ ریاض العلوم گورینی کے کچھ طلباء کا تذکرہ

۱۹۸۰ء سے لے کر ۱۹۹۳ء تک مدرسہ ریاض العلوم گورینی کے قیام کے زمانہ میں بہت سے قابل ذکر طلباء رہے، لیکن ایک طویل عرصہ اس کو گزر جانے کی وجہ سے اکثر کا نام اور پتہ اور ان کی شکل ذہن سے مرور زمانہ کی وجہ سے غائب ہو چکی ہے، البتہ چند طلباء کے نام اور ان کی شکل آج بھی ذہن میں محفوظ ہے، اس لئے درج ذیل سطور میں انہیں محفوظ طلباء کا اجمالی مختصر تذکرہ ان کی چند خصوصیات کے ساتھ یہ خادم سپرد قلم کرنے جا رہا ہے، لیکن دیگر بہت سے قابل ذکر طلباء سے معذرت کے ساتھ یہ

خادم عرض پرداز ہے کہ وہ اپنا ذکر نہ پا کر ناراض نہ ہوں بلکہ پیشگی یہ خادم ان سے معذرت خواہ ہے۔

تذکرہ مولانا عبدالماجد جونپوری

(۱) مولانا عبدالماجد جونپوری، مولانا عبدالماجد جونپوری ضلع جونپور کے جمدھاں نامی گاؤں کے رہنے والے تھے جو کھیتا سرائے سے متصل مسلم اکثریتی گاؤں ہے جہاں کے رہنے والے اکثر حضرات شریف اور سنجیدہ مزاج اور علماء نواز تھے خود مولانا عبدالماجد سلمہ بہی جس خاندان سے تعلق رکھتے تھے وہ خاندان بھی انتہائی محترم، سادہ مزاج، ملنسار علماء نواز تھا ان کے والد محترم جناب ریاض احمد صاحب انتہائی شریف، کم گو، دیندار، متقی و پرہیزگار لوگوں میں سے تھے بعد میں مدرسہ ریاض العلوم کے دفتر محاسبی میں بحیثیت محرر ایک طویل عرصہ تک پوری دیانتداری کے ساتھ خدمت انجام دیتے رہے۔ عبدالماجد سلمہ جناب ریاض احمد صاحب کے انتہائی صالح سنجیدہ کم گو، مردم شناس برخوردار تھے، شروع سے مشکوۃ شریف تک مدرسہ ریاض العلوم میں انھوں نے تعلیم حاصل کی اور میبذی کے درس میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس خادم کے یہاں شریک درس رہے، مشکوٰۃ شریف سے فراغت کے بعد دورۂ حدیث کی تعلیم مدرسہ شاہی مرادآباد سے حاصل کی، مدرسہ شاہی سے فضیلت حاصل کرنے کے بعد مدرسہ ریاض العلوم گورینی کے شعبۂ حفظ کے مدرس مقرر کئے گئے اور ایک طویل عرصہ

تک پوری محنت اور لگن کے ساتھ شعبۂ حفظ کی خدمت انجام دیتے رہے۔

نسبی و خاندانی شرافت اور حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب سے خاندانی قربت کی وجہ سے آپ حضرت مولانا کے سب سے آخری داماد بھی بنے، حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب سے عزیز موصوف بہت قریب رہے، حضرت مولانا کے دور و قریب کے بہت سے اسفار میں بحیثیت خادم اکثر آتے جاتے رہے اور حضرت مولانا کی خدمت کا کافی دنوں تک آپ کو موقع ملا۔

حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب سے اس خادم کی جو قربت تھی اور حضرت مولانا کا اس خادم کے ساتھ جو مشفقانہ و پدرانہ برتاؤ تھا، اس کے تناظر میں عزیز موصوف کا تعلق بھی اس خادم کے ساتھ پوری اپنائیت کے ساتھ ہمدردانہ، برادرانہ، محبانہ تھا، گرد و پیش کے احوال سے اس خادم کو اکثر باخبر کرتے رہتے تھے اور بہت سی اہم اور غیر آشنا باتوں سے آشنا کراتے رہتے تھے، اکثر اس خادم کے کمرہ میں آتے جاتے رہتے اور جب بھی آتے جاتے نشست و برخاست میں پوری سنجیدگی اور متانت، ادب و تأدب کو ملحوظ رکھتے تھے، کبھی بھی کوئی ناشائستہ الفاظ زبان سے نہیں نکالتے تھے، ہر طرح کی ہمدردی اور بہی خواہی اس خادم کے ساتھ ان کی رہی۔

مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں رہتے ہوئے ۱۹۸۹ء سے جب حالات میں تبدیلی شروع ہوئی اس وقت سے ۱۹۹۳ء کے دوران اندر کے مسموع حالات کے تناظر میں بار بار اس خادم سے وہ یہ درخواست کرتے رہے کہ مفتی صاحب اب آپ کے لئے یہاں رہنے کی جگہ باقی نہیں رہ گئی ہے، جتنی جلدی ہو سکے آپ حضرت مولانا

سے اجازت لے کر باعزت یہاں سے ہجرت کر جائیں بلکہ ایک جملہ وہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ میں چاہتا ہوں کہ میں اپنی موجودگی میں آپ کو عزت سے رخصت کر دوں، لیکن ان کے اصرار اور بار بار کہنے کے باوجود یہ خادم صبر و تحمل کے ساتھ اس امید پر چند سال مزید قیام پذیر رہا کہ شاید حالات ٹھیک ہو جائیں۔

۱۹۹۲ء کے رمضان میں اس خادم کے ساتھ تسلسل کے ساتھ اذیت ناک، تکلیف دہ احوال جو پیش آئے جن کا تذکرہ تفصیل کے ساتھ آئندہ کے صفحات میں ان شاء اللہ آپ پڑھیں گے، ان واقعات میں سے ہر واقعہ کے عزیز موصوف شاہد عدل رہے اور ہر تکلیف دہ واقعہ کو دیکھنے کے بعد عزیز موصوف بچشم تر یہ کہتے رہے کہ مفتی صاحب اس لئے میں اتنے دنوں سے آپ سے یہ کہہ رہا ہوں کہ آپ کے لئے اب یہاں رہنے کی گنجائش باقی نہیں رہ گئی ہے، نیز یہ جملہ بھی کہتے کہ آپ یہ واقعہ بابا یعنی حضرت مولانا سے کیوں نہیں بتاتے لیکن یہ خادم ہر مرتبہ صبر کرتا رہا تا آنکہ ایک مرتبہ جب فجر کی نماز کے بعد اپنے رہائشی مکان میں ہم دونوں داخل ہوئے اور اس خادم کے ساتھ عزیز موصوف نے بھی اپنی آنکھوں سے مکان کے صحن میں اخبار میں لپٹے ہوئے کئی پڑیے دیکھے ان پڑیوں کو اٹھا کر جب عزیز موصوف نے کھولا تو کسی میں چھچھوندر مرا ہوا رکھا تھا، کسی میں زیر ناف کے بال بنے ہوئے رکھے ہوئے تھے، کسی میں موئے زیر ناف بنانے والی مشین اور بلیڈ موجود پایا، اس کو دیکھ کر عزیز موصوف بلبلا اٹھے اور ان پر اور اس خادم پر بھی گریہ طاری ہو گیا، ہم دونوں جب گھر سے باہر نکلے تو حضرت مولانا مسجد سے گھر تشریف لے جاتے ہوئے دروازہ پر مل گئے، ہم

دونوں کو روتا ہوا دیکھ کر حضرت مولانا رک گئے، رمضان کے مقدس مہینہ میں اس طرح کی بار بار شرارت ورذالت نے ہم دونوں کو شکستہ دل کر رکھا تھا، ہم لوگوں نے روتے ہوئے حضرت مولانا سے کئی روز سے مسلسل ہونے والے واقعات کی تفصیل سنائی، حضرت مولانا سن کر کبیدہ خاطر ہوئے اور فوراً حضرت نے مولانا وکیل صاحب کو بلا کر پورا واقعہ بتلایا اور فرمایا کہ اس کا پتہ لگاؤ کہ یہ کون ہے؟ جو اس طرح کی حرکتیں مفتی صاحب کے ساتھ بار بار کر رہا ہے، لیکن حضرت مولانا کے علم میں لانے کے باوجود نہ خبیثوں کی حرکتوں میں کمی آئی نہ خادم کی ایذا رسانی میں کوئی فرق پڑا بلکہ تسلسل کے ساتھ پورے رمضان غلیظ حرکتیں جاری رہیں۔

اللہ اللہ کر کے کسی طرح رمضان مکمل ہوا اور اس خادم نے سال پورا کیا لیکن عزیزم مولانا عبد الماجد سلمہ اپنی رائے پر پوری قوت کے ساتھ قائم رہے اور بہت اخلاص کے ساتھ جتنی جلد ہو سکے مدرسہ چھوڑنے کا مشورہ دیتے رہے اور پرانی باتوں کو دہراتے رہے۔

تا آنکہ رمضان ۱۹۹۳ء آیا اور اس سے پہلے جو حالات پیدا ہوئے ان کو انشاء اللہ آئندہ کے صفحات میں یہ خادم سپرد قلم کرے گا، رمضان کے اخیر عشرہ کا اعتکاف چھوڑ کر یہ خادم گھر کے لئے روانہ ہو گیا، عید کے بعد جب گھر سے واپسی ہوئی تو سیدھے مدرسہ ریاض العلوم گورینی نہ جا کر مہذب پور پہنچا اور یہاں سے اپنے ایک عزیز کو مدرسہ ریاض العلوم صورت حال کی آگہی کے لئے بھیجا اور اس کو خصوصیت کے ساتھ یہ تاکید کی کہ مولانا عبد الماجد صاحب سے خصوصیت کے ساتھ ملاقات کر کے

اور صورت حال معلوم کر کے آنا، اس نے واپسی کے بعد اس خادم کو وہاں کی موجودہ صورت حال سے باخبر کرایا اور یہ اطلاع دی کہ مولانا عبدالماجد صاحب نے کہا ہے کہ مفتی صاحب سے کہہ دینا کہ یہاں دوپہر کے وقت میں آئیں اور آنے کے بعد پہلے مجھ سے ملاقات کر لیں اس کے بعد مدرسہ میں جائیں۔

چنانچہ عزیز موصوف کی ہدایت کے مطابق دوپہر کے وقت اپنی ہیرو مجسٹک کے ذریعہ مدرسہ ریاض العلوم کے اس مکان میں پہنچا جس میں فیملی کے ساتھ چند سال سے میرا قیام تھا، چونکہ گرمی کا موسم تھا، اپریل کا مہینہ تھا، اس لئے ظہر کی نماز میں لمبا وقفہ باقی تھا، یہ خادم بارہ بجے پہنچتے ہی اپنے عزیز اختر عالم سلمہ کو مولانا عبدالماجد کو بلانے کے لئے بھیجا، وہ فوراً آ گئے اور خادم کی عدم موجودگی میں پیش آمدہ مسائل کا مذاکرہ شروع کیا، دوران گفتگو تین مرتبہ خادم نے مولانا عبدالماجد سلمہ سے کہا کہ دیوار کے پیچھے جنگلے کے پاس جو غربی جانب تالاب کی طرف کھلتا تھا کوئی کھڑا ہم لوگوں کی باتوں کو سن رہا ہے، لیکن دو مرتبہ عزیز موصوف نے میری باتوں کو نظر انداز کر دیا، لیکن تیسری مرتبہ جھلا کر اختر عالم سلمہ میرے سالے کو جو برآمدے میں بیٹھا ہوا تھا زور سے کہا کہ اختر عالم جاؤ باہر دیکھو کون ہے؟ جنگلے پر کھڑا ہوا، جب وہ باہر نکلا تو وہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اپریل کے مہینہ کی دوپہر کی گرمی میں میرے مکان کی غربی جانب تالاب کے کنارے جنگلے کے پاس مدرسہ کا نائب ناظم کان لگائے ہم لوگوں کی باتوں کو سن رہا تھا، یہ منظر دیکھ کر اختر عالم حیران رہ گیا اور اس کے بعد آکر اس نے مولانا عبدالماجد کو صورت حال کی اطلاع دی، یہ اطلاع پاتے ہی اس افسوس ناک جاسوسی کو

وہ برداشت نہیں کر پائے، سن کر وہ رو پڑے اور میرا پاؤں پکڑ کر کہنے لگے کہ مفتی صاحب اسی لئے کئی سال سے میں آپ کی خوش آمد کر رہا ہوں کہ اب آپ کے لئے یہاں رہنے کے حالات نہیں رہ گئے ہیں۔ چنانچہ اس کے بعد میں نے اختر عالم سلمہ کو سامان باندھنے کا حکم دے دیا، اس کے بعد جو ہوا اس کی تفصیلات ان شاء اللہ آئندہ صفحات میں خادم کے استعفیٰ کے عنوان کے ضمن میں آپ پڑھیں گے۔

اس کے بعد خادم نے استعفیٰ دیا، عزیز موصوف اور مولانا عبدالعظیم صاحب ندوی اور ان کے بچوں نے میرا سارا سامان ٹرک پر لوڈ کیا، رات کا باقی حصہ خادم نے عزیز موصوف کے ساتھ ان کے مکان پر گزارا، بعد نماز فجر حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب سے اس خادم نے الوداعی سلام ومصافحہ کیا۔ اس کے بعد عزیز موصوف اور مولانا عبدالعظیم صاحب ندوی نے مجھ کو اسرھٹہ تک پہونچایا اس کے بعد وہ واپس ہو گئے، میں شاہ گنج ڈاکٹر سخاوت علی شمیم صاحب کے مکان پر گیا، ان کو میں نے اپنے استعفیٰ کی خبر دی، وہ سن کر رو پڑے، اس کے بعد میں سرائے میر وہاں سے مہذب پور ہوتا ہوا اپنے وطن چلا گیا۔

کچھ ہی عرصہ کے بعد عزیز موصوف نے بھی مدرسہ ریاض العلوم سے استعفیٰ دیدیا اور کافی دنوں تک سعودیہ میں رہے۔ اس کے بعد واپس آئے اور مختلف کاموں میں لگے رہے، بالآخر لکھنؤ پہونچ کر مستقل اپنا کاروبار شروع کر دیا اور اب مستقل لکھنؤ میں قیام پذیر ہیں۔

اب ان کے بچے بھی خود کفیل ہو گئے ہیں اور ہر اعتبار سے راحت اور سکون

میں ہیں۔اللہ پاک ان کی محبت وخلوص کا بہترین اجر دارین میں نصیب فرمائے اور صحت وعافیت کے ساتھ لمبی عمر نصیب فرمائے۔آمین

تذکرہ مولانا کوثر اعظمی

(۲) مولانا کوثر اعظمی،عزیز موصوف کمراواں ضلع اعظم گڑھ کے رہنے والے تھے، جناب صغیر احمد صاحب کے پوتے تھے اور جناب ابوالکلام صاحب کے برخوردار تھے، ابتدائی تعلیم انہوں نے مدرسہ عربیہ بیت العلوم سرائے میر میں حاصل کی،اس کے بعد عربی درجات کی تعلیم کے لئے مدرسہ ریاض العلوم گورینی آگئے، پھر دورۂ حدیث تک مدرسہ ریاض العلوم ہی سے وابستہ رہے اور وہیں سے فراغت حاصل کی، بعد میں ان کے چھوٹے بھائی مفتی جمال اختر بھی مدرسہ ریاض العلوم ہی میں آگئے اور دونوں نے بہت محنت اور یکسوئی کے ساتھ تعلیم حاصل کی اور امتحانات میں اچھے نمبرات حاصل کرتے رہے۔

عزیز موصوف کے دادا جناب صغیر احمد صاحب بہت دیندار صلحاء شعار، متقی وپرہیزگار لوگوں میں سے تھے، حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب سے بہت عقیدت ومحبت رکھتے تھے اور کثرت سے حضرت مولانا کی ملاقات کے لئے مدرسہ ریاض العلوم گورینی آتے جاتے رہتے تھے، نیز رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف بھی حضرت مولانا کے ساتھ کیا کرتے تھے،آپ کے برخوردار جناب ابوالکلام صاحب حضرت

مولانا عبدالحلیم صاحب کے بڑے لڑکے جناب مولانا منیر احمد صاحب جو جونپور شہر میں رہا کرتے تھے، ان کے ہم زلف تھے جس کی وجہ سے حضرت مولانا سے قرابت داری بھی تھی اور جس کا لحاظ وخیال پوری زندگی کرتے رہے، اسی کے ساتھ حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب سے عقیدت ومحبت میں کبھی کمی نہیں آئی۔

عزیزم مولانا کوثر صاحب سلمہ میں خاندانی سنجیدگی و متانت، خدمت واطاعت پوری طرح سے موجزن تھی، صوم وصلوۃ کے ساتھ اسباق اور تکرار ومطالعہ کے بیحد پابند تھے، ریاض العلوم گورینی کے قیام کے دوران ہمیشہ مدرسہ کے منتظمین اور اساتذہ اور طلباء کے ساتھ مشفقانہ وہمدردانہ برتاؤ رکھتے رہے اور کبھی بھی کسی کو کوئی شکایت کا موقع نہیں دیا۔

اس خادم سے خصوصیت کے ساتھ انس رکھتے تھے، کئی سال تک دوپہر میں سبق کے ختم ہونے کے بعد بہت اہتمام وانتظام کے ساتھ اس خادم کی سبزی اسٹوپ پر بناتے رہے، اور ایک لمبے عرصہ تک یہ خدمت بہت خلوص کے ساتھ کرتے رہے، کبھی بھی سبزی کا کوئی حصہ یا جز اصرار کے باوجود نہیں لے گئے، جب کبھی اس خادم نے سبزی لے جانے کے لئے بہت دباؤ ڈالا تو عزیز موصوف نے یہ کہہ کر اس خادم کو خاموش کردیا کہ مفتی صاحب آپ میرے خلوص کو ضائع نہ کریں یعنی اگر میں سبزی کا کوئی حصہ لے گیا تو میرا خلوص ضائع ہوجائے گا جس کی وجہ سے اس خادم کے دل ودماغ میں عزیز موصوف کی عزت وعظمت میں کئی گنا اضافہ ہوگیا۔

عزیز موصوف ہی کی برکت سے جب مولانا افضال الحق صاحب جوہر قاسمی

مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں پہلی مرتبہ آئے اور کافی دنوں تک طلباء واساتذہ کے لئے وہ اجنبی بنے رہے، خالی اوقات میں کوئی بھی استاذ یا طالب علم ان کے پاس بیٹھنے کا روادار نہیں تھا تو عزیز موصوف ہی نے اس چیز کو بہت شدت سے محسوس کیا اور ایک مرتبہ اس خادم سے یہ کہا کہ مفتی صاحب اتنی مشکل سے تلاش بسیار کے بعد دورۂ حدیث کے لئے حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب ایک استاد کو تلاش کر کے لائے ہیں، لیکن میں دیکھتا ہوں کہ ان کے پاس کوئی بھی استاذ یا طالب علم آنے جانے یا اٹھنے بیٹھنے کے لئے تیار نہیں، عصر کے بعد آپ ہی ان کے پاس کچھ دیر بیٹھ جایا کریں تا کہ ان کی دل بستگی ہوجایا کرے گی۔

عزیز موصوف نے یہ بات اس انداز سے کہی کہ اس خادم کے دل میں یہ بات اتر گئی، چنانچہ اس کے بعد اس خادم نے ان کے پاس اٹھنا بیٹھنا شروع کر دیا، پھر تعلقات میں جتنی قربت پیدا ہوئی اور مولانا اس خادم سے جتنا قریب ہوئے اور پھر دوسرے لوگوں نے اس قربت کو دوری سے جس انداز سے تبدیل کیا اس کا تفصیلی تذکرہ حیات حبیب الامت کے جلد اول میں یہ خادم لکھ چکا ہے، وہاں آپ دیکھ سکتے ہیں اور اس کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

بہرحال عزیزم مولانا کوثر صاحب کا مخلصانہ تعلق اخیر تک اس خادم کے ساتھ رہا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انھوں نے اپنا نکاح بھی جو مفتی عبداللہ صاحب پھولپوری کی ہمشیرہ سے طے پایا تھا اس خادم ہی سے پڑھوایا۔ چنانچہ یہ خادم وقت مقررہ پر پھولپور مفتی عبداللہ صاحب کے مکان پر پہنچا جہاں طرفین کے اعزا واقارب موجود تھے، ان کی موجودگی میں اس خادم نے جنت تک قائم رہنے والے اس رشتۂ ازدواجیت کے لئے

ایجاب وقبول کے اہم فریضہ کوانجام دلوایا اور الحمد للہ آج تک طرفین ایک اچھے ماحول میں خوشگوار زندگی گزار رہے ہیں۔

فراغت کے بعد عزیز موصوف مدرسہ ریاض العلوم ہی میں حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب کے حکم پر درس وتدریس پر مامور ہوگئے اور کئی سال تک تشفی بخش انداز میں عربی شعبہ سے منسلک ہوکر عربی درجات کی کتابوں کا درس دیتے رہے لیکن چند سالوں کے بعد معاشی مجبوری کی وجہ سے سعودیہ ہجرت کر گئے اور وہاں کی ملازمت اختیار کرلی، کئی سال تک سعودیہ میں رہے، لیکن اس کے بعد دبئ چلے آئے اور کئی سال تک شارجہ میں قیام پذیر رہ کر مختلف کاموں کے ذریعہ اہل خانہ کی معیشت کی استوارگی میں لگے رہے، ایک لمبے عرصہ تک وہاں کے قیام کے بعد بتقدیرالٰہی ہندوستان واپس آگئے۔اور آج الحمد للہ سکون کے ساتھ لکھنؤ میں مع اہل خانہ خوشگوار زندگی گزار رہے ہیں اور اس کے ساتھ علمی ودینی خدمت بھی حسب موقعہ وسہولت انجام دیتے رہتے ہیں، اللہ پاک عزیز موصوف کوان کی خدمات جلیلہ کا بہترین اجر وصلہ دارین میں عطا فرمائے اور خوشگوار وپُرسکون زندگی سے اللہ پاک سرفراز فرمائے۔آمین

تذکرہ مولانا عمر گورکھپوری

(۳) مولانا عمر گورکھپوری

عزیز موصوف کمپیر گنج ضلع گورکھپور کے رہنے والے تھے، جناب سعدی

صاحب کے برخوردار تھے جن کا تعلق حضرت شاہ وصی اللہ صاحب الہ آبادی سے تھا بلکہ ان کا پورا خاندان حضرت شاہ صاحب سے منسلک تھا، چونکہ ایک لمبے عرصے تک حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب کا بھی تعلق حضرت شاہ وصی اللہ صاحب الہ آبادی سے رہا اسی مناسبت سے سعدی صاحب نے اپنے تمام بچوں کی تعلیم وتربیت کے لئے مدرسہ ریاض العلوم گورینی کا انتخاب کیا۔ چنانچہ عزیزم مولانا عمر گورکھپوری کے بڑے بھائی نے بھی مدرسہ ریاض العلوم ہی سے تعلیم حاصل کی اور ان کے چھوٹے تمام بھائیوں نے یعنی حمزہ، معاویہ، اسامہ وغیرہم نے بھی مدرسہ ریاض العلوم گورینی ہی میں رہ کر تعلیم وتربیت حاصل کی۔

عزیز موصوف اوران کی رفتار وگفتار، نشست وبرخاست پر، گھر کی تربیت کی پوری چھاپ تھی، گفتگو میں بے پناہ ادب وتأدب اور شائستگی تھی، بڑوں کا بہت زیادہ ادب واحترام کیا کرتے تھے اور گفتگو بہت سوچ سمجھ کر کرتے تھے، بات چیت میں الفاظ کا استعمال بہت ناپ تول کر کیا کرتے تھے۔ الغرض ہر چیز میں ادب وتأدب غالب رہتا تھا۔

جب یہ خادم مدرسہ ریاض العلوم پہنچا تو یہ شرح جامی کی جماعت میں تھے، ان کی سب سے پہلی کتاب جو اس خادم کے پاس آئی وہ قطبی تھی، اس کے بعد دورۂ حدیث کی تعلیم بھی مدرسہ ریاض العلوم ہی میں حاصل کی اور مدرسہ ریاض العلوم میں جس سال دورۂ حدیث کا آغاز عمل میں آیا اس کے پہلے شرکاء میں یہ بھی تھے، ان کے علاوہ ان کے رفقاء میں مولانا کوثر اعظمی، مفتی رشید احمد معروفی وغیرہم بھی تھے۔

اس خادم کے مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں پہنچنے کے بعد ان کی سب سے پہلی کتاب جو مجھ سے متعلق ہوئی وہ قطبی تھی، یہ کتاب وہ تھی کہ انہی کے بقول جس استاد کے ذمہ عید کے بعد یہ کتاب گئی انہوں نے اس کتاب اور منطق سے متعلق اتنی منفی گفتگو کی اور طلبہ کو اتنا تیار کیا کہ وہ اجتماعی درخواست اس کے اخراج کے لئے دفتر نظامت میں دینے کے لئے تیار ہو گئے، لیکن اس درخواست پر عزیز موصوف کے دستخط نہ کرنے کی وجہ سے قطبی کی تدفین عمل میں نہیں آسکی، اگر چہ استاذ محترم کی تقریر نے اس کی تجہیز وتکفین کا سارا سامان مہیا کر دیا تھا جس کو خادم سے عزیز موصوف نے خود اپنی زبان سے بتلایا جس کا تفصیلی تذکرہ ''حیات حبیب الامت'' کے جلد اول میں آچکا ہے۔

ساری خوبیوں کے ساتھ ان میں کچھ فطری کمزوریاں بھی تھیں، ان کمزوریوں میں ایک اہم کمزوری نیند کی ثقالت تھی، جب وہ سوتے تھے تو اتنی گہری نیند ان کو آتی تھی کہ باوجود تمام تر کوشش کے ان کی آنکھ نہیں کھل پاتی تھی، بعض مرتبہ اس خادم نے طلبہ کے ذریعہ اٹھا کر مدرسہ کے احاطہ میں موجود تالاب کے پانی میں ان کو ڈلوا دیا اس کے باوجود ان کی آنکھ نہیں کھل سکی، میری محبت وکاوش کو دیکھ کر انکو مجھ پر ترس آیا اور ایک دن وہ تنہائی میں مجھ سے آکر میرے کمرے میں ملے اور بہت ندامت کے ساتھ معذرت کرتے ہوئے مجھ سے یہ درخواست کی کہ حضرت میری اصلاح کے تعاقب میں آپ نہ پڑیں، ورنہ آپ ہار جائیں گے، چونکہ یہ میری فطری مجبوری ومعذوری ہے جو علاج بسیار کے باوجود ختم نہیں ہو پا رہی ہے، اس لئے آپ سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ مجھ کو میرے حال پر چھوڑ دیں ورنہ مجبوراً آپ کو بھی تھک ہار کر مجھ کو چھوڑنا پڑے گا جس

طرح دیگر بہت سے اساتذہ ہار مان چکے ہیں، چنانچہ اس کے بعد میں نے عزیز موصوف کا تعاقب بند کر دیا اور اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا۔

لیکن جب وہ اپنی نیند سے از خود بیدار ہوتے تو اپنا ہر کام اور اسباق کی شرکت پوری بیدار مغزی کے ساتھ کیا کرتے تھے۔

عزیز موصوف نے اس خادم سے قطبی کے علاوہ بہت سی کتابوں کا درس لیا، دورۂ حدیث کے سال میں ترمذی شریف، نسائی شریف، ابن ماجہ، اور مؤطا امام مالک اور مؤطا امام محمد کے دروس میں شریک رہے، خاص طور پر ترمذی کے درس میں پوری دلچسپی اور یکسوئی کے ساتھ شرکت کرتے رہے۔

حضرت مولانا تقی عثمانی کی تقریر ترمذی (درس ترمذی) کی جلد اول کا تعارف سب سے پہلے اس خادم کو انہی کے ذریعہ ہوا، ورنہ اس سے پہلے اس کتاب سے بھی خادم نا آشنا تھا۔ حضرت مولانا تقی عثمانی کی درس ترمذی کو دیکھنے کے بعد اس خادم کو مسرت بالائے مسرت ہوئی، کیونکہ ترمذی شریف کے پڑھانے کا جو انداز اس خادم کا تھا وہی انداز درس ''درس ترمذی'' میں دیکھنے کو ملا، جس سے خادم کو بہت تقویت حاصل ہوئی اور حوصلہ افزائی بھی ہوئی۔

فراغت کے بعد اپنے وطن کمپیر گنج میں وہ مصرف کار ہو گئے اور آج بھی وہ وہیں قیام پذیر ہیں۔

ان کے جانے کے بعد ان کی نیابت ان کے برادر خورد مفتی حمزہ صاحب نے کی جو ہر اعتبار سے ''سرلابیہ'' کے ساتھ ''سرلاحیہ'' بھی تھے، لیکن یہ ثقل نوم کے مریض

نہیں تھے، بلکہ بر وقت سوتے اور بیدار ہوتے تھے جس کی وجہ سے ذہانت میں برادر بزرگ سے دو قدم آگے تھے، اس خادم سے بہت سی کتابیں انھوں نے پڑھیں جن میں بیضاوی، شرح عقائد، سراجی اور ترمذی شریف خصوصیت کے ساتھ یاد ہے۔

فراغت کے بعد حضرت مولانا ابرارالحق صاحب ہردوئی سے وابستہ ہوگئے، اوران کے انتقال کے بعد ان کے عزیز حکیم کلیم اللہ صاحب علی گڑھی سے وابستہ ہوئے اور وطن کے قریب ایک ادارہ سے وابستہ ہوکر دینی خدمت میں مصروف ہوگئے اور آج بھی الحمد للہ اس سے وابستگی باقی ہے، اس کے علاوہ بھی متعدد دینی خدمت انجام دیرہے ہیں، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اوراستقامت نصیب فرمائے۔آمین۔

تذکرہ مفتی رشید احمد معروفی

(۴) مفتی رشید احمد معروفی

عزیز موصوف پورہ معروف محلّہ کرتھی جعفر پور ضلع مئو کے رہنے والے تھے، ذہین طلباء میں ان کا شمار ہوتا تھا، ساتھیوں میں تکرار بھی کرایا کرتے تھے، سنجیدہ مزاج، خدمت گزار تھے، ان کے والد بھی سادہ مزاج، صالح، صوم وصلوۃ کے پابند تھے، دوچار ماہ میں ایک مرتبہ اپنے برخوردار کی ملاقات کے لئے مدرسہ ریاض العلوم گورینی آیا کرتے تھے، طلباء کے ساتھ انہی کے کمرہ میں بلا تکلف رہتے تھے اور ہنستے بولتے تھے۔

عزیز موصوف نے کئی سال کا وقت مدرسہ ریاض العلوم میں گزارا، اساتذہ،

منتظمین کو کبھی کسی شکایت کا موقعہ نہیں دیا۔ اس خادم سے خصوصیت کے ساتھ مانوس تھے، دوپہر اور شام میں اپنے ہاتھ سے روٹی پکا کر دیا کرتے تھے اور یہ خدمت مسلسل کئی سال تک پابندی کے ساتھ کرتے رہے اور ان کی عدم موجودگی میں ان کے برادر خورد حسین احمد اور ان کے روم پارٹنر رضوان احمد جوگھوسی کے رہنے والے تھے، یہ خدمت انجام دیتے تھے۔ درسگاہ میں اکثر عبارت بھی اسباق کا وہی پڑھا کرتے تھے، چونکہ صلاحیت پختہ تھی اس لئے عبارت خوانی درست کیا کرتے تھے۔

مدرسہ ریاض العلوم سے فراغت کے بعد افتاء بھی انہوں نے مدرسہ ریاض العلوم ہی سے کیا اور افتاء میں بھی ممتاز طلباء میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ افتاء سے فراغت کے بعد کئی سال مدرسہ تجوید القرآن ڈھری اون سون قاری اظہار الحق صاحب کی رفاقت میں تدریسی و تنظیمی خدمت انجام دیتے رہے۔ ۱۹۹۴ء میں جب اس خادم نے مہذب پور میں دار العلوم کی بنیاد ڈالی تو بہت شوق، محنت و لگن کے ساتھ کئی سال تک ادارہ کی خدمت کرتے رہے، چند سال کے بعد ان کے والد محترم آئے اور گھر کی مجبوری و پریشانی اور اپنی کمزوری بتلا کر اجازت لے کر گھر لے گئے اور گھریلو کام کاج میں مشغول کر دیا، آج تک وہ اسی کام میں مصروف ہیں۔

دوران تعلیم اس خادم کے توسط سے جلال پور ضلع فیض آباد حاجی محمد تعریف صاحب کی بچی سے ان کا رشتہ طے پایا، حاجی صاحب کے اصرار اور حکم پر اس خادم نے ہی جلال پور پہونچ کر ان کا نکاح پڑھایا، الحمد للہ دونوں خوشگوار و پُرسکون زندگی گزار رہے ہیں، اور الحمد للہ صاحب اہل وعیال ہیں۔

دعاء ہے اللہ پاک ان کی خدمات کا بہترین صلہ دارین میں ان کو عطاء فرمائے اور ایمان وعمل کے ساتھ روزی روزگار میں برکت اور ترقی نصیب فرمائے۔ آمین۔

تذکرہ مولانا عبداللہ اعظمی

(۵) مولانا عبداللہ اعظمی

عزیز موصوف کوٹلہ ضلع اعظم گڑھ کے رہنے والے تھے، مولانا طلحہ صاحب جو درویش صفت، علماء نواز، بزرگوں کے منظور نظر، کم سخن عالم تھے ان کے یہ برخوردار تھے، عزیز موصوف میں والد بزرگوار کے تمام صفات بدرجۂ اتم موجود تھے، انتہائی سنجیدہ، خاموش طبع، ہر دل عزیز، اطاعت گزار طلباء میں ان کا شمار ہوتا تھا، محنت ویکسوئی کے ساتھ اپنی تعلیم میں لگے رہتے تھے، ان کے چچا زبیر احمد صاحب بھی ان کے والد بزرگوار کی کاپی تھے، اس خادم کا ان کے مکان کوٹلہ کئی بار جانا ہوا۔ مہمانوں کی اپنے دروازہ پر بے پناہ عزت کرتے اور خدمت کرتے تھے۔ عربی درجات کے کئی سال عزیز موصوف نے مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں گزارے اور دورۂ حدیث سے وہیں سے فراغت حاصل کی، ان کے ساتھیوں میں نعمت اللہ الہ آبادی اور قاری اظہار الحق روہتاسی تھے۔

فراغت کے بعد والد بزرگوار کی خواہش اور طلب پر لندن چلے گئے اور آج بھی الحمدللہ مع اہل وعیال والدین کے زیر سایہ لندن میں مقیم ہیں اور والدین کی دل سے

خدمت وراحت رسانی میں مصروف ہیں۔اللہ پاک ان کی خدمت کوقبول فرمائے۔

تذکرہ اسفار

مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں قیام کے دوران اس خادم کے دور وقریب کے مختلف انداز کے اسفار بھی ہوتے رہے۔ جیسے بعض اسفار اصلاح معاشرہ کے عنوان سے ہوئے، یہ سفرصوبہ بہار کے مختلف اضلاع کا ہوا جس میں سیوان، مظفر پور، سمستی پور، دربھنگہ، سیتامڑھی، مغربی ومشرقی چمپارن شامل ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت مولانا اسعد صاحب مدنی ایک پروگرام میں سرائے میر تشریف لائے، حضرت مولانا ادریس صاحب سرائے میر، مفتی محمد شعیب صاحب نناداؤں، مفتی اشفاق احمد صاحب چھتے پور کی موجودگی میں حضرت مولانا اسعد صاحب نے اس خادم کومخاطب کر کے فرمایا کہ مفتی صاحب ہفتہ عشرہ کا جمعیۃ العماء کی ماتحتی میں چلنے والے اصلاح معاشرہ کے پروگرام کے لئے آپ کا وقت چاہئے۔اس کے جواب میں اس خادم نے عرض کیا کہ حضرت میں تیار ہوں، لیکن سفر کے لئے حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب کی اجازت ضروری ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا سے اجازت کے لئے مذکورہ بالا تینوں حضرات کوحضرت مولانا نے پابند بنایا۔ چنانچہ یہ تینوں حضرات وفد کی شکل میں حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب کی خدمت میں پہنچے اور وہاں پہنچ کر حضرت مولانا اسعد صاحب مدنی کا پیغام حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب

سے نقل کیا، اس کے جواب میں حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب نے انہی تینوں حضرات کی موجودگی میں سفر برائے اصلاح معاشرہ کی خادم کو بلا کر اجازت مرحمت فرمائی۔ چنانچہ حضرت کی اجازت سے یہ خادم پہلی مرتبہ ۲۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۲ھ مطابق ۲۰؍ نومبر ۱۹۹۲ء کو مفتی اشفاق احمد صاحب کی رفاقت میں اصلاح معاشرہ کے سفر پر نکلا، پٹنہ ہوتے ہوئے سب سے پہلے سمستی پور پہنچا، وہاں سے رامپور جانا ہوا، وہاں سے مدرسہ بشارت العلوم دربھنگہ جانا ہوا، وہاں سے مدھوبنی اور پکھرونی ہوتے ہوئے ڈھاکہ اور بتیا اور وہاں سے موتیہاری ہوتے ہوئے مظفر پور کا آخری پروگرام ہوا، ہر جگہ کا پروگرام الحمد للہ بہت کامیاب رہا، اس خادم کی ہر جگہ تقریریں ہوئیں اور عوام وخواص نے بیانات سے خوب خوب استفادہ کیا۔

لیکن ایک عشرہ کے پروگرام کے بعد جب مدرسہ واپسی ہوئی اور کل ہو کر دفتر نظامت میں رجسٹر حاضری مدرسین وملازمین پر دستخط کے لئے یہ خادم پہنچا تو اپنے نام کے آگے پورے عشرہ کی غیر حاضری لکھی ہوئی دیکھ کر حیران رہ گیا جبکہ اس خادم کا پورا سفر حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب کی اجازت کے بعد عمل میں آیا تھا اس کے باوجود رجسٹر پر غیر حاضری لگائی گئی اور ان ایام کی تنخواہ بھی وضع ہوئی جو اس خادم کے لئے حیرت کن اور تعجب خیز بات تھی۔

جمعیۃ العلماء کی ماتحتی میں چلنے والے اصلاح معاشرہ کے تحت دوسرا سفر اس خادم کا ۱۶؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ مطابق ۲؍ نومبر ۱۹۹۳ء میں ہوا، یہ سفر بھی مفتی اشفاق احمد صاحب کی رفاقت میں ہوا اور اس کی ابتداء سیوان سے ہوئی، اس کے بعد سمستی پور،

مظفر پور، سیتامڑھی، ڈھاکہ، موتیہاری ہوتے ہوئے بتیا پر پروگرام اختتام پذیر ہوگیا۔

اس کے علاوہ اسلامک فقہ اکیڈمی جس کی بنیاد حضرت قاضی مجاہد الاسلام صاحب نے ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۹۷۹ء میں ڈالی اور جس کی ماتحتی میں اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کا پہلا سمینار ہمدرد کنونشن سینٹر جامعہ ہمدرد دہلی میں ہوا جس میں پورے ہندوستان کے اکابر علماء شریک ہوئے اور یہ خادم بھی اس پروگرام میں شریک رہا جس میں ہندوستان کے علاوہ مختلف ممالک کے اکابر علماء نے شرکت کی اور پوری قوت کے ساتھ اس کی اہمیت اور ضرورت کو سراہا اور حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب کے اس اقدام کو اسلامک فقہ کے لئے تجدیدی کارنامہ کے طور پر سراہا اور تمام شرکاء واکابرین نے پوری فراخدلی کے ساتھ اس کے قیام پر حضرت قاضی صاحب کو خراج تحسین پیش کیا اور دعاؤں سے نوازا، اس کے بعد یہ سمینار سال میں ایک مرتبہ ملک کے مختلف شہروں میں ہوتا رہا، مثلاً حیدرآباد، بنگلور وغیرہ اور ان سمیناروں میں مرسلہ سوالناموں کے جوابات کے ساتھ یہ خادم حاضر ہوتا رہا اور علمی استفادہ اور افادہ بالخصوص جدید مسائل کی بحث وتنقیح کا خوب خوب موقع ملتا رہا۔

حضرت قاضی صاحب نے جس خلوص اور فکر ولگن کے ساتھ قدیم فقہاء کے شورائی نظام کو حوادث اور نوازل کے سلسلہ میں قائم اور زندہ فرمایا اور نوجوان فضلاء کو ایک عظیم کام اور خدمت کے ساتھ نئے مسائل کے حل کے لئے نقوش فراہم کیے اس کی مقبولیت کو دیکھ کر بعض شخصیات اور تنظیموں کی طرف سے اس پر تعصب کی دبیز چادر ڈال کر کام کو دبانے اور روکنے کی بھرپور کوشش کی گئی اور شرکاء سمینار کو دھمکی دے کر

شرکت سے روکا بھی گیا تاہم یہ چیزیں حضرت قاضی صاحب کے علمی قافلے کو نہیں روک سکیں اور پوری قوت کے ساتھ حق اور حقیقت پر مبنی یہ علمی قافلہ رواں دواں رہا، اور آج بھی اسلامک فقہ اکیڈمی کے ذریعہ نئے مسائل کی تفہیم وتشریح، تطبیق وانطباق کا جو عظیم کارنامہ انجام پارہا ہے اس کو عالم اسلام کی شخصیات خراج تحسین پیش کر رہی ہیں، اور ہندوستانی علماء کی اس صدی کی عظیم خدمت قرار دینے پر مجبور ہیں۔

اسی طرح اسلامک فقہ اکیڈمی کے کامیاب پروگراموں کے تنافس میں فقہی اجتماعات بہی شروع ہوئے، اس کے پروگراموں اور اجتماعات میں بہی یہ خادم شرکت کرتا رہا اور پوری لگن اور محنت کے ساتھ ہر فقہی اجتماع میں شرکت ہوتی رہی۔ یہ امر آخر ہے کہ ادارۃ المباحث الفقہیہ کے تحت ہونے والے زیادہ تر پروگرام و فقہی اجتماعات ملک کے مختلف حصوں کے بجائے دیوبند میں ہوتے رہے۔

فقہی اجتماع کے ایک پروگرام میں لائف انشورنش کے جواز پر ایک مطبوعہ تحریر جو جمعیۃ العلماء کے دفتر سے شائع شدہ تھی اور جس پر دارالعلوم دیوبند کے تمام بڑے اساتذہ کے تائیدی دستخط تھے ہاؤس میں تقسیم کیے گئے اور حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری کو اس کی تائیدی تقریر کے لئے بیٹھایا گیا، جنہوں نے حالات کے تناظر میں ہاؤس سے اس کی تائید حاصل کرنی چاہی، لیکن ان کی تقریر کے دوران اس خادم اور مفتی شبیر احمد صاحب شاہی مرادآباد نے اپنے کچھ علمی خدشات پیش کئے جس کی تائید دوسرے شرکاء نے بھی کی، اس کے بعد حضرت مفتی صاحب نے اپنی تقریر موقوف کردی اور مسئلے کو ملتوی کر دیا گیا، بعد کے پروگراموں میں تحریری یاددہانی کے باوجود اس تقسیم شدہ

پرچہ پر نہ علمی گفتگو ہوئی نہ دارالعلوم نے اپنے موقف کا اعلان کیا۔ البتہ اس کے بعد جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ میں ہونے والے سمینار میں جمعیۃ العلماء کی طرف سے مطبوعہ تقسیم کردہ پرچہ کی بنیاد پر جب شرکاء سمینار نے لائف انشورنش کے جواز کا اعلان کیا تو بعض لوگوں نے اس کے خلاف محاذ آرائی شروع کی اور مسئلہ کو موضوع بحث بنا کر امت میں انتشار واختلاف کی شکل پیدا کی جس سے امت انتشار کی شکار ہوئی۔ فالی اللہ المشتکی۔

اس طرح فقہی اجتماع میں ایک مرتبہ تقرر قاضی کے موضوع پر گفتگو ہوئی، کچھ عمائدین واکابرین کی رائے یہ تھی کہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی جو اس وقت امیر الہند بنائے گئے تھے ان کی ماتحتی میں مفتی منظور احمد صاحب کانپوری کو "یصیر القاضی قاضیاً بتراضئ المسلمین" کے تحت پورے ہندوستان کا قاضی بنا دیا جائے۔ چنانچہ جب یہ مسئلہ سوالنامہ کی شکل میں اس خادم کے پاس پہنچا تو علامہ شامی کی تشریحات کی روشنی میں ایک جامع اور مکمل ومدلل مقالہ کے ساتھ دیوبند میں ہونے والے فقہی اجتماع کے پروگرام میں حاضر ہوا اور جب اس موضوع پر مقالہ سنانے کی اس خادم کی باری آئی تو اس مسئلہ کو منہدم کرنے والی حضرت امیر الہند کی وہ تحریر جو حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب جونپوری کے ایک سوال کے جواب میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی نے لکھی تھی جو ماہنامہ ریاض الجنہ کے ایک شمارہ میں شائع ہو چکی تھی، جس میں حضرت امیر الہند نے خود صراحت کی تھی کہ میری امارت کی حیثیت وہی ہے جو تبلیغی جماعت کے امیر کی ہے یا سفر کے امیر کی ہوتی ہے، لہٰذا میری امارت کے تحت تقرر قاضی جیسے دوسرے مسائل طے نہیں کئے جا سکتے۔

حضرت امیر الہند کی یہ تحریر ایسی تھی جس نے تقرر قاضی کے پورے پلان کے انہدام کے لئے بلڈوزر کا کام کیا۔ چنانچہ جب اس خادم نے حضرت امیر الہند کی تحریر کو سنانا شروع کیا تو فوراً وہاں موجود بڑوں کے اشارہ پر حضرت مولانا ریاست علی بجنوری جو پروگرام کے اناؤنسر تھے انہوں نے گھنٹی بجانا شروع کیا تاکہ میں بیٹھ جاؤں اور تحریر نہ سناؤں، لیکن وہ گھنٹی بجاتے رہے اور پروگرام میں موجود اکابرین مجھ کو گھور کر دیکھتے رہے، لیکن اس کے باوجود میں نے امیر الہند کی پوری تحریر سنا ڈالی۔

پروگرام ختم ہونے کے بعد دوپہر میں مہمان خانہ کے میرے کمرے میں خادم سے گفتگو کے لئے مولانا نعمت اللہ صاحب معروفی کو بھیجا گیا، اس وقت میرے کمرے میں مولانا زین العابدین، صاحب معروفی، مفتی شعیب صاحب قاسمی مدرس مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اور مفتی اشفاق احمد صاحب اعظمی موجود تھے۔ حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب "یصیر القاضی قاضیاً بتراضی المسلمین" کو بنیاد بنا کر تقرر قاضی کی بات کرنے لگے اور علامہ شامی کی تشریحات سے یکسر روگردانی کرتے ہوئے تراضی مسلمین سے تقرر قاضی کے جواز پر فقہ کی اس جزئیہ سے استدلال پر مصر ہو گئے۔

اخیر میں گفتگو اتنی دراز ہوئی کہ سب کی موجودگی میں اس خادم نے آستین چڑھائی اور چیلنج کیا کہ اگر کسی کی ہمت ہے تو تقرر قاضی کر کے اعلان کر کے دکھائے میں اس کو بتاتا ہوں، نتیجۃً مولانا نعمت اللہ صاحب بھی سمجھ گئے کہ یہاں بات بننے والی نہیں ہے اور مہمان خانہ کے ناظم کو بلا کر ہوا کا رُخ دیکھتے ہوئے بات بدلتے ہوئے ٹھنڈا گرم منگانے لگے اور مجلس سے اٹھ کر چلے گئے۔

نوبت بایں جارسید کہ ہاؤس میں کسی کی ہمت نہیں ہوئی کہ وہ تقرر قاضی کا اعلان کر سکے اور تقرر قاضی کی دلیل پیش کر سکے اس طرح یہ مسئلہ بھی سرد خانہ میں چلا گیا اور فقہی اجتماع بے سود و بے نتیجہ ختم ہو گیا۔

اس طرح مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں رہتے ہوئے حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوری کے حکم پر کلکتہ، کانپور، بھدوہی کا سفر ہوا جو مدرسہ کے لئے مالی فراہمی کا سفر تھا اور الحمد للہ کانپور میں مفتی منظور احمد صاحب جونپوری قاضی شہر کانپور اور کلکتہ میں جناب الحاج جمیل الدین صاحب اور بھدوہی میں جناب غلام شرف الدین صاحب ایم ایم مجید اینڈ برادرس کے تعاون وخصوصی توجہ سے وقت اور حالات کے اعتبار سے بہت اچھا تعاون ہوا جس کی پذیرائی اور تحسین خود حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب نے بھی فرمائی۔

اسی طرح بانس کوڑا ضلع مدنا پور بنگال، منیر ضلع بلیا، ڈھری اون سون، بہادر گنج ضلع کشن گنج، برہان پور ضلع کھنڈوا، پرتا پگڑھ، مئو آئمہ، پھول پور، الہ آباد وغیرہ متعدد مقامات کے اسفار بھی جلسوں میں شرکت کے تحت ہوئے جس سے مدرسہ ریاض العلوم گورینی کی بھرپور نمائندگی اسی خادم کے توسط سے ہوئی۔

اس کے علاوہ تقریر وخطابت کی نسبت پر جونپور اور اعظم گڑھ کے تقریباً ہر گاؤں میں چند مرتبہ اور نہیں تو کم سے کم ایک مرتبہ ضرور جانا ہوا۔ لیکن دیہاتوں میں تقریر کے لئے سب سے زیادہ مجھورا جانا ہوا جس کی تفصیلات اس سے پہلے یہ خادم لکھ چکا ہے اور قصبات میں سب سے زیادہ آمد و رفت جلال پور ضلع فیض آباد اور سرائے میر ضلع اعظم گڑھ میں رہی اور سرائے میر کی مینارہ مسجد میں ایک لمبے عرصہ تک جمعہ کی امامت وخطابت کی سعادت بھی

حاصل ہوتی رہی جس کا تذکرہ انشاء اللہ آپ آئندہ کے صفحات میں پڑھیں گے۔اور شہروں میں سب سے زیادہ آمدورفت کلکتہ جناب الحاج جمیل الدین صاحب کی محبت میں اور بنارس حاجی یحیٰ صاحب کی الفت میں اور بھدوہی جناب غلام شرف الدین صاحب عرف غلامن کی مؤدت میں کثرت سے آنا جانا رہا اور ان حضرات کی ضیافت اور کرم فرمائیوں سے بھرپور استفادہ کا اس خادم کو موقع ملا، ان احباب کا تذکرہ ان شاءاللہ ''تذکرہ احباب'' کے عنوان کے تحت آپ حضرات پڑھیں گے۔

تذکرۂ احباب

ان احباب کی فہرست بہت لمبی ہے جن کا یہ خادم آج بھی ممنون ومشکور ہے، اس مختصر سی کتاب میں ان سارے احباب کی اور ان کی خصوصیات وتعلقات کی تفصیلات تو نہیں پیش کی جاسکتی ہیں، لیکن چند احباب جن کا تذکرہ بہت ضروری ہے ان کے ذکر پر یہ خادم اکتفا کرتا ہے، اس درخواست کے ساتھ کہ جن احباب کا تذکرہ نہ ہو وہ برا نہ مانیں اور کچھ اور خیال نہ فرمائیں۔

تذکرہ جناب الحاج جمیل الدین صاحب کلکتہ

(۱) آپ جناب نصیر الدین صاحب کے برخوردار تھے جن کے نام سے

ایس، کے نصیر الدین بیڑی بہت مشہور ہے جس کی کھپت بہار، بنگال اور اڑیسہ میں بہت زیادہ ہے اس کاروبار کی ابتدا آپ کے والد محترم نے کی، شروع میں بہت زیادہ مقبولیت اس کمپنی کو حاصل نہیں ہوسکی، لیکن دھیرے دھیرے اللہ نے اس کمپنی کو اتنی مقبولیت دی اور اس بیڑی کا اتنا ڈمانڈ بڑھا کہ بروقت سپلائی اور مال کی فراہمی مشکل ہوگئی، یہ کاروبار آبائی کاروبار ہونے کے ساتھ مین کاروبار اخیر تک رہا، اگر چہ آپ نے بعد میں کاروبار میں تنوع اختیار کرتے ہوئے مرزاپور میں قالین کی فیکٹری ڈالی اور کلکتہ میں صابون بنانے والی اور جوتا چپل بنانے والی فیکٹری بھی قائم کیا، لیکن جتنا سکسز بیڑی کا کاروبار رہا اتنا زیادہ سکسز فل دوسرا کاروبار نہیں رہا۔

آپ کے والد بزرگوار کی ملاقات سفر حج میں حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی سے ہوئی اور اس وقت انہوں نے کلکتہ آنے کی دعوت دی۔ چنانچہ آپ کی دعوت پر پہلی مرتبہ کلکتہ آئے، دھیرے دھیرے تعلقات میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور جناب الحاج جمیل الدین صاحب بھی والد بزرگوار کے نقش قدم پر چلتے ہوئے حضرت مفتی صاحب کے تا حیات کفش بردار اور ارادت وعقیدت مند رہے بلکہ آپ کی اجازت وخلافت سے بھی سرفراز ہوئے، اسی محبت اور لگاؤ کی بنیاد پر حضرت مفتی صاحب بھی آپ کے یہاں کا سال میں کئی سفر فرماتے رہے اور آپ کی آمد کی نسبت سے مختلف علاقوں اور صوبوں کے اکابر واصاغر علماء بھی آپ کے مکان پر پہونچتے رہے اور آپ بہت شوق سے ان کی ضیافت اور خاطر داری کرتے رہے۔

اسی کے ساتھ طبیعت کے اعتبار سے بہت زیادہ سخی بھی تھے، مدارس، مکاتب،

مساجد کے علماء وائمہ کے علاوہ دور وقریب کے ضرورت مندوں کی مستقل بھیڑ آپ کے گھر اور آفس کے دروازہ پر لگی رہتی تھی اور پوری فراخدلی کے ساتھ آپ ہر ایک کی ضرورت کو سنتے اور پوری کرتے تھے، کسی بھی مجبور ومعذور اور حاجت مند کو آپ کے در سے خالی جاتے ہوئے نہیں دیکھا گیا، اس کے علاوہ بہت سے حاجت مند وہ تھے جن کا ماہانہ وسالانہ وظیفہ مقرر تھا جو بہت خاموشی اور پابندی کے ساتھ ان تک پہونچتا رہتا تھا، اس فراخدلی وفراخ دستی کی وجہ سے علماء، عوام وخواص میں ہر دل عزیز اور مقبول تھے، ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں تاجروں میں ان جیسا سخی دیکھنے کو ملتا ہے۔

اس قدر سخاوت کے باوجود حکومت کی طرف سے عائد کردہ غیر واجبی ٹیکس بھی بہت اہتمام سے ادا کیا کرتے تھے، لیکن اس کے باوجود آپ کا کاروبار روز افزوں ترقی کی راہ پر گامزن تھا۔

ساری خوبیوں کے ساتھ صوم وصلوۃ، ذکر واذکار اور معمولات کے بہت پابند تھے اور اہتمام والتزام کے ساتھ اپنے معمولات پورے کرتے رہے۔

یوں تو ہمیشہ آپ کے مکان پر دس بیس علماء کا قیام رہتا تھا اور آپ کی بھرپور ضیافت سے وہ محظوظ ہوتے تھے، لیکن خادم سے ان کا تعلق اور علماء سے مختلف تھا، خادم کو پاکر بے پناہ خوش ہوتے تھے اور جتنے ایام کی نیت کرکے جاتا ہر مرتبہ اس میں اضافہ کردیتے تھے، درجنوں مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ واپسی کا ٹکٹ جو خادم لے کر لیا اس کو واپسی کرواکر فلائٹ کے ذریعہ واپسی کروائی، ایک مرتبہ اصرار کرکے اپنے ساتھ عمرہ میں بھی لے گئے اور اس جداگانہ تعلق کی بنیاد ان کا کثرت سے علمی سوال وجواب تھا جو

اس خادم سے کیا کرتے تھے اور جواب پا کر بے حد مطمئن وخوش ہوتے تھے جس کا تذکرہ یہ خادم اس سے پہلے بھی کر چکا ہے۔

ان تمام تر خوبیوں کے ساتھ مردم شناس، معاملہ فہم اور بہت زیادہ زیرک وہوشیار بھی تھے جس کا اندازہ خود اس خادم کو کئی معاملات میں ہوا جس کی وجہ سے اس خادم نے ان کی رائے کا احترام کرنا شروع کر دیا اور ان کی رائے پر اہتمام سے کئی معاملات میں عمل کیا جس کے مثبت نتائج سامنے آئے جس کی تفصیلات انشاء اللہ آئندہ کے صفحات میں آپ پڑھیں گے۔

موصوف کے لڑکوں میں سب سے بڑا لڑکا جس کا نام مسعود ہے وہ ہر لائن اور ہر اعتبار سے آپ کی ٹو کاپی ہے، اللہ تعالیٰ اس کی نیکی اور صلاح میں برکت عطا فرمائے اور والد بزرگوار کا سچا جانشین بنائے۔

دعاء ہے اللہ تعالیٰ موصوف کی خدمات جلیلہ کو قبول فرمائے اور اس کا بہترین صلہ دارین میں ان کو اور ان کی اولاد کو نصیب فرمائے اور ہم سب کو اپنے اپنے وقت پر ایمان پر خاتمہ نصیب فرمائے اور اپنی رضا اور محبت سے سرفراز فرمائے۔ اور اپنے اولیاء کے ساتھ حشر فرمائے۔ آمین

تذکرہ حاجی منظور احمد صاحب مظفر پوری

(۲) حاجی منظور احمد صاحب اصلاً بلیا کے رہنے والے تھے لیکن مظفر پور میں

کاروباری لائن سے قیام پذیر ہوگئے، مظفر پور ماڑی پور میں آپ کا چمڑے کا کاروبار ہےاور وہیں رہائشی مکان بھی ہے۔

آپ انتہائی نیک، صالح طبیعت، صلحاء شعار، مہمان نواز، علماء کے خدمت گزار، مشائخ کے عقیدت مند، ملنسار، صاف دل، متواضع، متقی و پرہیز گار تھے۔

آپ نے آنے والے علماء اور مشائخ کے لئے چوبیس گھنٹہ پوری ضیافت کے ساتھ اپنا دروازہ کھلا رکھا تھا اور ان کی راحت و آرام کے لئے باضابطہ مہمان خانہ اور اس میں ہر طرح کی راحت کا سامان فراہم کر رکھا تھا، مہمانوں کی ہر طرح کی خدمت سعادت سمجھ کر بہت شوق سے کیا کرتے تھے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب سے بیعت کا تعلق تھا اور پوری زندگی آپ کے عقیدت و ارادت مند رہے اور اس نسبت سے حضرت شیخ کے تمام خلفاء اور متعلقین و متوسلین سے بے پناہ محبت کرتے تھے اور ہر ایک کی خدمت سعادت سمجھ کر بہت شوق سے کرتے تھے اور ہر طرح کی راحت رسانی کا پورا پورا خیال رکھتے تھے۔

مغربی اضلاع سے چمپارن، سیتامڑھی، دربھنگہ، سمستی پور، مظفر پور جانے والے ام المدارس اور دیگر اداروں کے علماء و مشائخ، اساتذہ و مقررین کے لئے آپ کا مکان پہلا اور آخری مستقر و مسکن ہوا کرتا تھا، آنے والے علماء و مشائخ آپ کی ضیافت و خدمت گزاری سے مطمئن وخوش ہوکر جی بھر کر آپ کو دعاؤں سے نوازتے تھےاور ان دعاؤں سے اپنے دامن کو بھر کر حاجی صاحب بے پناہ مسرور ہوتے تھے۔

آپ کی ایک بچی مقبول عالم صاحب سے منسوب ہے جو کلکتہ کے چمڑے کے بڑے تجار میں سے ہیں، عالم ٹینری کے نام سے ان کا فرم کلکتہ میں بہت معروف ومشہور ہے، اس کے ساتھ آپ کی قرابت داری کانپور میں بھی تھی، سبھی اعزاء واقارب آپ کی دینداری، پرہیزگاری اور تقوی وصلاح کی وجہ سے آپ کو محبت کی نظر سے دیکھتے تھے اور دعاؤں کے متمنی رہتے تھے۔

اخیر عمر میں طویل علالت کے بعد تمام تر خوبیوں کے ساتھ اس دار فانی کو الوداع کہہ گئے، اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے، درجات کو بلند فرمائے، علماء نوازی اور خدمت گزاری کے صلہ میں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، حسنات کو قبول فرمائے، سیئات سے درگزر فرمائے، اپنے صلحاء واولیاء کے ساتھ ان کا حشر فرمائے۔ آمین۔

آپ نے نرینہ اولاد میں اپنے پیچھے تین بچوں کو چھوڑا ہے: (۱) حامد (۲) شاہد (۳) ہارون۔ اور یہ تینوں ماشاءاللہ ''**الولد سر لابیه**'' کے تحت اپنے والد بزرگوار کے ہر اعتبار سے سچے جانشین ہیں۔ اور خیر سلف کے خیر خلف کے مصداق ہیں اور والد بزرگوار کی تمام تر روایات کے محافظ وامین ہیں، اور علماء نوازی ومہمان نوازی کا جو سبق والد بزرگوار نے دیا تھا اس کے مکمل یہ سب حافظ ومحافظ ہیں۔

اللہ پاک ان سب کی صحت، ایمان، اعمال میں برکت عطا فرمائے اور ان کے بچوں کو صالح، مطیع، خدمت گزار بنائے اور سب کے روزی وروزگار میں برکت عطا فرمائے۔ آمین۔

تذکرہ حاجی یحیٰ صاحب بنارس

(۳) حاجی یحیٰ صاحب، حاجی صاحب موصوف معروف صنعتی شہر بنارس کے مالتی باغ کے رہنے والے تھے، انتہائی سنجیدہ، صالح، صلحاء شعار، متقی پرہیزگار تھے، آپ کے والد بزرگوار حاجی عبدالقیوم صاحب جن کا شمار شہر بنارس کے دیندار تجار میں ہوا کرتا تھا، آپ ان کے برخوردار تھے، شروع سے ہی صوم وصلاۃ کے پابند اور سختی کے ساتھ شریعت پر عمل پیرا تھے، باجماعت نماز کا ہمیشہ بہت زیادہ اہتمام کرتے تھے۔

بنارس کی معروف تجارت ساڑی کے کاروبار سے وابستہ تھے اور اس کے لئے شروع سے ہی بہت زیادہ محنت ومجاہدہ اور جفاکشی کرتے رہے اور اپنی کاوش، بھاگ دوڑ اور جدوجہد کے ذریعہ این، ایس پی پرنٹس فرم کو پروان چڑھایا اور کافی آگے لے کر گئے۔ جوانی ہی سے علماء ومشائخ اور اکابرین سے تعلق رہا، حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی کا سفر اکثر بنارس ہوتا رہتا تھا اور حضرت کا اکثر قیام آپ ہی کے مکان پر ہوتا تھا۔

اس خادم کی سب سے پہلی ملاقات حضرت مفتی صاحب کی آمد پر ہی ۱۹۸۱ء میں آپ کے مکان پر ہوئی اور اس کے بعد سے مسلسل اس خادم کی آپ کے مکان پر آمد ورفت رہی، کبھی رات میں کبھی دن میں کبھی جونپور سے کبھی مغل سرائے اسٹیشن سے، وقت بے وقت پہنچتا رہا، بے وقت پہنچنے پر بھی پوری خندہ پیشانی اور محبت سے پیش آتے تھے، اس طرح تعلقات میں خلوص کے ساتھ استحکام پیدا ہوتا چلا گیا، اکثر

بنارس سے پٹنہ یا دہلی یا برہانپور یا کہیں اور کا سفر ہوتا تو یہ خادم ان کو اطلاع کر دیتا، وہ ٹکٹ بنا کر تیار رکھتے، پہنچ کر ملاقات کرتا اور ہمیشہ راستہ کے توشہ کے ساتھ ٹکٹ لے کر سفر کے لئے روانہ ہوتا، اگر کسی مجبوری کی وجہ سے رہائش گاہ پر جانے کا موقع نہیں ہوتا تو خود ٹکٹ کے ساتھ زادِ راہ لے کر اسٹیشن پہنچ جایا کرتے تھے، اسی طرح اگر کبھی بنارس اسٹیشن سے ٹرین سے گزر ہوتا اور بنارس اترنے کا موقع نہ ہوتا تو خود حاجی صاحب موصوف راستہ کا توشہ اور پھل وغیرہ لے کر بنارس اسٹیشن پہنچ جایا کرتے تھے، دھیرے دھیرے قربت اتنی بڑھی کہ حاجی صاحب موصوف نے اپنے گھریلو مسائل میں بھی اس خادم سے مشورہ شروع کر دیا اور اس خادم کی رائے کو حتمی شکل دینا شروع کر دیا۔ چنانچہ درجنوں سے زائد گھریلو مسائل ایسے رہے جس کے لئے فیصلہ کن رائے کے لئے اس خادم کے انتظار میں رہے اور پہنچنے کے بعد وہ مسئلہ پیش کر کے رائے جاننا چاہا اور جو رائے اس خادم نے دیا اس پر سختی سے عمل پیرا ہوئے۔

چنانچہ انہیں اہم مسائل میں سے ایک مسئلہ مالتی باغ سے کاروبار اور فرم لے کر اشفاق نگر ہجرت کرنے کا بھی تھا۔

جیسا کہ ماقبل میں یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ فرم کو ترقی دینے میں زیادہ تر قربانی حضر سے لے کر سفر تک حاجی صاحب موصوف کی تھی اور کاروبار کی جگہ مالتی باغ مدن پورہ پانڈے حویلی کا ہی علاقہ تھا اور باہر کے کسٹمر کی آمد و رفت بھی اسی علاقہ میں تھی، اشفاق نگر کا تعلق اس طرح کے کاروبار کا نہیں تھا اور نہ ہی کسٹمر کی وہاں آمد و رفت تھی۔

لیکن بعض خورد برادران نے والد بزرگوار کی ایسی ذہن سازی کی کہ حاجی

صاحب موصوف کو بلا کر والد محترم نے فوری آرڈیننس سنایا کہ مالتی باغ کا مکان تم فوراً خالی کردو اور ایک دو مہینہ کے اندر اپنا کاروبار لے کر فیملی کے ساتھ اشفاق نگر منتقل ہوجاؤ، اشفاق نگر میں جو زمین ہے اس میں تم اپنا مکان بنالو اور جتنی جلدی ہوسکے اس کو خالی کردو۔ حالانکہ مالتی باغ کا مکان بھی حاجی یحیٰ صاحب موصوف ہی کی کاوشوں سے وجود میں آیا تھا اور اس کا کام ابھی مکمل بھی نہیں ہوا تھا، لیکن کاروبار اور رہائش کے لائق کسی طرح اس کو بنا دیا گیا تھا اور باقی کاموں کی تکمیل حسب فرصت وگنجائش کر رہے تھے اور حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی کا قیام بھی اس مکان میں ہوچکا تھا۔

لیکن والد بزرگوار کے بلا وہم وگمان اچانک فیصلہ نے بہت زیادہ پریشانی میں آپ کو ڈال دیا، بالآخر انھوں نے خط لکھ کر اس خادم کو بلایا اور پوری صورت حال سے آنے کے بعد واقف کرایا اور فرمایا کہ مفتی صاحب اس مسئلہ میں، میں کیا کروں، میری سمجھ میں کچھ بھی نہیں آرہا ہے، ایک طرف والد محترم کا فیصلہ، دوسری طرف بچوں کی خوردسالی، اس وقت سب سے بڑے لڑکے عارف بھی ابھی زیر تعلیم تھے، صرف پارٹائم کچھ وقت کاروبار کو دے دیتے تھے، لیکن ان کا پورا وقت تعلیم میں لگتا تھا، حاجی صاحب کی پوری گفتگو سننے کے بعد اس خادم نے بہت سنجیدگی سے اس مسئلہ پر مع مالہ وماعلیہ غور وفکر کرنے کے بعد حاجی صاحب سے اپنا موقف اور اپنی رائے بتلا دیا، حاجی صاحب نے بہت ہی شرح صدر کے ساتھ اس خادم کی رائے کو قبول کیا، لیکن انھوں نے اتنا ضرور کہا کہ آپ اس سلسلے میں عارف سے بھی بات کرلیں، چونکہ وہ مجھ سے بھی زیادہ پریشان ہے، کیونکہ اصل مسئلہ کاروبار کا ہے اور اشفاق نگر کاروبار کی جگہ نہیں

ہے، خادم نے جو بات حاجی صاحب سے کہی تھی جس کا حاصل یہ تھا کہ چونکہ یہ والدمحترم کا فیصلہ ہے اوران کے فیصلہ میں کوئی لچک کی گنجائش نہیں ہے، اس لئے آپ شرح صدر کے ساتھ اس کو قبول کریں اور اشفاق نگر میں مکان کی بنیاد ڈال دیں اور بچوں کو لے کر یہاں سے ہجرت کر جائیں، ان شاء اللہ اسی میں خیر ہے، رہ گیا مسئلہ روزی روٹی اور کاروبار کا تو رزاق اللہ کی ذات ہے، وہ جس طرح مالتی باغ اور مدن پورہ میں رزق رساں ہے اور روزی دینے پر قادر ہے اگر روزی قسمت میں ہوگی تو وہ انشاءاللہ اشفاق نگر میں بھی مل کر رہے گی اور ضرور ملے گی۔

چنانچہ یہی بات حاجی صاحب کے برخوردار عارف سے بھی میں نے کہی، بالآخر وہ بھی مان گئے اور اشفاق نگر میں مکان کی تعمیر کا ارادہ کر کے کام شروع کر دیا۔ چنانچہ چند ہفتوں کے بعد خادم کو گورینی سے بلا کر اس کی بنیاد رکھوائی اور بہت تیزی کے ساتھ چند مہینے میں تعمیری کام مکمل کرالیا، فوقانی منزل پر ایک کمرہ اس خادم کے لئے مختص کر دیا جس کی اطلاع وہاں ایک مرتبہ حاضری کے موقعہ سے اس کو دکھاتے ہوئے حاجی صاحب نے مجھ کو دی اور یہ کہا کہ مفتی صاحب یہ کمرہ آپ کی رہائش کی نیت سے میں نے بنوایا ہے جب کبھی آپ کا بنارس آنا ہوگا تو آپ کا قیام اس کمرہ میں ہوگا، اس کے متصل بیت الخلاء اور غسل خانہ بھی ہے، لہٰذا رفع حاجت کے لئے دور جانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

چنانچہ مکان کی تکمیل کے بعد حاجی صاحب موصوف کاروبار کے ساتھ ہجرت کر گئے اور تھوڑے ہی عرصہ کے بعد کاروبار وہاں جانے کے بعد اتنا بڑھا جس کا

ان حضرات کو وہم وگمان بھی نہیں تھا اور اب تو حال یہ ہے کہ مال کا اتنا ڈمانڈ ہے اور کسٹمر کی ان کے یہاں اتنی آمدورفت ہے کہ مال نہیں دے پاتے ہیں۔

چنانچہ حاجی عبداللہ صاحب جو اشفاق نگر کے پرانے مکینوں میں سے تھے، انھوں نے درجنوں مرتبہ اس خادم سے مزاحاً یہ کہا کہ ارے پتہ نہیں مفتی صاحب نے حاجی یحیٰ صاحب کو کونسی دعاء دے دی ہے کہ جب سے حاجی یحیٰ صاحب اشفاق نگر آئے ہیں، اشفاق نگر بھی منی مدن پورہ بن گیا ہے اور کاروبار کی منڈی بن گئی ہے ورنہ ان کے یہاں آنے سے پہلے گراہک وکسٹمر اشفاق نگر جھانکتا بھی نہیں تھا۔

حاجی صاحب موصوف کا اس خادم کے علم اور خطابت پر بہت زیادہ اعتماد تھا۔ چنانچہ مسائل بھی خواہ کسی لائن کے ہوں اس خادم ہی سے دریافت کیا کرتے تھے اور جب کبھی بنارس جانا ہوتا تھا تو جب تک مالتی باغ میں تھے مالتی باغ کی مسجد میں اور جب اشفاق نگر آ گئے تو اشفاق نگر کی مسجد میں بہت اہتمام سے بیان کرواتے تھے اور بہت یکسوئی اور دلجمعی کے ساتھ خادم کے بیانات کو سنتے تھے۔ بعد میں چل کر اگر چہ حضرت مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی سے قرابت ہوگئی تھی، آپ کا تیسرے نمبر کا بچہ محمد خالد کی نسبت مفتی صاحب کی بچی سے ہوئی، لیکن اس قرابت کے باوجود مسائل ودیگر معاملات میں رجوع اس خادم ہی سے تاحیات کرتے رہے جو مسئلہ ان کو بتلا دیتا یا مسائل میں جو رائے دے دیتا اس پر فوراً سختی کے ساتھ کاربند ہو جایا کرتے تھے۔

بیعت وارادت کا تعلق اگر چہ مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی سے تھا لیکن ہر لائن کے مسائل میں اس خادم ہی سے رجوع کیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ فون کر کے گھریلو ایک اہم مسئلہ میں عزیزم حاجی محمد عارف سلمہ سے بات کے لئے اس خادم کو بنارس بلوایا۔ چنانچہ یہ خادم وہاں پہنچ گیا، عشاء کے بعد ہم دونوں کی نشست ہوئی، ابھی یہ بات طے ہی پا رہی تھی کہ عارف سے کیا بات کرنی ہے، اتنے میں عارف کا بالائی منزل سے حاجی صاحب کے موبائل پر فون آیا کہ ان کے برادر خورد مفتی راشد قاسمی جو مئو کاروبار کے سلسلہ میں اپنی ماروتی وین کے ذریعہ گئے ہوئے تھے راستہ میں ان کا اکسیڈنٹ ہوگیا ہے، یہ اندوہناک خبر سن کر ہم سب اپنی مجلس برخاست کر کے ان کو بنارس لانے کی فکر میں لگ گئے۔ چنانچہ چند گھنٹوں کے بعد وہ سیدھے ہاسپٹل اس حال میں پہنچے کہ پورا جسم ان کا صحیح سالم تھا، صرف گردن میں تھوڑی بھی حرکت ہوتی تھی تو ان کی چیخ نکل جاتی تھی، پوری رات ان کی تیمارداری میں ہاسپٹل میں جگ کر گزرا اور کئی سال تک مسلسل درجنوں جگہ کے علاج کے باوجود وہ اپنے پاؤں پر کھڑے نہیں ہوسکے، جب تک زندہ رہے صاحب فراش بستر پر لیٹے رہے، لمبے عرصہ کے بعد ایک دن وہ آیا کہ اسی درد اور بیماری کے ساتھ ماں باپ کی موجودگی میں اس دار فانی کو خیر باد کہہ گئے۔ اگرچہ والدین اور جملہ برادران بالخصوص ان کی اہلیہ اور ان کے بچوں نے سالہا سال پوری بشاشت کے ساتھ ان کی خدمت کی، حاجی صاحب اخیر تک ان کے لئے بہت فکرمند رہے، لیکن بتقدیر الٰہی وہ صحت یاب نہیں ہوسکے۔

حاجی صاحب کے یہاں ایک معمول یہ بھی تھا کہ فیملی میں سے کوئی نہ کوئی حج کے لئے جایا کرتا تھا، خود حاجی صاحب نے درجنوں حج وعمرہ کیا تھا، کبھی خود مع اہلیہ،

کبھی بچے مع اہلیہ حج وعمرہ کا سفر کرتے تھے اور یہ سلسلہ اخیر عمر تک قائم رہا۔

اسی کے ساتھ باری باری فیملی کے ہر ممبر کو ہر سال چلہ میں بھی بھیجا کرتے تھے اور خود بھی بہت اہتمام کے ساتھ ہر سال تبلیغی چلہ لگاتے تھے، جماعت کے کام سے بہت مانوس تھے، اس کے خلاف کوئی بھی جملہ کسی سے سننا برداشت نہیں تھا، مقامی کام کے علاوہ ماہانہ وسالانہ مقامی و بیرونی ضلعی و عالمی اجتماعات میں پابندی سے شرکت کیا کرتے تھے۔ اور آنے والی جماعتوں کی تعلیم وتربیت، نگہداشت اور ضیافت کا پورا پورا خیال رکھتے تھے۔

عمر طبعی کے ساتھ مفتی راشد قاسمی کی دائمی علالت نے آپ کے دل ودماغ کو بہت زیادہ شکستہ کیا، اس کے بعد آپ کو اس وقت شدید صدمہ پہنچا جب آپ کے برادر خورد جناب الحاج محمد جنید صاحب بلڈ کینسر کے موذی ومہلک بیماری میں مبتلا ہو گئے جن کے علاج ومعالجہ کے لئے خود حاجی صاحب موصوف نے بھی پوری طاقت لگا دی، لیکن بتقدیر الٰہی ساری تدبیریں فیل ہوگئیں اور کچھ ہی عرصہ کے بعد حاجی جنید صاحب نے اس دار فانی کو الوداع کہہ دیا۔

اس کے بعد شدید صدمہ اس وقت آپ کو پہنچا جب آپ کے سب سے چھوٹے بھائی جناب الحاج سہیل احمد صاحب کی رحلت کی اطلاع آپ کو ملی، حالانکہ کمزوری کے باوجود چل پھر رہے تھے، ہوش وحواس بھی بالکل ٹھیک تھے، چند نمازوں کے لئے مسجد بھی آجا رہے تھے، انھیں ایام میں اس صدمہ سے ایک عشرہ قبل نومبر کے مہینہ میں یہ خادم شوگر کی کمی کی وجہ سے کوما میں چلا گیا، جب علاج کے لئے بنارس کے

شوبھم ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہوا اور دس روز تک زیر علاج رہا، اسی دوران خادم کا پتھری کا آپریشن بھی ہوا اور حاجی صاحب موصوف دیرینہ تعلقات اور محبت کی بنیاد پر باوجود نقاہت و کمزوری وضعف کے روزانہ شام کا کھانا لے کر اپنے بچوں میں سے کسی ایک بچے کے ساتھ شوبھم ہاسپٹل آتے رہے اور ایک دو گھنٹہ روزانہ بیٹھتے رہے، اس طرح روزانہ ملاقات ہوتی رہی، لیکن یہ کیا پتہ تھا کہ یہ زندگی کی آخری ملاقات ہوگی، اسی دوران خادم کی علالت کے آخری ایام میں آپ کے برادر خورد جناب الحاج سہیل احمد صاحب کی انتقال کا حادثہ پیش آ گیا۔

اس حادثہ کی خبر پا کر حاجی صاحب موصوف بچے کے ساتھ اسکوٹر کے ذریعہ ان کے مکان پر گئے اور مکان کے باہر اسکوٹر سے اتر کر اچانک زمین پر گر گئے، سر میں چوٹ آئی اور کچھ خون نکلا، کچھ دیر تک نیم بے ہوشی کے عالم میں رہے، اس کے بعد برادران و پسران کے مشورہ سے دماغ کے ہاسپٹل میں داخل کرایا گیا، دماغ کے آپریشن کے باوجود چند روز کے بعد ۱۶/نومبر ۲۰۱۷ء جمعرات کے دن صبح سوا دس بجے ہمیشہ کے لئے آپ نے اس دار فانی کو الوداع کہہ دیا، اللہ پاک آپ کی مغفرت فرمائے، درجات کو بلند فرمائے، آپ کی خوبیوں اور حسنات کو قبول فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور اپنے اولیاء اور صلحاء کے ساتھ قیامت میں حشر فرمائے۔ آمین۔

آپ کے نرینہ اولاد میں سب سے بڑے برخوردار عزیزم الحاج محمد عارف سلمہ ہیں جو ماشاء اللہ والد بزرگوار کی تمام تر روایات کے حامل ہیں اور تمام بھائی کو بہت محبت کے ساتھ جوڑ کر لے کر چل رہے ہیں، سب سے چھوٹے بھائی محمد غالب

ہیں اور بیچ کے دو برادران محمد خالد، محمد آصف ہیں، دعاء ہے اللہ پاک ان سب عزیزوں کوصحت و عافیت کے ساتھ ایمان وعمل صالح پر زندہ وقائم رکھے اور روزی وروزگار میں برکت عطافرمائے۔

جناب غلام شرف الدین صاحب (غلامن) بھدوہی

(۴) جناب غلام صاحب اصلاً بہار شریف کے رہنے والے تھے لیکن ایک طویل زمانہ سے بھدوہی میں مقیم ہیں آپ کے والد محترم جناب عبد الوحید صاحب جوحضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوری کے خلیفہ ومجاز بھی ہیں، وہ کاروباری لائن سے بھدوہی میں آکر مقیم ہوگئے تھے قالین کا بہت اچھا ایک لمبے عرصے تک کاروبار چلتا رہا، ایم ایم مجید اینڈ برادرس کے نام سے آپ کا ایک فرم بھی ہے جو اس نام سے چل رہا ہے۔

جناب الحاج عبد الوحید صاحب کا بہت اچھا تعلق حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب جونپوری سے تھا اور حضرت مولانا کی نسبت سے آپ کے ادارہ سے بھی محبت رکھتے تھے پوری فراخدلی کے ساتھ مدرسہ کا تعاون بھی کرتے تھے، حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوری بھی گاہ بگاہ بھدوہی آپ کے یہاں تشریف لے جایا کرتے تھے۔

حاجی صاحب موصوف کے تعلق کی وجہ سے حاجی صاحب کے برخورداروں کا بھی مدرسہ ریاض العلوم سے اچھا تعلق تھا، لیکن زیادہ تر آمد ورفت مدرسہ میں غلامن صاحب کی رہا کرتی تھی، آتے جاتے دھیرے دھیرے اس خادم سے بھی ان کا تعلق

بڑھتا گیا اور ان کی طلب وخواہش پر خادم کی بھی بھدوہی ان کے یہاں آمد ورفت شروع ہوگئی، سہارنپور، دہلی اور پٹنہ وکلکتہ وغیرہ کے سفر سے بھدوہی اترنا اوران کے یہاں قیام کرنے کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا۔

غلامن صاحب طبیعت کے اعتبار سے بہت شریف، نیک، ملنسار، متواضع اور علم دوست تھے، علم اور علماء کا دل سے وہ احترام کرتے تھے، مدرسہ ریاض العلوم میں موجود اساتذہ وملازمین میں حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب کے بعد سب سے زیادہ اس خادم سے مانوس وقریب تھے، اس خادم کے علم کے ساتھ خطابت کے بہت عاشق تھے۔ چنانچہ پچاس کلومیٹر کے اندر کہیں بیان ہوتا تو پان لے کر ضرور بیان سننے آیا کرتے تھے جس کا تفصیلی تذکرہ ''حیات حبیب الامت'' کی پہلی جلد میں مذکور ہے۔

آپ سے دھیرے دھیرے قربت میں اضافہ ہوتا چلا گیا جس کی وجہ سے مدرسہ ریاض العلوم گورینی کے بہت سے لوگوں کی نظر میں یہ خادم محسود بن گیا، حالانکہ اس تعلق کا فائدہ مدرسہ ہی کو پہنچا اور خادم کو بھدوہی بلا کر پورے حوصلہ کے ساتھ تین لاکھ روپئے کا مدرسہ ریاض العلوم گورینی کے لئے چندہ کروایا جس کی تفصیل ''حیات حبیب الامت'' کی جلد اول میں یہ خادم لکھ چکا ہے، بہت سے لوگوں نے اس تعلق کو خراب کرنا چاہا، لیکن وہ لوگ اپنی ناپاک کوشش میں کامیاب نہیں ہوسکے اور الحمدللہ آج بھی ان سے وہی مخلصانہ ومحبانہ تعلق قائم وبرقرار ہے۔

جناب غلامن صاحب چار بھائی تھے سب سے بڑے رشید احمد تھے جو پورے طور پر کاروباری ذمہ داریوں میں ہمہ وقت مصروف رہا کرتے تھے، اور آپ سے چھوٹے

دو بھائی تھے، آپ کے بعد کے بھائی کا نام اعجاز احمد تھا، ان کا بھی زیادہ تر وقت کاروبار میں لگتا تھا اور سب سے چھوٹے بھائی ریاض احمد تھے جن کو بابو بھائی کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا، وہ بھی اگرچہ کاروبار سے وابستہ تھے لیکن اس کے ساتھ بزرگوں کے یہاں آمد ورفت تھی، مدرسہ ریاض العلوم گورینی بھی گاہ بگاہ آتے رہتے تھے، اس کے ساتھ علم دوست اور علم نواز بھی تھے، علماء اور طلباء سے بھی محبت رکھتے تھے، اس اعتبار سے غلامن صاحب کے بعد دوسرے نمبر پر ان کے صفات کے حامل ریاض احمد صاحب ہی تھے۔

دعاء ہے اللہ تعالیٰ ان سب کو ایمان وعمل صالح پر زندہ قائم رکھے اور روزی وروزگار میں برکت عطا فرمائے۔

حاجی محمد تعریف صاحب جلالپور و دیگر احباب

(۵) حاجی محمد تعریف صاحب قصبہ جلال پور محلّہ نیم تل ضلع فیض آباد کے رہنے والے تھے، یوں تو قصبہ جلال پور میں حاجی محمد تعریف صاحب کے علاوہ اور دیگر بہت سے احباب تھے، مثلاً حاجی منظور احمد صاحب محلّہ پچھّم طرف حاجی محی الدین صاحب، حاجی سراج احمد صاحب، حاجی محمد حسن صاحب محلّہ جعفرآباد، ان حضرات میں سے حاجی منظور احمد صاحب کا اس خادم کے ساتھ تبلیغی چلہ بھی لگا تھا، بہت کم گو، بہت شریف، انتہائی سادہ مزاج بزرگ صفت تنہائی پسند مزاج کے حامل تھے، صوم وصلوۃ کے بیحد پابند تھے، علماء اور بزرگوں سے بہت اچھا تعلق رکھتے تھے، خواہ مخواہ کی مجلسوں سے

ملنے جلنے سے گریز کرتے تھے اپنے کام میں منہمک رہتے تھے، قصبہ جلال پور سے جو وفد مدرسہ ریاض العلوم گورینی آیا کرتا تھا اس قافلہ میں اکثر شریک رہا کرتے تھے۔

حاجی محی الدین صاحب جماعت سے جڑے ہوئے تھے، علماء صلحاء سے اچھی عقیدت رکھتے تھے، ڈاکٹر غلام کریم صاحب جو خلیل آباد کے رہنے والے تھے اور جماعت کے اہم ذمہ داروں میں سے تھے ان سے کافی مانوس اور قریب تھے، قصبہ جلال پور کے اونچے بڑے تجار میں آپ کا شمار ہوتا تھا، مدرسہ ریاض العلوم گورینی اکثر آتے جاتے رہتے تھے اور حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوری سے عقیدت ومحبت رکھتے تھے۔

حاجی سراج احمد صاحب کپڑے کے تاجر تھے، قصبہ جلال پور کے صلحاء میں ان کا شمار ہوتا تھا، جماعت سے بہت گہرا تعلق تھا، قصبہ جلال پور میں تبلیغی کام کے اہم ذمہ داروں میں سے تھے، علماء اور صلحاء سے بھی محبت رکھتے تھے، مدرسہ ریاض العلوم گورینی کے وفد میں شریک ہوکر آنا جانا بھی رکھتے تھے۔

حاجی محمد حسن صاحب اور ان کے چھوٹے بھائی حاجی نورالحسن صاحب قصبہ جلال پور کے محلّہ جعفرآباد جو پورا محلّہ شیعوں کا ہے، اس محلّہ کے تنہا تبلیغ اور دیوبندیت کے چشم وچراغ تھے، جماعت سے بہت گہرا لگاؤ تھا، اسی کے ساتھ مدارس مکاتب علماء اور صلحاء سے بھی محبت وعقیدت رکھتے تھے، مکاتب کے قیام کے سلسلہ میں بہت فکر مند رہتے تھے اور درجنوں مقامات پر بہت کدوکاوش کے بعد مکاتب قائم کرکے پوری زندگی چلاتے رہے، مدرسہ ریاض العلوم گورینی اکثر ان کا آنا جانا رہتا تھا، اور مدرسہ کے اساتذہ اور ملازمین میں حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب کے بعد اس خادم سے خصوصی انس رکھتے

تھے، تبلیغی اجتماعات میں بہت اہتمام کے ساتھ شرکت کیا کرتے تھے۔

لیکن مذکورہ بالا سارے احباب میں حاجی محمد تعریف کچھ دیگر خصوصیات کے حامل تھے، مدرسہ ریاض العلوم گورینی اکثر آمد ورفت آپ کی رہا کرتی تھی، وہاں کے لوگوں میں حضرت مولانا کے بعد اس خادم سے کچھ زیادہ ہی گہرا تعلق تھا، جلال پور جب بھی اس خادم کا آنا جانا ہوتا تو اکثر ان کے گھر پر قیام رہتا تھا اور بہت اہتمام سے پرتکلف ضیافت کیا کرتے تھے، اسی خصوصی تعلق کی بنا پر ان کی ایک بچی کا رشتہ اس خادم نے اپنے ایک شاگرد مفتی رشید احمد صاحب معروفی جو قصبہ پورہ معروف ضلع مئو کے رہنے والے تھے ان سے طے کیا اور خادم ہی نے ان کا نکاح پڑھایا۔

ایک مرتبہ جلالپور کی حاضری ہوئی اور انہیں کے مکان پر قیام تھا، اتفاق سے کاروبار کا تذکرہ نکل آیا، انھوں نے کاروباری کچھ دقتوں و پریشانیوں کا تذکرہ کیا، خادم نے اس کے جواب میں حساب وکتاب کا رجسٹر منگا کر اس پر کچھ دعائیں لکھ کر ان کے سپرد کردیا، اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ اس کی برکت سے دقتوں میں بالتدریج تخفیف ہونے لگی اور کاروبار میں برکت شروع ہوگئی، اس کے بعد انھوں نے معمول بنالیا کہ جب سال ختم ہوکر نیا کاروباری سال شروع ہوتا تو حساب وکتاب کے سارے رجسٹر سامنے لاکر رکھ دیتے اور دعائیہ کلمات لکھنے کی درخواست کرتے۔ چنانچہ ان دعائیہ کلمات سے ان کی عقیدت اتنی بڑھ گئی کہ جب تک وہ زندہ رہے ہر سال پابندی کے ساتھ ان دعاؤں کے لکھنے کا اہتمام کرتے رہے۔

ایک سال کی بات ہے کہ سال کے شروع میں اس خادم کا سفر جلال پور کا نہیں ہوسکا تو رجسٹر لے کر خط کے ساتھ انھوں نے اپنے بھتیجے کو مدرسہ ریاض العلوم

گوریني بھیجا اوران سارے رجسٹروں پر دعاؤں کے لکھنے کی درخواست کی، چنانچہ حاجی صاحب کی خواہش اور طلب کے مطابق تمام رجسٹروں پر دعائیں لکھ کران کے بھتیجے کے ذریعہ واپس بھیج دیا۔

حاجی صاحب موصوف بہت سادہ مزاج، صلحا شعار، ملنسار، خدمت گزار، علماء نواز تھے، ہر طرح کی غلط مجلسوں اور تنقید وتبصرے سے گریز کرتے تھے، صوم وصلوۃ کے بیحد پابند تھے، تقوی کے ساتھ ذرائع معاش میں لگے رہتے تھے۔

۲۷؍رجب ۱۴۱۱ھ ۱۳؍فروری ۱۹۹۱ء اکبر پور کے پاس علن پور کے اجتماع میں جلال پور کے پورے وفد کے ساتھ ایک جیپ کے ذریعہ تشریف لے گئے، اجتماع ختم ہونے کے بعد دیر رات اجتماع گاہ سے واپس آرہے تھے، کہرے کی وجہ سے اکبر پور میں جیپ ایک لوہے کے کھمبے سے ٹکرا گئی جس میں ان کے دوسرے رفقاء سفر کو بھی چوٹ آئی، لیکن آپ کا اسی حادثہ میں اسی وقت انتقال ہو گیا اور ہمیشہ کے لیے آپ اس دنیا کو خیر باد کہہ گئے۔

اللہ پاک مرحوم کی مغفرت فرمائے، درجات کو بلند فرمائے، حسنات کو قبول فرمائے، سیئات سے درگزر فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

تذکرہ زکریا بھائی (منن) جمد ہاں ضلع جونپور

(٦) جمد ہاں کھیتا سرائے کے پورب ضلع جونپور کی ایک مردم خیز بستی ہے

جہاں کی اکثریت آبادی مسلمانوں کی ہے، وہاں کے رہنے والے اکثر شرفاء ہیں، مدرسہ ریاض العلوم گورینی رہتے ہوئے اکثر اس خادم کا جانا جمد ہاں ہوتا تھا اور وہاں بیانات بھی بہت ہوئے، وہاں کے کئی لوگ تبلیغی جماعت سے وابستہ تھے جو مدرسہ ریاض العلوم گورینی بدھ کی شب گزاری میں بھی آیا کرتے تھے، وہاں کے لوگوں میں ایک نام زکریا بھائی عرف منن کا بھی ہے، موصوف صوم وصلوۃ کے بہت پابند تھے، علماء وصلحاء سے بہت محبت وعقیدت رکھتے تھے، بالخصوص خادم سے بہت انس اور قربت کا تعلق تھا، موصوف کافی عرصہ تک ملیشیا میں بھی رہ چکے تھے، لیکن اہلیہ کے انتقال کے بعد ملیشیا کا قیام ترک کرکے مستقل گھر پر رہنے لگے، صحت وقوت کے باوجود خوردسال بچوں کی تعلیم وتربیت اور پرورش کی نذر اپنی باقی پوری زندگی کردی۔

منن بھائی حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب کے بھی رشتہ دار تھے، چونکہ آپ کی ایک بچی کی نسبت حضرت مولانا کے نواسہ حافظ ابوبکر ابن حافظ عمر صاحب سے ہوئی تھی۔

لیکن ان کو جو انس اور محبت اس خادم سے تھی وہ اپنے رشتہ داروں سے نہیں تھی، اسی لیے اگر کبھی مدرسہ ریاض العلوم گورینی آتے تو صرف مجھ سے ملاقات کرکے چلے جایا کرتے تھے اور جب تک میرے بچے مدرسہ ریاض العلوم گورینی کے کرایہ کے مکان میں مقیم رہے، ہمیشہ بہت ہی اہتمام کے ساتھ اپنے کھیت کا پیدا شدہ گیہوں اپنی چکی سے پسا کر ہر ہفتہ پندرہ دن میں میرے یہاں بھجواتے رہے جس کی وجہ سے آٹا خریدنے کی کبھی نوبت نہیں آئی اور اپنے کھیت کا پیدا شدہ سرسوں کا خالص تیل اپنی مشین سے نکلوا کر خادم کے مکان پر بھیجتے رہے، اسی طرح جب تک یہ خادم مدرسہ

ریاض العلوم گورینی رہا پابندی کے ساتھ ہر رمضان میں اپنی بھینس کا خالص دودھ روزانہ افطاری سے پہلے اپنے بچے کے ذریعہ موٹر سائیکل سے پہنچاتے رہے جس کا علم وہاں رہنے والے ان کے دیگر اعزاء کو تھا جس کی وجہ سے ان کے طعنے بھی اس خادم کو سننے پڑے، لیکن میں ہر کہنے والے کو اس کے جواب میں یہی کہتا تھا کہ وہ از خود بغیر میرے کہے بھیجواتے ہیں، تم ان سے جا کر کہہ دو نہ بھیجوایا کریں، میں نے تو کئی مرتبہ منع کیا، لیکن وہ مانتے نہیں، خود منن بھائی کو بھی اس کا احساس تھا جس کا صراحتاً انھوں نے کئی مرتبہ تذکرہ بھی کیا اور جس کا جواب بھی انھوں نے از خود دیا کہ چیز میری ہے میں جس کو چاہوں دوں، دل میرا ہے جس سے چاہے جڑ جائے اس میں کسی کو کچھ کہنے کا کیا حق ہوتا ہے لوگوں کے تحاسد و تباغض کو سمجھتے ہوئے بھی وہ مسلسل خدمت کرتے رہے اور تعلقات میں کوئی فرق نہیں آنے دیا۔

اس کے علاوہ بھی کئی اہم واقعات پیش آئے جس کا تذکرہ انشاء اللہ آئندہ کے صفحات میں کسی دوسرے عنوان کے تحت یہ خادم کرے گا۔

تمام تر خوبیوں تعلقات اور محبتوں کے ساتھ چند سال قبل وہ انتقال کر گئے، اللہ پاک مرحوم کی مغفرت فرمائے، درجات کو بلند فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے، ان کی محبت وعنایت کا بہترین اجر وصلہ جنت کی شکل میں اللہ تعالیٰ ان کو نصیب فرمائے۔

جمد ہاں ہی کے رہنے والے ہمارے ایک قریبی دوست جناب بدرالدین صاحب بھی تھے جو ایک طویل عرصہ تک بھٹہ کے کاروبار سے منسلک تھے، وہ بھی اس

خادم سے خصوصی تعلق رکھتے تھے اور اس تعلق کی ابتداء ان کے بھٹہ میں پیش آنے والی ایک اہم دقت سے ہوئی جس کا تذکرہ یہ خادم ''حیات حبیب الامت'' کی جلد اول میں کر چکا ہے، وہاں اس کی تفصیل دیکھی جا سکتی ہے۔ بھٹہ کی پیش آمدہ ناگہانی دقت کے ازالہ کے بعد ان کا یہ معمول بن گیا تھا کہ پابندی کے ساتھ اس خادم سے وقت اور تاریخ متعین کرواتے اور خادم ہی کے ذریعہ بھٹہ میں آگ لگواتے جب تک یہ خادم مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں رہا ان کا یہ سلسلہ چلتا رہا۔

بدرالدین بھائی مزاج کے اعتبار سے بہت نیک و صالح اور کم گو اور کم سخن علماء نواز مدارس اور طلباء سے محبت کرنے والے بزرگوں سے عقیدت و محبت رکھنے والے تھے، مجلس آرائی تنقید و تبصرے سے بہت دور رہتے تھے، طبعی اعتبار سے ملنسار اور متواضع انسان تھے، کسی کی غیبت اور کسی کے پیچھے نہیں پڑتے تھے، اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کا بہترین صلہ ان کو عطا فرمائے اور اجر جزیل سے نوازے۔

تذکرہ حافظ عبدالرزاق صاحب مجھورا ضلع جونپور

(۷) جناب حافظ عبدالرزاق صاحب جو مجھورا نامی گاؤں کے رہنے والے تھے جو مدرسہ ریاض العلوم گورینی کے چند کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔

حافظ صاحب موصوف حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب کی مجلس میں ہر جمعرات کو پابندی سے آیا کرتے تھے، طبیعت کے اعتبار سے انتہائی متواضع، ملنسار، ہر

دلعزیز، صلحاء پسند، صلحاء شعار، علماء نواز اور بزرگوں کے قدرداں تھے، صوم وصلوۃ کے بہت پابند تھے، ظاہر کے ساتھ اندر سے بھی بہت دیندار تھے، مدرسہ ریاض العلوم گورینی کے صدر مدرس حضرت مولانا محمد حنیف صاحب جونپوری کی بچی سے آپ کا سہیل نامی بچہ منسوب تھا، اس نسبت سے حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب سے بھی قرابت کا رشتہ تھا۔

اس خادم کے علم اور خطابت سے بہت متاثر تھے، مہینہ دو مہینہ میں اکثر اپنے یہاں تقریر کے لئے مدعو کیا کرتے تھے اور جب بھی تقریر کی دعوت دیتے یہ خادم اجازت کے لئے حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب کے پاس بھیج دیا کرتا تھا، ایک مرتبہ حضرت مولانا کی ڈانٹ بھی ان کو سنی پڑی جس کا تذکرہ اس سے پہلے یہ خادم کر چکا ہے۔

اور خطابت کے لئے جب دعوت دیتے تو ان کی خواہش ہوتی کہ میرے ساتھ چند دیگر اساتذہ کی بھی شرکت ہوا کرے، اس خادم کا بیان بہت شوق سے سنا کرتے تھے اور بیان کردہ باتوں کو محفوظ رکھتے تھے اور اس پر عمل کرتے تھے اور جب بھی تقریر کے لئے جانا ہوتا تو بہت پُر تکلف دعوت کا اہتمام کرتے اور بہت فراخدلی اور خوشی کے ساتھ دعوت کے نظم وانتظام پر خرچ کرتے تھے۔

حافظ صاحب موصوف کے برخوردار جناب مولانا سہیل احمد صاحب اس خادم کے شاگرد بھی رہے، شرح تہذیب، مختصر المعانی، نورالانوار، سلم العلوم، جلالین شریف، مشکوۃ شریف، ترمذی شریف، ابن ماجہ وغیرہ جیسی اہم کتابیں انھوں نے اس خادم سے پڑھیں اور پڑھنے کے زمانے میں اس خادم سے بہت مانوس اور قریب

رہے، فراغت کے کچھ دنوں کے بعد سنگاپور چلے گئے اور کافی عرصہ تک وہاں مقیم رہے، والد محترم کے انتقال کے بعد گھر کی دیکھ ریکھ کی وجہ سے مجبوراً پردیس چھوڑ کر گھر آنا پڑا اور اب مستقل گھر ہی پر مقیم ہیں۔

حافظ صاحب موصوف اللہ کی طرف سے مقررہ وقت پر اس دار فانی کو الوداع کہہ گئے اور ہمیشہ کے لئے جوار رحمت میں پہنچ گئے، اللہ پاک مرحوم کی مغفرت فرمائے، درجات کو بلند فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے اور ان کی خدمات کا بہترین صلہ اور اجر اللہ پاک ان کو نصیب فرمائے۔ آمین

۱۹۸۸ء میں خادم کا پہلا سفر حج

فراغت کے بعد جب یہ خادم مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں تدریسی خدمت انجام دینے لگا تو کئی سال گزرنے کے بعد ۱۹۸۶ء سے اس خادم کے دل ودماغ میں یہ بات پیدا ہونے لگی کہ والدین نے اتنی محنت اور عرق ریزی سے ہم تین بھائیوں کو پڑھایا، لکھایا، حافظ، قاری، عالم، مفتی اور سند یافتہ ومستند بنایا اس کے عوض میں ہمیں بھی والدین کو کسی سند سے سرفراز کرنا چاہئے، والدین کی عمر ایسی نہیں ہے کہ ان کو کوئی اور سند دی جاسکے، البتہ اس عمر میں ہم تینوں مل کر ان کو حاجی اور حجن ضرور بنا سکتے ہیں۔ چنانچہ خادم کے اس خیال میں بالتدریج پختگی پیدا ہوتی رہی۔

تا آنکہ ۱۹۸۷ء میں خادم نے اس کا تذکرہ برادر اکبر سے کیا، ایک مرتبہ گھر جانا

ہوا، عشاء کی نماز کے بعد مسجد احباب جامع مسجد جھٹکاہی کے صحن میں برادر اکبر لیٹے ہوئے تھے، میں نے ان کے پاس پہنچ کر اپنی خواہش کا اظہار کیا، انھوں نے بہت سنجیدگی سے میری بات سنی، میں نے ان سے عرض کیا کہ اگر میں اس لائق ہوتا اور میری کمائی اتنی ہوتی کہ والدین کی خدمت میں اکیلے کر سکتا تو اس سے میں کبھی دریغ نہیں کرتا۔

برادر اکبر نے میری پوری بات سننے کے بعد پوچھا کہ یہ کیسے ہوگا؟ میں نے اس کے جواب میں ان سے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ والدین کے سفر حج پر ہندوستان میں جتنے اخراجات ہوں، ویزا ٹکٹ وغیرہ کے اس کو ہم اور آپ آدھا آدھا برداشت کریں اور حرمین شریفین پہونچنے کے بعد وہاں کے قیام وطعام کے جو اخراجات ہوں اس کو برادر اوسط برداشت کریں، چونکہ کئی سال سے وہ وہیں مقیم ہیں اور کاروبار سے جڑے ہوئے ہیں اور ماں باپ کا حق ان کے اوپر بھی ہوتا ہے اور وہ اخراجات کو برداشت بھی کر سکتے ہیں، لہٰذا وہاں کے اخراجات ان کو برداشت کرنا چاہئے۔

اسی کے ساتھ خادم نے برادر اکبر سے یہ تجویز بھی رکھی چونکہ والدین ضعیف اور کمزور ہیں اس لئے یہاں سے ان کی خدمت کے لئے ان کے ساتھ ایک بھائی کا جانا ضروری ہے، اس سلسلے میں میری رائے یہ ہے کہ چونکہ آپ سب سے بڑے ہیں اس لئے یہ حق آپ کا بنتا ہے، لہٰذا آپ کو والدین کے ساتھ سفر حج کی رفاقت اور خدمت کے لئے تیار ہو جانا چاہئے۔

خادم کی اس پیشکش کے جواب میں برادر اکبر نے یہ کہا کہ بات تو تمہاری درست ہے لیکن جب والدین گھر پر نہیں ہوں گے اور کئی ماہ کی غیر حاضری ہوگی تو گھر

کی دیکھ ریکھ کے لئے کسی بڑے کا گھر پر ہونا ضروری ہے، اس لئے مجھ کو گھر کی نگرانی اور دیکھ بھال کے لئے چھوڑ دو اور والدین کے سفر حج اور رفاقت کے لئے تم تیار ہو جاؤ، برادر اکبر کی یہ بات چونکہ معقول تھی اس لئے اس خادم نے اس کو منظور کر لیا اور والدین کی خدمت اور رفاقت کے لئے میں تیار ہو گیا۔

اس کے بعد برادر اکبر نے ایک سوال مجھ سے یہ کیا کہ تین آدمیوں کے ٹکٹ اور ویزا وغیرہ کے ہندوستان کے اخراجات بھی کم نہیں ہوں گے، اس پر اچھی خاصی رقم خرچ ہوگی، اس کا انتظام کیسے ہوگا، خادم نے اس کے جواب میں عرض کیا کہ اتنی رقم تو ایک مشت میرے پاس بھی نہیں ہے، اس کی شکل یہ ہوسکتی ہے کہ آپ کہیں سے قرض کا انتظام کر کے مجھ کو دے دیں اور حج کی واپسی کے بعد مجموعی رقم کا آدھا حصہ بالاقساط میں آپ کو ادا کر دوں گا، خادم کی اس تجویز کو برادر اکبر نے منظور کیا اور اس طرح گویا کہ ہم دونوں یعنی اکبر واصغر کے درمیان والدین کا حج کے لئے جانا طے پا گیا۔

لیکن برادر اکبر نے یہ کہا کہ چونکہ حرمین پہنچنے کے بعد قیام وطعام کے اخراجات تمہارے ذہن کے مطابق برادر اوسط کو اٹھانا ہے اس لئے اپنی رائے اور خواہش کے اظہار کے ساتھ اس سے بات کرلو، دیکھو وہ کیا کہتا ہے، چونکہ وہ زمانہ ٹیلی فون کے کم استعمال کا تھا، ذرائع ابلاغ میں ترجیحی طور پر خط وکتابت اور مراسلت ہی کا عمل دخل تھا، اس لئے اس خادم نے اس مشورے کی اطلاع برادر اوسط کو خط کے ذریعہ کی۔

میرے خط کے پہنچنے کے بعد ان کا تفصیلی جواب آیا جس میں انہوں نے یہ لکھا کہ مکان کی خستہ حالی یہ بتا رہی ہے کہ اس سال کے موسم برسات میں پانی کا لوڈ

مکان برداشت نہیں کر پائے گا جس کا تقاضہ یہ ہے کہ برسات سے پہلے سر چھپانے کے لئے مکان کی تعمیر ضروری ہے، اوراسی کے ساتھ تم نے لمبا چوڑا پلان والدین کے حج کا بنالیا جس پر ایک لمبی رقم خرچ ہوگی، آخر یہ دونوں کام کیسے ہو سکتے ہیں؟

اس کے جواب میں خادم نے یہ لکھا کہ مکان کی تعمیر ہم برادران کی ضرورت ہے، والدین کی نہیں، کیونکہ والدین اپنی زندگی چھپر میں گزار چکے ہیں اور جو کچھ باقی ہے اس میں گزار لیں گے، لیکن والدین کو حج کرانے کی ضرورت والدین کی ہے، برادران کی نہیں اوراس کے لئے عمر طبعی کے اعتبار سے ان کے پاس وقت تھوڑا ہے، بہت زیادہ نہیں، اس لئے میرے نزدیک مکان کی تعمیر پر والدین کا حج مقدم ہے اور اس فریضہ کی ادائیگی کو ترجیح دینی چاہئے۔

بہر حال کئی مہینہ کی مسلسل مراسلت کے بعد ۱۹۸۷ء کے اخیر میں یہ طے پا گیا کہ ٹھیک ہے جب تمہاری رائے یہی ہے تو ہندوستان کے ضروری کاغذات کی تیاری شروع کر دو، یہاں کے قیام وطعام اور دیگر اخراجات کی ذمہ داری میں اٹھانے کو تیار ہوں۔

لیکن میری رائے یہ ہے کہ حج کمیٹی سے سفر کرنے کے بجائے تینوں آدمی اپنا انٹرنیشنل پاسپورٹ بنوالواور بننے کے بعد دلی سعودی امبیسی سے حج کا ویزالگوالواوراس کے بعد یہاں آجاؤ، جدہ سے لے کر جدہ تک والدین کی خدمت گزاری میں انشاءاللہ کروں گا۔

چنانچہ برادر اوسط کی ہدایت کے مطابق ۲۵ رجنوری ۱۹۸۸ء کو مدرسہ ریاض العلوم گورینی سے پٹنہ پہنچا اور وہاں سبزی باغ میں موجود چمپارن کے شاہ جہاں

صاحب سے ملاقات کر کے اشوک نامی ایجنٹ کو والدین کے ساتھ اپنا پاسپورٹ کا فارم بھر کر اور فیس دے کر ۲۶؍جنوری ۱۹۸۸ء کو مدرسہ ریاض العلوم گورینی واپس آ گیا، اشوک نامی ایجنٹ نے یہ کہا کہ چالیس دن میں پاسپورٹ تیار ہو کر آپ کو مل جائے گا، یہ خادم اس کی زبان پر اعتماد کر کے مطمئن ہو کر بیٹھ گیا، لیکن چار مہینہ کی مدت گزر جانے کے باوجود پاسپورٹ بن کر نہیں آیا، اس درمیان جب بھی اس سے بات ہوئی تو وہ اطمینان دلاتا کہ بس ایک ہفتہ میں پاسپورٹ بن کر پہنچ جائے گا۔

اتفاق سے اپریل ۱۹۸۸ء میں اس خادم کا حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی سے ملاقات کے لئے دیوبند جانا ہوا، وہاں بھائی جمیل الدین صاحب کلکتہ والے حضرت مفتی صاحب کی ملاقات کے لئے آئے ہوئے تھے، ان کے علم میں پہلے سے یہ بات تھی کہ میں نے پٹنہ میں پاسپورٹ بننے کے لئے دے رکھا ہے، انھوں نے ملاقات ہوتے ہی پہلا سوال پاسپورٹ ہی کا کیا، میں نے اشوک ایجنٹ کی پوری کہانی ان کو سنائی، سننے کے بعد انھوں نے اپنی ذکاوت اور معاملہ فہمی کی بنیاد پر برجستہ کہا کہ وہ ایجنٹ جھوٹ بول رہا ہے، اس نے آپ کا فارم ابھی تک جمع ہی نہیں کیا ہے، میں ان کا یہ جواب سن کر ان کا منھ دیکھنے لگا، انھوں نے میری حیرانی دیکھ کر کہا کہ آپ ابھی پٹنہ چلے جائیں، آپ کو میری بات کی صداقت کا یقین ہو جائے گا۔

چنانچہ انہوں نے فوراً ایک خط منیجر کے نام لکھا جو پٹنہ میں ان کے مکان میں مقیم کام کاج کا نگراں تھا اور دہلی سے پٹنہ فلائٹ کا ٹکٹ نکال کر جیب سے مجھ کو دیا جو ان کے نام سے بنا ہوا تھا اور اس خادم سے انھوں نے کہا کہ یہ خط لے کر کل آپ دلی

پہنچ جائیں اور دلی سے پٹنہ پہنچ کر میرے مینیجر کو یہ خط دے دیں۔

چنانچہ کل ہوکر دیوبند سے میں دلی آیا اور بھائی جمیل الدین صاحب کے دیئے ہوئے ٹکٹ پر بذریعہ فلائٹ ۱۳؍اپریل ۱۹۸۸ء کو پٹنہ پہنچا۔

۱۸؍اپریل ۱۹۸۸ء مطابق یکم رمضان ۱۴۰۸ھ یوم دوشنبہ کو جمیل بھائی کے مینیجر نے ان افراد کو بلاکر جن کی نشاندہی جمیل بھائی نے کی تھی پورا واقعہ بتلایا، اس کے بعد ان لوگوں نے دباؤ بنا کر اشوک ایجنٹ کو آفس میں حاضر کیا، گفتگو کے بعد جمیل بھائی کی فراست اور ذہانت اور معاملہ فہمی کی تصدیق ہوئی جو بات انھوں نے مجھ سے دیوبند ملاقات کے وقت کہی تھی۔ چنانچہ محمد تسلیم اور محمد نوشاد ساکن باقر گنج پٹنہ کے دباؤ کے بعد اس نے اقرار کیا کہ پیسہ وہ کھا گیا اور فارم اس نے ابھی تک جمع نہیں کیا اور ۲۵؍جنوری ۱۹۸۸ء کو جو فارم میں نے اس کو دیا تھا اس نے جیب سے نکال کر واپس کیا، اس کے بعد بھائی جمیل الدین صاحب کی فراست و ذہانت اور مردم شناسی ومعاملہ فہمی کی تصدیق کے ساتھ ان پر اعتماد بہت بڑھا۔

اس کے بعد ۲۱؍اپریل مطابق ۴؍رمضان جمعرات کے دن محمد تسلیم اور محمد نوشاد نے دوسرا فارم بھر کر پاسپورٹ آفس پہنچ کر میری موجودگی میں فارم جمع کیا اور رسید میرے سپرد کی، اس کے بعد یہ خادم وہاں سے روانہ ہوکر ۲۳؍اپریل مطابق ۶؍رمضان سنیچر کے دن مدرسہ ریاض العلوم گورینی پہنچ گیا اور حسب سابق خانقاہ کی خدمت میں مصروف ہوگیا۔

۹؍شوال مطابق ۲۹؍مئی بروز جمعرات برادر اوسط کا مکہ مکرمہ سے فون آیا کہ

حضرت مولانا معراج الحق صاحب صدر المدرسین و نائب مہتمم دار العلوم دیو بند رمضان المبارک میں عمرہ کے لئے تشریف لائے تھے ان سے ملاقات کے وقت میں نے بات کر لی ہے ان کا بھانجہ محمد ساجد سعودی امبیسی میں کام کرتا ہے، پاسپورٹ ملنے کے بعد دہلی جا کر ان سے ملاقات کر لینا اور تینوں پاسپورٹ کاؤنٹر پر مل کر ان کے سپرد کر دینا، وہ ایک دن میں ویزا لگوا کر دے دیں گے۔ حضرت مولانا معراج الحق صاحب عمرہ سے واپسی کے بعد جب دہلی پہونچیں گے تو ان سے یہ پیغام بتلا دیں گے۔

۲۰ رشوال ۱۴۰۸ھ مطابق ۶ رجون ۱۹۸۸ء دوشنبہ کے دن پاسپورٹ آفیسر نے تینوں پاسپورٹ پر دستخط کر کے ڈسچارج کا حکم دے دیا اور ۲۴ رشوال ۱۰ رجون ۱۹۸۸ء جمعہ کے دن تینوں پاسپورٹ پٹنہ پوسٹ آفس سے اس خادم کو موصول ہو گئے، پاسپورٹ کے ہاتھ میں آنے کے بعد خادم نے اطمینان کی سانس لی اور ۲۵ ر جنوری سے جس عمل کا آغاز کیا تھا چھ مہینہ کے بعد ۱۰ رجون کو وہ انجام کو پہونچ گیا۔

پاسپورٹ لے کر اسی دن یہ خادم بذریعہ مگدھ ایکسپریس دہلی کے لئے روانہ ہو گیا اور ۱۱ رجون ۲۵ رشوال ہفتہ کے دن دہلی پہنچ کر مرکز میں قیام کیا۔

لیکن سعودی امبیسی میں حج کے لئے ویزے کی اپلائی کے لئے دو چیزیں لازمی تھیں: (۱) دلی سے جدہ اور جدہ سے دلی آنے جانے کا جہاز کا ٹکٹ (۲) معلم کی فیس کا چک جو سعودیہ کا بنا ہوا ہو، ان دونوں چیزوں کی فراہمی میں چند روز لگ گئے، جب یہ دونوں چیزیں فراہم ہو گئیں جس کے لئے اس خادم کو اپنے ذرائع استعمال کرنے پڑے۔

تو اس کے بعد یکم ذیقعدہ مطابق ۱۶؍جون ۱۹۸۸ء جمعرات کے دن امبیسی پہنچ کر حضرت مولانا معراج الحق صاحب کے بھانجے ساجد میاں سے ملاقات کر کے تینوں پاسپورٹ ویزہ فارم کے ساتھ ان کے سپرد کیا اور اگلے دن ۲؍ذیقعدہ مطابق ۱۷؍جون جمعہ کے دن شام کے وقت تینوں پاسپورٹ ویزہ لگ کر مل گئے، ویزا کا اسٹامپ دیکھ کر بے پناہ مسرت ہوئی اور یہ امید بندھ گئی کہ انشاء اللہ اب اس سال والدین حج کی سعادت حاصل کرلیں گے۔

چنانچہ اس کی اطلاع کرنے اور والدین کو دہلی لانے کا نظام بنانے کے لئے اسی دن رات میں مگدھ ایکسپریس سے بغیر ریزرویش کے چالو ٹکٹ لے کر پوری رات قیام کی حالت میں گزار کر دوسرے دن پٹنہ پہنچا اور پٹنہ سے جو بس موتیہاری کے لئے ملی وہ بھی بھر چکی تھی جس کی وجہ سے پٹنہ سے موتیہاری تک کا سفر بھی قیام ہی کی حالت میں ہوا۔ ۱۸؍جون کی رات میں دس بجے گھر پہونچا، رات ہی میں والدین کے دہلی پہنچنے کا نظام بنا کر کل ہو کر ۴؍ذیقعدہ مطابق ۱۹؍جون مدرسہ ریاض العلوم گورینی کے لئے روانہ ہو گیا اور ۵؍ذیقعدہ مطابق ۲۰؍جون دوشنبہ کے دن مدرسہ ریاض العلوم گورینی پہنچ گیا۔

ادھر والدین اس خادم کے بنائے ہوئے نظام اور حاصل کردہ ٹکٹ کے مطابق ۲۰؍جون کو گھر سے نکل کر ۶؍ذیقعدہ ۲۱؍جون منگل کے دن دہلی پہنچ کر جمعیۃ علماء کے آفس مسجد عبد النبی میں قیام پذیر ہو گئے، یہ خادم ۶؍ذیقعدہ مطابق ۲۱؍جون بذریعہ گنگا جمنا ایکسپریس جون پورسٹی سے روانہ ہو کر ۷؍ذیقعدہ مطابق ۲۲؍جون بدھ کے دن دس بجے دہلی مسجد عبد النبی پہونچا۔

۸/ ذیقعدہ مطابق ۲۳/ جون جمعرات کے دن گیارہ بجے حاصل کردہ ٹکٹ کے مطابق بذریعہ ایئر انڈیا دہلی سے روانہ ہوکر انڈیا کے وقت کے مطابق ۴/ بجے شام کو جدہ پہنچے، جدہ پہنچ کر کئی گھنٹہ کسٹم کی لائن میں کھڑا رہنا پڑا، اس سے فارغ ہوکر جب باہر نکلنا ہوا تو برادر اوسط اور حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب مکی باہر گاڑی لے کر انتظار میں کھڑے تھے، خادم نے والدین کو برادر اوسط کے سپرد یہ شعر پڑھتے ہوئے کردیا ؎

سپردم بتو مایۂ خویش را
تو دانی حساب کم وبیش را

اس کے بعد حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب کی رفاقت میں مکہ مکرمہ پہنچے اور وہاں پہنچ کر دارالرشید میں قیام پذیر ہوگئے، اسی دن رات میں بارہ بجے عمرہ سے فارغ ہوئے۔

دارالرشید حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب کی بلڈنگ تھی جس میں حجاج اور معتمرین کرایہ پر رہا کرتے تھے، یہ بلڈنگ حرم مکی سے بہت قریب تر تھی، دارالرشید سے نکلنے کے بعد سامنے باب عبدالعزیز نظر آتا تھا، اگر تکبیر شروع ہوجائے اور نکلنے والا دارالرشید سے نکلے تو بھی تکبیر ختم ہونے تک وہ باب عبدالعزیز تک پہنچ جاتا تھا اور تکبیر اولی کے ساتھ نماز مل جایا کرتی تھی، اس بلڈنگ کے مالک اگرچہ مولانا عبدالحفیظ مکی تھے، لیکن اس کے مدیر مسئول برادر اوسط تھے اور اس کے کلیات وجزئیات کے وہی مالک تھے، اور خود برادر اوسط کا قیام بھی اسی بلڈنگ کے ایک کمرہ میں تھا، چنانچہ پہونچنے کے بعد ہم لوگوں کا قیام بھی دارالرشید میں رہا والدین کا قیام اس کمرہ میں

طے پایا جس کمرہ میں برادر اوسط رہتے تھے اور یہ خادم کسی بھی کمرہ میں جہاں جگہ خالی ہوتی تھی سو جاتا تھا۔

اس طرح ایام حج کے آنے تک ہم سب دار الرشید میں قیام پذیر رہے اور پانچوں نمازیں اور طواف قرب مکانی کی وجہ سے سہولت کے ساتھ جب دل چاہتا جا کر کرتے رہے والد صاحب بالخصوص بہت شوق اور لگن اور پوری یکسوئی کے ساتھ نمازوں کے علاوہ کثرت طواف وغیرہ میں مشغول رہے اور یہ سوچ کر زیادہ سے زیادہ اپنے کو عبادت میں مصروف رکھا کہ پتہ نہیں اس کے بعد حاضری ہو سکے یا نہ ہو سکے۔

لیکن اس خادم کے ذمہ عصر کے بعد سے مغرب تک مرقات، شرح تہذیب، مختصر المعانی وغیرہ جیسی اہم کتابوں کے اسباق حضرت مولانا عبد الحفیظ صاحب مکی کی خواہش پر لگا دیئے گئے جس میں ان کے بھانجے، حافظ عبد الستار صاحب کے برخوار طاہر اور ان کے لڑکوں میں عبد الرؤف وغیرہ پانچ چھ طلباء روزانہ پابندی سے اسباق پڑھنے کے لئے آتے رہے جن کو مذکورہ بالا کتابیں یہ خادم پڑھاتا رہا، یہاں تک کہ ایام حج آ گئے۔

یوم الترویہ کو والدین کے ساتھ منی کے لئے روانگی ہوئی، حضرت مولانا عبد الحفیظ صاحب مکی تقریباً سو افراد پر مشتمل جس میں مختلف ممالک کے اکابرین، علماء، مشائخ، اہل تعلق ہوا کرتے تھے، ان کی خدمت کے لئے منی، عرفہ میں حکومت سے جگہ لے کر مذکورات و مستورات کے قیام وطعام کا نظم کیا کرتے تھے اور پورے اہتمام کے ساتھ ہر طرح کی سہولت اور تعلیم و تربیت اور دیکھ بھال منی، عرفہ، مزدلفہ میں بہت محبت سے کرتے تھے اور ان کا پورا خاندان اور تمام خورد و کلاں حج کے ایام میں علماء

ومشائخ، اکابرین و بزرگوں کی خدمت میں ہمہ وقت لگے رہتے تھے، انھیں کے قافلہ میں والدین کے ساتھ یہ خادم بھی شریک رہا اور بہت عافیت کے ساتھ سارے ارکان بر وقت ادا ہو گئے، اللہ پاک اس کا بہترین صلہ و اجر ان کو عطا فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔ آمین

الحمدللہ بعافیت ارکان حج سے فارغ ہونے کے بعد جناب عبدالرحمٰن صاحب انجینئر جو چمپارن خیروا کے رہنے والے تھے اور ان کی سسرال خادم کے گاؤں جھٹکاہی میں تھی جو حاجی جمیل اختر صاحب مکھیا کے داماد تھے، ان کی خواہش اور اصرار پر ۱۸/ذی الحجہ مطابق ۲/اگست منگل کے دن والدین کے ساتھ جدہ جانا ہوا، تین روز ان کے مکان پر قیام رہا، بہت محبت کے ساتھ ان سے زیادہ ان کی اہلیہ نے والدین کی خدمت کی، ایسا لگتا تھا گویا کہ وہ اپنے والدین کو پا گئے ہوں، جدہ کے اہم مقامات کی سیر بھی کرائی، بالآخر چوتھے دن ۲۱/ذی الحجہ مطابق ۵/اگست جمعہ کے دن جدہ سے مکہ مکرمہ واپسی ہوگئی۔

اس کے بعد ۲۴/ذی الحجہ مطابق ۸/اگست دوشنبہ کے دن پانچ بجے شام کو والدین کے ساتھ مدینہ طیبہ کے لئے روانگی ہوئی اور ڈیڑھ بجے رات میں مدینہ طیبہ پہونچنا ہوا، دس دن بہت سکون کے ساتھ مدینہ طیبہ کا قیام رہا، والدین بالخصوص والد محترم نے ساری نمازیں پابندی کے ساتھ مسجد نبوی میں ادا کیں اور چالیس نمازوں کی فضیلت سے بہرہ ور ہوئے۔ ۴/محرم مطابق ۱۸/اگست جمعرات کے دن شام کو چار بجے مدینہ طیبہ سے روانگی ہوئی اور چند گھنٹوں کے بعد بذریعہ کار مکہ مکرمہ واپسی ہوگئی۔

اس کے بعد مستقل مکہ مکرمہ ہی میں قیام رہا، چونکہ حرم مکی مکمل خالی ہو چکا تھا

اس لیے بہت سہولت کے ساتھ کثرت طواف اور حجر اسود کے بوسہ کا موقعہ ملتا رہا اور جب تک قیام رہا ہم سب بالخصوص والد محترم بیت اللہ سے مستفید ہوتے رہے، بالآخر ۱۹؍محرم مطابق ۲؍ستمبر جمعہ کے دن بیت اللہ کا الوداعی طواف کر کے بادل ناخواستہ جدہ کے لئے روانگی ہوئی۔ دو بج کر بیس منٹ پر بذریعہ ایئر انڈیا جدہ سے دہلی کے لئے واپسی ہوئی، واپسی میں والدین کے ساتھ برادر اوسط بھی شریک سفر رہے، سات بج کر پندرہ منٹ پر شام کے وقت جہاز دہلی پہونچ گیا، ایئر پورٹ سے دفتر جمعیۃ علماء ہند آنا ہوا اور رات کا قیام جمعیت علماء ہند کی آفس میں رہا، دوسرے دن ۲۰؍محرم مطابق ۳؍ستمبر سنیچر کے دن بذریعہ تنسکھیا ایکسپریس پٹنہ کے لئے روانگی ہوئی اور ۲۱؍محرم ۴؍ستمبر اتوار کے دن ساڑھے دس بجے پٹنہ پہونچنا ہوا اور اسی دن پٹنہ سے روانہ ہو کر رات میں سات بجے والدین گھر پہونچ گئے۔ چند روز والدین کے ساتھ گھر پر قیام کرنے کے بعد یکم صفر مطابق ۱۴؍ستمبر چہار شنبہ کے دن یہ خادم مدرسہ ریاض العلوم گورینی پہونچا اور تدریسی خدمت میں مصروف ہو گیا۔ اس طرح والدین کے ساتھ پہلی مرتبہ بیت اللہ حاضری کی سعادت نصیب ہوئی اور حج کا مبارک فریضہ انجام پذیر ہوا۔

اس خادم کے ساتھ والدین کے سفر حج پر جس میں پاسپورٹ بنانے کے اخراجات کے ساتھ ویزا اور ٹکٹ اور گھر سے دلی اور دلی سے گھر تک آنے جانے کا ٹکٹ و دیگر اخراجات کے ساتھ ہندوستان کا ٹوٹل خرچ -/35000 پینتیس ہزار روپیہ ہوا جس کا نصف ساڑھے سترہ ہزار روپیہ بنا۔ چنانچہ وعدہ کے مطابق اس خادم نے چند قسطوں میں متعدد ذرائع سے برادر اکبر کو واپس کر دیا اور اس طرح الحمدللہ برادر اکبر کے قرض کی

ادائیگی سے سبکدوشی حاصل ہوئی اور والدین نے حج جیسا اہم فریضہ ادا کرلیا۔

حج سے واپسی کے بعد والد بزرگوار پر حج کا پورا پورا اثر رہا، فرائض ونوافل کے ساتھ تہجد کے بھی پابند ہوگئے اور بہت پابندی کے ساتھ تہجد پڑھنے لگے اور پوری یکسوئی کے ساتھ ذکر اور عبادت میں مصروف ہوگئے، لیکن والد محترم کا دنیا کو چھوڑ کر اور مکمل یکسو ہوکر فکر آخرت میں ہمہ تن گوش ہوجانا اور عبادت میں لگ جانا ابلیس کو پسند نہیں آیا اور اس نے اپنی حرکت شروع کردی جس کی ابتداء ابلیس نے حج سے پہلے ہی کردی تھی۔

تذکرہ حادثہ فاجعہ

مکہ مکرمہ والدین کے پہونچنے کے بعد چند ہفتے تو بہت عافیت کے ساتھ خوشی خوشی ہنستے بولتے گزرے، لیکن اچانک چند ہفتوں کے بعد برادر اوسط کی رفتار وگفتار میں تلخی اور شدت آگئی جس کو والدین نے بھی محسوس کیا، بالآخر ایک دن تنہائی میں والدین نے اس خادم سے اس کا تذکرہ کیا کہ بابو! کیا بات ہے؟ تمہارے برادر اوسط کے لب ولہجہ میں چندروز سے بہت شدت اور تلخی ہے۔ والدین کی بات سننے کے بعد اس خادم نے عرض کیا ابا! چوبیس گھنٹہ آپ صبر کریں، چوبیس گھنٹہ کے بعد میں اس خواب کی تعبیر آپ کو بتادوں گا، کل ہوکر فجر کی نماز کے بعد جب سب سو گئے تو چونکہ کمرہ کا دروازہ کھلا رہتا تھا، اس لئے میں دھیرے سے کمرہ میں داخل ہوا اور برادر اوسط کا وہ کرتا جو کھونٹی میں ٹنگا ہوا تھا اس کے اوپر والی جیب میں ہاتھ ڈالا جتنے کاغذات

میرے ہاتھ میں آئے ان کو لے کر بغل والے کمرے میں چلا آیا اور اطمینان کے ساتھ میں نے ایک ایک کاغذ کو کھولنا شروع کیا تو ان کاغذات میں ایک خط بھابھی صاحبہ (برادر اوسط کی اہلیہ) کا ملا جو کسی حاجی کے ذریعہ اس نے بھیجوایا تھا اور اس میں یہ لکھا تھا کہ والدین کو کوئی بھی سامان خرید کر نہ دیں، ورنہ وہ سارا سامان گھر لا کر قاری صاحب اور ان کے بچوں کو دے دیں گے، اس لئے ہرگز ہرگز کوئی سامان نہیں خریدنا ہے، نیز آنے کے بعد والدین سے علیحدگی ضروری ہے، ہر حال میں یہ طے کر کے آئیں کہ اس مرتبہ کھانا پینا بہر حال الگ کر لینا ہے، سب کے ساتھ نہیں رہنا ہے۔

خط پڑھنے کے بعد خاموشی کے ساتھ جہاں سے میں نے یہ کاغذات اٹھائے تھے وہیں رکھ دیئے اور ناشتہ سے فارغ ہونے کے بعد خواب کی تعبیر میں نے والدین سے بتلا دی، والدین نے سننے کے بعد بہت لمبا سکوت اختیار کیا اور بہت لمبی سانس لی، بلکہ والد صاحب کی آنکھ نم ہوگئی۔

بہر حال ہندوستان واپسی کے بعد ۲۵/ربیع الثانی مطابق ۶/دسمبر منگل کے دن حضرت مولانا محمد عالم صاحب قاسمی سابق ناظم مدرسہ خیر العلوم بریار پور موتیہاری کا میرے نام خط آیا کہ یہ خط پاتے ہی فوراً تم گھر آ جاؤ، بہت ارجنٹ اور بہت ضروری کام ہے، وہ زمانہ چونکہ ٹیلی فون سے رابطہ کا نہیں تھا، اس لئے مولانا محترم کے خط کو اہمیت دیتے ہوئے ۲۸/ربیع الثانی مطابق ۹/دسمبر جمعہ کے دن بذریعہ مگدھ ایکسپریس بنارس سے روانہ ہو کر شام تک موتیہاری پہونچ گیا۔

موتیہاری پہونچنے کے بعد وہ خط جو مولانا محترم سے لکھوایا گیا تھا اس کی تعبیر

سمجھ میں آگئی، جو کچھ دل میں آیا میں نے مولانا محترم کو سناڈالا کہ معاملہ گھر کے بٹوارہ اور والدین سے علاحدگی کا ہے اور اس کی پیش رفت تو والدین کے حج سے پہلے ہی برادر اوسط کی اہلیہ کر چکی ہیں اور برادر اکبر اور والدین یہاں موجود ہیں، پھر اس اصغر کی کیا ضرورت ہے، مجھ کو تو والدین سے الگ ہونا نہیں ہے، جن کو الگ ہونا ہے وہ والدین سے بات کریں، لیکن یہ بعد میں پتہ چلا کہ یہ لوگ مل کر اس خادم کو ڈھال بنانا چاہ رہے تھے۔ چنانچہ انہوں نے بنایا بھی اور اس میں یہ کامیاب ہو گئے جس کا افسوس آج تک ہے بلکہ مرتے دم تک رہے گا۔

موتیہاری پہونچنے کے بعد جو صورتحال سامنے آئی اس کا تقاضہ تو یہ تھا کہ میں الٹے پاؤں واپس آجاتا، لیکن یہ جاننے کے بعد ٹھہر گیا کہ والدہ گھر سے آئی ہوئی ہیں اور ڈاکٹر رحمٰن کے ہوسپیٹل میں زیر علاج ہیں اور ان کی آنکھ کا آپریشن ہونا ہے، اس مجبوری کی وجہ سے خادم کو وہاں رکنا پڑا اور والدہ کی ملاقات کے لئے ہاسپیٹل جانا پڑا، وہاں پہونچ کر معلوم ہوا کہ ۳۰/ ربیع الثانی مطابق ۱۱/ دسمبر اتوار کے دن یعنی کل ہو کر صبح ساڑھے آٹھ بجے والدہ کی آنکھ کا آپریشن ہونا ہے، اس صورتحال میں والدہ کو چھوڑ کر مدرسہ واپس جانا ممکن نہیں تھا۔ چنانچہ وقت مقررہ پر والدہ کی آنکھ کا آپریشن ہوا اور اس کے کل ہو کر تینوں حضرات نے یعنی برادر اوسط و اکبر اور مولانا محمد عالم صاحب قاسمی نے دباؤ بنایا کہ تم کو کل والد صاحب کے پاس چلنا ہے اور بٹوارہ کی بات ان سے کرنی ہے، اس خادم نے برادران سے بھی وہی بات کہی جو ایک دن پہلے مولانا محمد عالم صاحب قاسمی سے کہہ چکا تھا، یعنی بٹوارہ آپ لوگوں کو کرنا ہے اور آپ بڑے بھی ہیں، تو آپ

لوگ جا کر والد صاحب سے بات کریں اس قصۂ نا مرضیہ میں مجھ کو کیوں گھسیٹتے ہیں،
گفتگو کے دوران اس خادم نے محسوس کیا کہ برادر اکبر بھی دباؤ میں ہیں اور ویسے بھی ان میں قوت فیصلہ کی کمی تھی اور قوت تنفیذ کی بھی جس کی وجہ سے وہ کوئی رائے قائم کر کے نہ فیصلہ کر پائے نہ برادر اوسط کے حاکمانہ انداز کی تغلیط وتردید کر پائے۔

نوبت بایں جا رسید کہ ۲؍جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۲؍دسمبر ۱۹۸۸ء منگل کے دن گیارہ بجے دن میں چار نفری قافلہ والدہ کو ہاسپٹل میں چھوڑ کر گھر کے لئے روانہ ہوا، ناظم صاحب کی موٹر سائیکل پر بحیثیت ردیف برادر اوسط بیٹھے اور برادر اکبر کی موٹر سائیکل پر بطور ردیف یہ خادم بیٹھا، اس طرح چاروں آدمی ڈیڑھ بجے دوپہر جھٹکاہی پہونچ گئے۔ پہونچنے کے بعد برادران خمسہ اور مولانا محمد عالم صاحب قاسمی والد صاحب کے گرد وپیش بیٹھک میں بچھی ہوئی چوکی پر بیٹھ گئے، تھوڑی دیر سب خاموش بیٹھے رہے، لیکن والد صاحب لفافہ دیکھ کر مضمون بھانپ گئے، تھوڑی دیر والد صاحب بھی خاموش بیٹھے رہے۔

لیکن والد بزرگوار سے بات کرنے کی اور متکلم بننے کی کسی میں ہمت نہیں ہوئی، سب نے اشاروں سے اس خادم کو مجبور کیا کہ میں ہی بات کروں۔ چنانچہ اسی عظیم جرم کا ارتکاب اس خادم سے کروایا گیا جس کا افسوس مرتے دم تک رہے گا، خادم نے والد صاحب کو مخاطب کر کے عرض کیا کہ ابا! یہ سب لوگ اس لئے جمع ہوئے ہیں تاکہ آج سے ان سب کی ہانڈی الگ الگ کر دیں اور مکان وجائیداد تقسیم کر دیں، یہ جملہ سنتے ہی جیسے والد صاحب کو کسی نے گولی ماردی ہو، زار وقطار رونے لگے، یہ خادم بھی ان کی یہ حالت دیکھ کر برداشت نہیں کر سکا اور بے ساختہ رو پڑا اور اس کا بے پناہ افسوس ہوا کہ میں نے

ایسی بات والد بزرگوار سے کیوں کہی، یا دوسروں کے کہنے پر میں ان کا متکلم کیوں بنا، جس نے والد صاحب کے دل کو چھلنی کر دیا اور بے ساختہ زار و قطار رو پڑے، یہ بات اس خادم کو جب بھی یاد آتی ہے بے پناہ دکھ اور افسوس ہوتا ہے اور اپنی اس حرکت پر رونا آتا ہے۔

تھوڑی دیر میں جب والد محترم کا غم ہلکا ہوا تو اس خادم کو الگ بلا کر لے گئے، چونکہ اصل مسئلہ مکان کی تقسیم کا تھا اس لئے اس خادم سے ابا نے یہ کہہ کر مشورہ لیا کہ بابو مکان کیسے تقسیم کیا جائے، اس خادم نے والد صاحب کے دریافت کرنے پر جواب دیا کہ پرانے مکان کی جگہ برادر اکبر اور بھائی شفیع اللہ کو دے دیں اور نئے مکان کی جگہ باقی تین برادران یعنی اصغر اوسط اور بھائی کلیم اللہ کو دے دیں اور چونکہ نئے مکان میں ایک ایک روم چاروں برادران کے قبضہ میں ہے اور والدین کے ساتھ سب بھائیوں کی محنت اس میں لگی ہے اور برادران ثلاثہ یعنی اکبر، اوسط اور اس خادم کا اس میں پیسہ لگا ہے، لہٰذا برادر اکبر جب اپنا روم خالی کریں گے تو اس نئے مکان میں رہنے والے باقی تین برادران اس روم کی قیمت -/30000 تیس ہزار یعنی دس دس ہزار روپے نقد برادر اکبر کو ادا کریں۔ چنانچہ اس خادم کی یہ رائے والد بزرگوار کو پسند آئی اور آکر اپنی زبان سے حاضرین کو اپنا یہ فیصلہ سنا دیا اور کل ہو کر دیہاتی دستور کے مطابق والد صاحب نے غلہ وغیرہ تقسیم کر دیا۔

چونکہ والدہ ہاسپٹل میں تھیں اس لئے ان کو کوئی خبر نہیں تھی۔

۶/ جمادی الاولی مطابق ۱۷/ دسمبر سنیچر کے دن جب وہ گھر پہونچیں تو صورتحال کی ان کو اطلاع ہوئی، اس کو سن کر اتنا روئیں کہ آپریش کی ہوئی آنکھ ضائع

ہوگئی اور بصارت نہیں واپس آئی۔

اتنا کام تو بحسن وخوبی انجام پا گیا،لیکن جب اس بٹوارہ کی خبر دوسروں تک پہونچی، پھر وہ سب کچھ ہوا جس کی توقع ایک شریف اور پڑھے لکھے گھر سے نہیں کی جاسکتی تھی جس کو پورے علاقے نے جانا اور سنا اور جس کا رنج وغم آج بھی ہے اور مرتے دم تک رہے گا۔

بہرحال یہ خادم بادل ناخواستہ اس حادثہ فاجعہ اور دل دوز صورتحال سے گزر کر ۸؍جمادی الاولیٰ مطابق ۱۹؍دسمبر دوشنبہ کے دن مدرسہ ریاض العلوم گورینی پہونچ کر تدریس میں مشغول ہوگیا۔

خادم کا سفر پاکستان

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کے خدام میں ایک اہم خادم جن کا شمار حضرت شیخ کے عشاق میں ہوتا تھا اور جو حضرت شیخ کے ہندوستان کے سفر میں اپنا زیادہ تر وقت حضرت شیخ کی خدمت میں گزارتے تھے،جن کا نام حاجی ابراہیم پہلوان تھا، بہت ہی متواضع ، نیک طینت بزرگوں اور بڑوں کا احترام کرنے والے شخص تھے۔ حضرت شیخ سے بہت زیادہ محبت وعقیدت اور ارادت رکھتے تھے اور حضرت شیخ سے تعلق کی نسبت پر حضرت شیخ کے اہل تعلق سے بھی محبت وشفقت کا برتاؤ رکھتے تھے۔ حضرت شیخ کی خدمت میں چوبیس گھنٹہ حاضر باش افراد میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ایک

گوشہ میں بیٹھے ہوئے ذکر وتسبیحات میں مصروف رہا کرتے تھے اور باطنی وروحانی اعتبار سے اکتساب فیض میں لگے رہتے تھے، علماء اور خدام سے بہت محبت رکھتے تھے، اس خادم کی بھی حاجی صاحب موصوف سے حضرت شیخ کی خدمت میں کئی بار ملاقات ہوئی اور ہر مرتبہ بہت محبت وشفقت سے ملے، ہندوستان کے علاوہ حجاز مقدس میں بھی ۱۹۸۸ء کے پہلے حج میں ان سے لمبی ملاقات اور رفاقت کا موقعہ ملا، حاجی صاحب موصوف بھی اپنے سمدھی حاجی شبیر احمد صاحب لاہوری اور اپنے برخوردار جناب میاں شفیق احمد صاحب وسمدھنی و بہو کے ساتھ حج کے لئے تشریف لائے اور اس پانچ نفری قافلہ کا قیام بھی دارالرشید ہی میں رہا، اور حج کے ایام میں بھی حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب مکی کی خدمت اور سربراہی میں رہے جس کی وجہ سے ایک ساتھ بیٹھنے اور کھانے پینے کے علاوہ علمی افادہ اور استفادہ کا بھی خوب موقعہ ملا جس کی وجہ سے انس میں کافی اضافہ ہوگیا اور بہت اصرار کے ساتھ قافلہ کے شریک تمام رفقاء بالخصوص حاجی صاحب موصوف نے پاکستان آنے کی دعوت دی۔

حاجی صاحب موصوف کے قافلہ میں ایک صاحب ''ملک خاقان'' نام کے بھی تھے جو کراچی کی ایک فیکٹری کے مینیجر تھے اور ۱۹۸۸ء میں ان کی تنخواہ تیس ہزار تھی وہ تمام رفقاء میں سب سے زیادہ پڑھے لکھے اور علمی سوالات کرنے والے شخص تھے۔

بہر حال حاجی صاحب موصوف نے چلتے چلاتے اپنی دعوت پر اتنا اصرار کیا کہ اس خادم کو ہاں کہنا پڑا۔ حاجی صاحب کے چھوٹے لڑکے انیس احمد سلمہ کی ابھی شادی نہیں ہوئی تھی ان کی شادی میں شرکت کی دعوت نے سفر میں مزید تقویت پیدا

کردی، گویا کہ یہ سفر اس خادم کا حاجی صاحب موصوف کے چھوٹے برخوردار انیس احمد کی شادی میں شرکت کے نام ہوگیا۔

چنانچہ انہوں نے حج سے واپسی پر وطن پہونچنے کے بعد شادی کا دعوت نامہ بھی بھیج دیا، خادم سالانہ امتحان سے فارغ ہونے کے بعد ۱۱/ شعبان ۱۴۰۹ھ مطابق ۲۰/ مارچ دوشنبہ کے دن جامعہ اسلامیہ محمودیہ بابوگنج پرتا بگڈھ کے جلسے میں شرکت کے بعد ساڑھے بارہ بجے رات میں الٰہ آباد کے لئے روانہ ہوکر سوا دو بجے رات میں الٰہ آباد پہونچا اور تین بجے رات کی ٹرین مگدھ ایکسپریس کے ذریعہ الٰہ آباد سے دہلی کے لئے روانہ ہوا، اور ۱۲/ شعبان مطابق ۲۱/ مارچ ۱۹۸۹ء منگل کے دن ساڑھے بارہ بجے دہلی پہونچ گیا، اسٹیشن سے ڈیڑھ بجے مرکز نظام الدین پہونچا اور بعد نماز ظہر پاکستانی سفارت خانہ پہونچ کر دعوت نامہ کے ساتھ ویزا کا فارم جمع کیا، چند گھنٹے کے بعد بغیر کسی کاوش کے ساڑھے پانچ بجے شام کو ویزا مل گیا۔ ۱۳/ شعبان ۱۴۰۹ھ مطابق ۲۲/ مارچ بدھ کے دن ۹ بج کر چالیس منٹ پر چھتیس گڈھ ایکسپریس کے ذریعہ امرتسر کے لئے روانہ ہوا۔ اور ۱۴/ شعبان مطابق ۲۳/ مارچ ساڑھے نو بجے ٹرین امرتسر پہونچ گئی، دس بجے امرتسر سے اٹاری کے لئے روانہ ہوا اور گیارہ بجے اٹاری پہونچ گیا، اٹاری سے دوسری ٹرین کے ذریعہ روانہ ہوکر تین بجے لاہور پہونچا، عصر کی نماز لاہور اسٹیشن سے نکل کر ادا کی، اس کے بعد فیصل آباد کے لئے سرکاری بس پر بیٹھ گیا، شیخو پور میں مغرب کی نماز ادا کی اور نو بجے رات میں بھائی شفیق کے مکان پر پیپلز کالونی فیصل آباد بعافیت پہونچ گیا۔ پندرہ شعبان مطابق ۲۴/ مارچ جمعہ کے دن بعد

نماز عشاء بھائی انیس احمد پسر حاجی ابراہیم صاحب پہلوان کا نکاح ایک شادی ہال میں ہوا، فیصل آباد پہونچنے کے بعد یہ اندوہناک خبر ملی کہ حاجی ابراہیم صاحب پہلوان جو اس خادم کے داعی تھے وہ دنیا میں نہیں رہے، کچھ عرصہ قبل وہ اس دار فانی کو الوداع کہہ گئے، لیکن اس شادی میں شرکت ہوگئی اور ایک دن پہلے یہ خادم وہاں پہونچ گیا جس شادی میں شرکت کے وہ متمنی تھے اور جس کے لئے اس خادم کو مدعو کیا تھا۔

حاجی صاحب موصوف اگر چہ دنیا میں نہیں رہے لیکن ان کے بڑے برخوردار میاں شفیق احمد نے ابا مرحوم کی پوری پوری نیابت کی اور کثیر مصارف کے ساتھ سارے اعزاء اور اقارب کی موجودگی میں پوری شان وشوکت کے ساتھ اپنے برادر خورد انیس احمد کی شادی کو انجام دیا اور کسی کو بھی کہیں سے بھی والد بزرگوار کی عدم موجودگی کا احساس نہیں ہونے دیا۔

چنانچہ دلہا کے ساتھ شادی ہال تک جانے کے لئے مختلف انواع واقسام کی سیکڑوں گاڑیوں کی قطار لگوادی، شادی ہال میں زبردست اسٹیج تیار کروایا گیا اور فوٹو گرافی کا بھرپور نظم تھا۔

جب نکاح کے لئے حضرت مولانا نذیر احمد صاحب جو جامعہ امدادیہ کے شیخ الحدیث تھے اور دار العلوم فیصل آباد جو مفتی زین العابدین صاحب کا ادارہ تھا اس میں طویل عرصہ تک شیخ الحدیث رہ چکے تھے، جلوہ افروز ہوئے اور نکاح سے پہلے انہوں نے تھوڑی دیر تصویر کشی اور ویڈیو گرافی کے خلاف تقریر کی تو سبھی لوگوں نے ان کی تقریر کو برا مانا اور ان پر تنقید کی، لوگوں کا یہ انداز اس خادم کو بہت خراب لگا، چونکہ

حضرت مولانا نے اپنی تقریر کے ذریعہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اہم فریضہ کو ادا کیا تو سامعین کا یہ فرض بنتا تھا کہ خاموشی اور ندامت کے ساتھ اس کو سنتے لیکن اس کے بجائے ان کے خلاف تنقید وتبصرہ شروع کر دیا، عوام کا یہ ایک نیا انداز اور رنگ ڈھنگ وہاں دیکھنے کو ملا جس کا سابقہ ہندوستان میں اس خادم کو کبھی نہیں پڑا تھا۔

بہرحال نکاح کی مجلس کے اختتام کے بعد کھانے کا سلسلہ شروع ہوا، وہ انداز بھی اس خادم کے لئے نیا تھا جس کو زندگی میں پہلی مرتبہ دیکھنے کا اتفاق ہوا، مختلف انواع واقسام کے کھانے، کھانے کے برتنوں میں میز پر رکھے ہوئے تھے، لوگ اپنے ہاتھ میں پلیٹ لے کر اور اپنی پسند کے کھانے اپنی خواہش وضرورت کے مطابق اپنے ہاتھ سے چمچہ کے ذریعہ پلیٹ میں نکال کر چلتے پھرتے جانوروں کی طرح کھا رہے تھے، اس خادم کے لئے یہ پہلا اتفاق تھا، لوگوں کے کھانے کے اس انداز کو دیکھ کر بہت حیرانی ہوئی، کوئی کرسی بھی نہیں تھی کہ جس پر بیٹھ کر کھانا کھایا جا سکے، مجبوراً کھانا پلیٹ میں نکال کر زمین پر رومال بچھایا اور رومال پر بیٹھ کر کھانا کھایا۔ اس طرح نکاح کی تقریب اختتام پذیر ہوگئی۔ اور رات میں لوٹ کر بھائی شفیق کے مکان پر واپسی ہوگئی۔

۱۶/ شعبان مطابق ۲۵/ مارچ شنبہ (سنیچر) کے دن دوپہر میں ایک بڑے ہوٹل میں ولیمہ کی دعوت تھی جس میں ہزاروں کی تعداد میں مرد وعورت پہونچے اور ہر عورت کی زیبائش ونمائش ومیکپ حیران کن تھی جس کو ہندوستان میں کبھی بھی اور کہیں بھی اس خادم نے نہیں دیکھا اور یہی نہیں بلکہ مردوں اور عورتوں کا پورا اختلاط تھا، پردہ کا کوئی اہتمام نہیں تھا بلکہ کسی بھی عورت کے سر پر دوپٹہ نہیں تھا۔ اس منظر کو دیکھ کر یہ

خادم حیران رہ گیا۔

۱۷؍شعبان مطابق ۲۶؍مارچ اتوار کے دن شادی کی بچی کھچی رسم ادا کی گئی، اس کے بعد آئے ہوئے مہمانوں کی واپسی بالتدریج شروع ہوگئی، سوائے اس خادم کے شادی کے بعد اس خادم کا قیام بھائی شفیق کے مکان پر تقریباً دو ماہ رہا۔

شادی کے دوران چند چیزیں اس خادم کو ایسی نظر آئیں جن کو دیکھنے کا اتفاق ہندوستان میں کبھی نہیں ہوا تھا۔

(۱) کھانے میں تنوع اور پھل کا اہتمام دیکھا اور پھلوں کے رکھنے کا انداز وہ تھا جو سعودیہ اور عرب ممالک میں ہوتا ہے، صرف چند پھل کاٹ کر رکھ دیا جائے، ایسا نہیں بلکہ ہر نوع کے پھل کثیر مقدار میں چاقو کے ساتھ پیش کرنے کا رواج دیکھا کہ لوگ اپنی پسند اور مرضی وخواہش کے مطابق بدست خود کاٹیں اور کھائیں۔

(۲) مشروبات کا استعمال بکثرت دیکھا، پانی کی جگہ دسترخوان پر مختلف انواع واقسام کے مشروبات رکھے جاتے تھے، ایک مرتبہ خادم نے پانی طلب کیا تو مشروب دینے والے نے دیا اور یہ کہا کہ یہاں پانی کی جگہ مشروب کا استعمال ہوتا ہے۔

اور مشروبات بھی ہر نوع کے وہاں موجود تھے جیسے پیپسی، کوکا کولا، سیون اپ، اسپرائٹ وغیرہ جب کہ اس وقت ہندوستان میں سواء تھمس اپ کے اور کچھ بھی نہیں ملتا تھا۔ اس سے اندازہ ہوا کہ کھانے پینے میں ہندوستان ابھی پیچھے ہے۔

(۳) اسی طرح وہ تمام گاڑیاں وہاں نظر آئیں جو باہر ملکوں میں دیکھنے کو ملتی ہیں جن کا اس وقت ہندوستان میں نام ونشان تک نہیں تھا جس سے اندازہ ہوا کہ

رہائشی مکان، اس کی تزئین، کھانا، کپڑا، سواری پر وہاں کے لوگ عمومی طور پر توجہ دیتے ہیں جس پر دھیان اس وقت ہندوستان کے لوگوں کا نہیں تھا۔

(۴) اسی طرح شادی میں جو مہمان آئے اپنے ساتھ بڑی بڑی اٹیچی لے کر آئے، خادم نے دیکھ کر یہ سمجھا کہ شادی میں دینے کے لیے سامان لے کر آئے ہوں گے۔ لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ صبح کا سوٹ الگ ہے، شام کا الگ ہے۔ نکاح کی شرکت کا سوٹ الگ ہے، ولیمہ کا الگ ہے۔ اسی طرح ہر سوٹ کے میچ میں جوتا چپل بھی الگ الگ ہے، یعنی بڑی بڑی اٹیچیوں میں مہمانوں کے ملبوسات تھے جس کو واپسی پر اپنے ساتھ لے کر چلے گئے۔

(۵) اسی طرح مستورات میں بے پردگی اور فیشن کا شوق، میک اپ کا رواج، مہنگے ملبوسات کی تزئین جس انداز سے وہاں دیکھنے کو ملی وہ ہندوستان میں کبھی دیکھنے کو نہیں ملی، یعنی ہندوستان کی مستوارت میں پردہ کا اہتمام، فیشن سے دوری، دینداری اس وقت زیادہ تھی، وہاں کے رنگ ڈھنگ پر یورپ و امریکہ کے فیشن کی پوری چھاپ پڑ چکی تھی۔

بعد میں وہاں کے مختلف شہروں میں جانا ہوا، بس اور ٹرین کے سفر کی بھی نوبت آئی، لیکن برقعہ صرف ایک جگہ نظر آیا حیدرآباد کے ریلوے اسٹیشن پر، انداز ہوا کہ وہ بھی ہندوستان کی کوئی بوڑھی عورت ہے جو وہاں گئی ہوئی تھی، اس کے علاوہ کہیں بھی برقعہ نظر نہیں آیا، اس صورت حال کو دیکھ کر بہت قلق و رنج ہوا اور ہندوستان کے ماحول و دینداری کی قدر محسوس ہوئی۔

جامعہ امدادیہ فیصل آباد کی زیارت

۱۹؍شعبان مطابق ۲۸؍ مارچ ۱۹۸۹ء منگل کے دن بعد نماز عصر مولانا عبد السلام صاحب امام جامع مسجد ٹیکنیکل پیپلز کالونی فیصل آباد کے ساتھ جامعہ امدادیہ جانا ہوا۔ یہ ادارہ اگرچہ فیصل آباد شہر کا نوخیز ادارہ تھا لیکن جامعہ کے بانی و مہتمم حضرت مولانا نذیر احمد صاحب کے خلوص وللّٰہیت، کاوش پیہم، سعیٔ بلیغ کی برکت سے بہت کم عرصہ میں جامعہ نے تعلیمی وتعمیری ترقی کے منازل طے کر لئے تھے اور طلباء کا بھی رجوع بکثرت ہونے لگا تھا۔

جامعہ کے بانی ایک طویل عرصہ تک دار العلوم فیصل آباد جو حضرت مفتی زین العابدین صاحب کا ادارہ تھا جس میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب ۱۹۷۹ء میں اعتکاف بھی فرما چکے تھے، اس میں شیخ الحدیث رہ چکے تھے اور طلباء وعوام وخواص میں اپنی سادگی اور بے نفسی کی وجہ سے مقبول تھے، لیکن کچھ وجوہات کے تحت وہاں سے مستعفی ہوکر اپنا ادارہ قائم فرمالیا۔

جب موصوف سے اس خادم کی ملاقات ہوئی تو بہت محبت سے پیش آئے، گویا کہ پرانی شناسائی ہو، مغرب کا جب وقت ہوا تو باصرار خادم ہی سے مغرب کی نماز پڑھوائی اور دیر تک محو گفتگو رہے اور بعد نماز مغرب خود بھائی شفیق کے مکان تک پہونچانے کے لئے آئے۔ اس کے بعد بار بار ملاقات کے لئے تشریف لاتے رہے اور اپنے مدرسہ میں بھی بلاتے رہے اور کئی مرتبہ بیان بھی کروایا۔ ایک مرتبہ ۱۴؍رمضان

مطابق ۲۱ر اپریل جمعہ کے دن جمعہ سے قبل بیان کروایا اور جمعہ کی نماز پڑھوائی اور جمعہ کے بعد ایک عیسائی نے خادم کے ہاتھ پر توبہ کر کے اسلام قبول کیا، اس کا نام عبداللہ رکھا۔ اس کے بعد عصر کے بعد بھی بیان کروایا، اس طرح کئی بار جامعہ امدادیہ میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی اور امامت وخطابت کا بھی موقعہ ملا۔

حیاتی ومماتی کا مسئلہ

جامعہ امدادیہ کی حاضری کے بعد مختلف مسائل پر تبادلہ خیال کے دوران یہ جانکر بہت حیرانی ہوئی کہ پاکستان کے مدارس اور علماء وطلباء میں ایک مسئلہ جو بہت زور وشور سے اور پوری شدت وقوت کے ساتھ رائج ہے وہ حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات سے متعلق بھی ہے۔ وہاں کے علماء اور طلباء دو گروہ میں منقسم ہیں، اکثر کا عقیدہ حیاۃ النبی کا ہے، لیکن بہت سے لوگ ممات النبی کے بھی قائل ہیں۔ چنانچہ ان دونوں گروپوں نے صرف علمی انداز ہی تک یہ اختلاف محدود نہیں رکھا بلکہ اختلاف کی شدت نے اپنی لپیٹ میں مدارس کے بیت الخلاء کو بھی لے رکھا ہے۔ چنانچہ بیت الخلاء کی دیواروں پر حیاتی مماتی کو اور مماتی حیاتی کو گالیاں لکھتے اور دیتے ہیں اور اس خادم کو بھی اس کا علم اسی سے ہوا جب جامعہ امدادیہ کے بیت الخلاء میں قضاء حاجت کے لئے گیا اور اس کی دیواروں پر مکتوب گالیاں نظر آئیں، واپسی پر جب خادم نے حضرت مولانا نذیر احمد صاحب سے اس کا تذکرہ کیا تب انہوں نے

پوری تفصیل بتلائی جس سے وہاں کے علماء اور طلباء کا یہ افسوسناک حال معلوم ہوا۔

اس سے پہلے ہندوستان میں کسی بھی ادارہ میں اس مسئلہ کا کوئی ذکر سننے کو نہیں ملا تھا، بلکہ دھیرے دھیرے جوں جوں وہاں کا قیام بڑھتا گیا وہاں کے ماحول میں رہنے اور چلنے پھرنے سے یہ اندازہ ہوا کہ حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا جو ارشاد ہے کہ میری امت میں تہتر فرقے ہوں گے وہ سارے فرقے سرزمین پاک میں موجود ہیں، قدم قدم پر عقیدے کا فرق، مسلک ومشرب کا فرق، زبان کی ترشی وتلخی دیکھنے میں آتی رہی اور ہر عقیدہ کا حامل اپنے عقیدے اور مسلک ومشرب میں اتنا سخت ملا کہ دوسرے کے عقیدہ کے بارے میں کچھ بھی وہ سننے کو تیار نہیں، جس ماحول سے یہ خادم ہندوستان میں بالکل نابلد تھا اور نہ ہی ان عقائد کا یہاں کوئی تذکرہ پایا جاتا تھا۔

ایک مرتبہ حضرات علماء کی مجلس میں اس خادم نے حضرت مولانا حسین احمد مدنی کا یہ قصہ سنایا جس کو حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی سے میں نے سنا تھا کہ حضرت مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں حدیث پاک کا درس دے رہے تھے، دوران درس حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کا مسئلہ زیر بحث آیا، حضرت مدنی علیہ الرحمہ نے پوری قوت اور دلائل کی روشنی میں حیات النبی کو ثابت فرمایا، لیکن شریک درس بعض طلباء جو ممات النبی کے قائل تھے وہ اخیر تک اس کے قائل نہیں ہوئے، بالآخر حضرت مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ نے قال کو چھوڑ کر حال کی طرف رجوع کیا اور تھوڑی دیر گردن جھکا کر بیٹھ گئے، اس توجہ اور تصرف باطنی کا یہ اثر ہوا کہ تمام طلباء نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ روضہ اقدس کی جالیاں ہٹ گئیں اور حضرت نبی پاک صلی اللہ

علیہ وسلم زندہ سلامت روضہ اقدس میں تشریف فرما ہیں، یہ منظر دیکھ کر طلباء حیران رہ گئے اور سوائے ماننے کے اور کوئی چارہ نہیں رہ گیا،تھوڑی دیر کے بعد حضرت مولانا حسین احمد مدنی نے سر اٹھایا اور پوچھا کہ حیاۃ النبی کے مسئلہ پر اب یقین آ گیا، چونکہ تمام طلباء اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھ کر دم بخود ہو چکے تھے،اس لئے سب نے بیک زبان یہ کہا کہ جی یقین آ گیا،اب ہمیں کوئی اعتراض حیاۃ النبی پر نہیں ہے۔

جب اس خادم نے یہ واقعہ سنایا تو تمام موجود علماء اس کو سن کر حیران رہ گئے اور ان سب نے اس کا اعتراف کیا کہ ہم لوگوں نے آج تک یہ واقعہ یہاں کسی کی زبان سے نہیں سنا،بعض علماء نے جب حوالہ جاننا چاہا تو حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی کا بتلایا ہوا حوالہ اس خادم نے نقل کر دیا کہ حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے انتقال کے بعد آپ کی حیات و خدمات پر مشتمل جمعیۃ علماء نے ایک شمارہ نکالا جس میں مختلف علماء کے لکھے ہوئے مضامین شائع ہوئے،انہیں مضامین میں سے ایک مضمون میں یہ واقعہ مذکور تھا۔

اسی کے ساتھ ایک حیران کن ماحول یہ بھی دیکھنے کو ملا کہ وہاں کے بڑے علماء نے اپنے گرد و پیش اتنا مضبوط اصولی آہنی دیوار قائم کر کے اس میں اپنے کو محبوس کر رکھا ہے کہ عوام امت کے لئے افادہ اور استفادہ کے لئے ان تک رسائی ممکن نہیں، وہاں کے علماء اور مشائخ کے اس انداز سے ملاقات کے لئے اس خادم کو بھی گزرنا پڑا، جس کو دیکھ کر بہت حیرانی ہوئی، چونکہ ہندوستان کے اس ماحول سے یہ خادم وہاں پہونچا تھا جہاں کے اکابرین ومشائخ کے گرد و پیش اس انداز کے حصار کا کوئی تصور بھی نہیں تھا،لوگ جس سے جب ملاقات کرنا چاہتے ملاقات کر لیتے تھے اور اپنے علمی وروحانی

تشنگی دور کر لیتے تھے، اس غیر اخلاقی آہنی حصار کا جو نتیجہ دیکھنے کو ملا وہ بہت افسوسناک تھا جس کا تذکرہ اس خادم نے وہاں کے بہت سے علماء سے کیا۔

علماء کے علاوہ عوامی سطح پر بہت سے لوگوں کے یہاں دعوتوں میں شرکت کرنے کا اتفاق ہوا، ان کی مجلسوں میں یہ خادم اپنے مزاج اور طبیعت کے مطابق خاموشی کے ساتھ کسی ایک گوشہ میں بیٹھ جاتا، حاضرین کھانے سے پہلے اور اس کے بعد تبادلہ خیال اور گفتگو میں مصروف رہتے، یہ خادم خاموشی کے ساتھ ان کی باتیں سنتا رہتا، ہر مجلس اور دعوت میں دو موضوع خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر پایا (۱) حکومت (۲) علماء اور مشائخ، لوگ اپنی مجلسوں میں بہت فراخ دلی کے ساتھ حکومت اور علماء ومشائخ پر تبصرہ وتنقید کرتے ہوئے نظر آئے جس سے یہ انداز لگا کہ یہاں کے عوام علماء ومشائخ سے بہت دور ہیں جس کا عکس ان کی مجلسوں میں نظر آرہا ہے اور اس کی وجہ علماء ومشائخ کا ملاقاتوں کے لئے اپنے گرد وپیش ان کا قائم کردہ وہ غیر اخلاقی اور خود ساختہ اصولی آہنی حصار ہے جس کی وجہ سے ان کی رسائی ان تک ممکن نہیں۔

اس کا بڑا سبب اس خادم نے یہ محسوس کیا کہ وہاں کے موجود علماء اور مشائخ کے پاس فتوحات کی کثرت اور مالی فراوانی اور تعیّشات کی فراوانی ووسعت ہے جس نے عوامی وابستگی سے ان کو دور کر دیا ہے، جس ماحول کا تصور ہندوستان کے علماء ومشائخ میں دور تک نہیں تھا، وہاں کے مسجدوں کے ائمہ کے پاس بھی الحمد للہ ہر طرح کے وسائل اور ذرائع موجود تھے، سواری سے لے کر اچھے ملبوسات، اچھی رہائش گاہ، اچھا کھانا اور پینا بکثرت دیکھنے کو ملا جس کا کلی طور پر ہندوستان میں فقدان تھا جس کا نتیجہ جو نکلنا چاہئے تھا یعنی عوام

سے دوری و بے رابطگی اور عدم احتیاج واستغنی یہ چیزیں وہاں دیکھنے کو ملیں۔

فیصل آباد سے کراچی کا سفر

۱۹۸۸ء کے سفر حج میں حاجی ابراہیم صاحب پہلوان کے قافلہ میں ملک خاقان بھی تھے جو حافظ ٹکسٹائل مل کے منیجر تھے اور نیک طبیعت پڑھے لکھے صلحاء شعار اور بہت زیرک تھے، خادم کے داعیوں میں وہ بھی تھے جب فیصل آباد پہونچنے کی ان کو اطلاع ملی تو کراچی آنے کا اصرار کرنے لگے۔ بہرحال بھائی شفیق نے فیصل آباد سے کراچی کا ۲۰ر شعبان مطابق ۲۹ر مارچ بدھ کے دن شام کا سپر ایکسپریس کے اے سی کا ٹکٹ بنوادیا اور ایک صاحب نے فیصل آباد اسٹیشن پہونچا دیا۔

جب ٹرین آئی تو اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا بوگی میں سیٹ صرف بیٹھنے والی تھی جبکہ سفر رات بھر کا تھا، سونے کی سیٹ اس میں نہیں تھی، پلیٹ فارم پر ٹرین دیر تک رہی، مغرب کی نماز کا وقت ہوگیا، خیال ہوا کہ وضو کر کے پلیٹ فارم پر مغرب کی نماز ادا کرلوں۔

چنانچہ جب وضوء کے لئے ٹرین میں گیا تو واش بیسن اتنا اونچا تھا کہ پاؤں اٹھا کر دھونا ممکن نہیں تھا، بہت پریشان ہوا، پوری بوگی مسلمانوں سے بھری تھی، اکثر بے داڑھی تھے، کچھ لوگ داڑھی والے بھی تھے، ایک صاحب جو داڑھی رکھے ہوئے تھے ان کے تھیلہ میں لوٹا نظر آیا، خادم نے یہ کہہ کر ان سے لوٹا مانگا کہ وضوء کرنا ہے لوٹا دیدیں، انہوں نے لوٹا دینے سے صاف انکار کر دیا، جواب سن کر بہت افسوس ہوا،

لیکن کسی طرح وضوء کیا۔نماز کے لئے مصلی میرے پاس تھا،سوچا کہ باہر نکل کر پلیٹ فارم پر نماز ادا کرلوں پلیٹ فارم پر درجنوں لوگوں سے قبلہ معلوم کیا لیکن کوئی نہیں بتلا سکا، لوگوں کی اسی لاعلمی پر بہت حیرت ہوئی کہ یہاں کے مسلمانوں کو قبلہ و کعبہ اور سمت کی بھی خبر نہیں ہے۔ بالآخر ایک صاحب نے قیمتی مشورہ دیا کہ اسٹیشن ماسٹر سے معلوم کرلیں جب ان کو تلاش کرتا ہوا ان کے پاس پہونچا تو انہوں نے فرمایا کہ پلیٹ فارم پر جو بجلی کے کھمبے لگے ہوئے ہیں ان میں سے کسی پر تیر کا نشان بنا ہوگا جو قبلہ کی نشانی ہے اس کو تلاش کرنے میں اچھا خاصا وقت لگا، بہر حال کسی طرح مغرب کی نماز سے فارغ ہوا، اس کے بعد دیر تک سوچتا رہا کہ ہمارے اسلاف و بزرگوں نے ایسے ہی مسلمانوں کے لئے اسلام کے نام پر اپنا خون بہا کر اور اپنی جان گنوا کر ملک بنایا۔

۲۱رشعبان مطابق ۳۰رمارچ جمعرات کے دن ڈھائی بجے دوپہر میں کراچی ریلوے اسٹیشن پر ٹرین پہونچی، اسٹیشن پر اترنے کے بعد ملک خاقان صاحب سے ملاقات ہوئی، کراچی جیسے معروف صنعتی شہر کے اسٹیشن اور پلیٹ فارم اور وہاں کھڑی ہوئی ٹرینوں کی حالت زار کو دیکھ کر یہ خادم حیران رہ گیا، ملک کی تقسیم سے پہلے پلیٹ فارم کی جو نوعیت تھی آزادی کو اتنی مدت گزرنے کے باوجود پلیٹ فارم کی خستہ حالی اور ٹرین کی بوگیوں کی بے حالی و بدحالی بزبان حال یہ بتا رہی تھی کہ یہاں کے حکمرانوں نے ملک کی فلاح و بہبود کے لئے کچھ بھی نہیں کیا، کراچی جیسے شہر کے پلیٹ فارم کا حال ہندوستان کے چھوٹے پلیٹ فارم سے بھی بدتر تھا، اور ٹرین کی بوگیوں میں وہی پرانی خستہ حالی برقرار تھی، البتہ ٹرینوں کے نام بھاری بھرکم ضرور نظر آئے جیسے شیخ بہاؤ

الدین زکریا ملتانی ایکسپریس، شاہین ایکسپریس، علامہ اقبال ایکسپریس وغیرہ۔

بہرحال ملک خاقان صاحب کے ساتھ ان کی فیکٹری حافظ ٹیکسٹائل مل پر پہونچا، شام کو عصر کی نماز مکی مسجد میں ادا کی اور عصر کے بعد فیکٹری کے مالک جناب فخر الدین صاحب کے مکان پر جانا ہوا جو لالہ زار نامی علاقہ میں تھا، یہ علاقہ سمندر کے کنارے وی، آئی، پی لوگوں کا تھا جہاں بڑے بڑے تجار کے مکانات اور ان کی رہائش گاہیں تھیں رات کا قیام انہیں کے مکان پر رہا۔

دوران گفتگو معلوم ہوا کہ ان کے والد محترم ہندوستان کے صوبہ یوپی کے ضلع بارہ بنکی کے رہنے والے تھے، ملک کی تقسیم کے بعد وہ کراچی ہجرت کر کے آ گئے، کچھ عرصہ کے بعد انہوں نے محنت کر کے روئی سے دھاگہ بنانے والی فیکٹری ڈالی جس سے کپڑا تیار کیا جاتا تھا، کچھ عرصہ کے بعد اللہ نے اس میں برکت ڈالی اور بعد میں دھاگہ بنانے والی بڑی فیکٹریوں کے زمرے میں اس کا شمار ہونے لگا، فیصل آباد اور اس کے گردونواح کی ایجنسی اس فیکٹری کے دھاگوں کی بھائی شفیق کے پاس تھی اور الحمدللہ فیکٹری کی ترقی کے ساتھ بھائی شفیق کا کاروبار بھی عروج پر تھا۔

دوران گفتگو فخر الدین صاحب نے پہلی اور سب سے اہم بات یہ کہی کہ مفتی صاحب کراچی میں کہیں بھی جانا آنا ہو دن میں آئیں جائیں۔ مغرب سے پہلے رہائش گاہ پر لازمی طور پر پہونچ جایا کریں، سورج ڈوبنے کے بعد یہاں کا ماحول کہیں آنے جانے کے لائق نہیں ہے، میں ان کی یہ بات سن کر حیران رہ گیا، چونکہ میں جس ملک سے وہاں گیا تھا اس ملک میں بلاخوف وخطر رات کے بارہ بجے ایک بجے،

دو بجے کسی بھی شہر یا دیہات یا کسی بھی شہر کی گلی کوچوں میں بلا تکلف چلتا پھرتا تھا اور کوئی بھی خطرہ کبھی بھی محسوس نہیں ہوتا تھا۔

دوسرے دن ۲۲؍ شعبان مطابق ۳۱؍ مارچ جمعہ کے دن ملک خاقان صاحب کے ساتھ جناب فخر الدین صاحب کی قیام گاہ لالہ زار سے نکل کر بذریعہ ذاتی گاڑی میمن مسجد کراچی پہونچا اور جمعہ کی نماز رضاء المصطفی اعظمی کے پیچھے کراچی کی معروف مسجد ''نیو میمن مسجد'' میں ادا کی، جمعہ کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد گلشن اقبال میں حکیم اختر صاحب کی خانقاہ، خانقاہ امدادیہ پہونچا اور عصر کی نماز وہاں ادا کی، عصر کی نماز کے بعد حکیم صاحب کے برخوردار مولانا مظہر صاحب سے تفصیلی ملاقات ہوئی اور مغرب کی نماز سے پہلے وہاں سے نکل کر مغرب کی نماز راستہ میں ادا کرتے ہوئے بعد نماز مغرب مولانا یحیٰی صاحب مدنی خلیفہ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کے مدرسہ المعہد الخلیل بہادر آباد میں پہونچا، تھوڑی دیر ان سے ملاقات کرنے کے بعد فوراً وہاں سے لالہ زار کے لئے واپسی ہوگئی، عشاء کی نماز لالہ زار میں ادا کی اور رات کا قیام جناب فخر الدین صاحب کے مکان پر رہا۔ ۲۳؍ شعبان مطابق یکم اپریل سنیچر کے دن ایک بجے دوپہر دار العلوم کورنگی حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کے قائم کردہ دار العلوم پہونچا، جس وقت خادم کی گاڑی دار العلوم میں پہونچی، حضرت مولانا تقی صاحب عثمانی کار میں بیٹھ کر کہیں تشریف لے جا رہے تھے، خادم کو دیکھ کر وہ کار سے اترے، مصافحہ و معانقہ ہوا، تھوڑی دیر کھڑے کھڑے خیر خیریت ہوئی، اس کے بعد وہ اپنے پروگرام کے لئے روانہ ہوگئے اور اس خادم نے ایک رہبر کے ساتھ

دارالعلوم اوراس کے کتب خانہ، ادارۃ المعارف اور دارالافتاء کواطمینان سے دیکھا، ظہر کی نماز وہیں ادا کی اس کے بعد دارالعلوم کے احاطہ میں موجود قبرستان میں جانا ہوا جہاں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب وڈاکٹرعبدالحی صاحب ومولانا سعید احمد اکبرآبادی وغیرہ مدفون تھے، فاتحہ خوانی اور ایصال ثواب کے بعد تین بجے وہاں سے روانہ ہوکر گلشن اقبال پہونچا اور عشاء کی نماز وہاں ادا کی۔

۲۴؍شعبان مطابق ۲؍اپریل اتوار کے دن مدرسہ ریاض العلوم گورینی کے لئے دس ہزارروپئے کی کتابیں خریدیں جس کے کئی بنڈل ہوگئے اور جس کے لئے کافی محنت اورزحمت اس خادم کواٹھانی پڑی، لیکن اس وقت اس خادم کو بے پناہ دکھ اورافسوس ہوا جب اتنی ساری مشقت جھیل کر مدرسہ ریاض العلوم کے کتب خانہ میں ان نایاب ونایافت کتابوں کا ذخیرہ پہونچا تو کسی کو بھی جزاک اللہ کہنے کی بھی توفیق نہیں ہوئی۔

بہرحال کتابوں کی خریداری اور پیکنگ کے بعد ساڑھے گیارہ بجے دوپہر میں ناظم آباد مفتی رشید احمد صاحب کی ملاقات کے لئے حاضری ہوئی، لیکن ان کی ملاقات کے مقرر کردہ اصول وضوابط کے خلاف اس خادم کی حاضری ہوئی تھی، اس لئے ان کی زیارت وملاقات سے محرومی رہی، باقی اس سے ہٹ کر ان کی بناء کردہ عمارت اور مسجد اور دارالافتاء وغیرہ کی زیارت ضرور ہوئی اس کے بعد گلشن اقبال واپسی ہوگئی۔ وہاں پہونچ کر کتابوں کا بنڈل ساتھ لے کر عصر کی نماز کے بعد لالہ زار کے لئے روانہ ہوگیا اور رات کا قیام جناب فخرالدین صاحب کے مکان پر رہا۔

۲۵؍شعبان مطابق ۳؍اپریل سوموار کے دن صبح دس بجے لالہ زار سے

بذریعہ کار کراچی اسٹیشن آیا اور علامہ اقبال ایکسپریس کے ذریعہ فیصل آباد کے لئے کراچی سے روانگی ہوئی جو ساڑھے گیارہ بجے کراچی سے چلی اور کل ہو کر ساڑھے دس بجے فیصل آباد پہونچی، ملک خاقان صاحب کراچی ریلوے اسٹیشن پر جس طرح سے لینے کے لئے آئے تھے پہونچانے کے لئے بھی آئے اور بہت محبت کے ساتھ اس خادم کو کراچی سے رخصت کیا۔

۲۶/شعبان مطابق ۴/اپریل ساڑھے دس بجے دن میں علامہ اقبال ایکسپریس فیصل آباد پہونچی، بھائی شفیق کا ڈرائیور گاڑی لے کر اسٹیشن پر موجود تھا، بخیر و عافیت کتابوں کے بنڈل کے ساتھ بھائی شفیق کے مکان پر پہونچ گیا، چونکہ اسی دن رات میں پشاور کا سفر تھا، اس لئے دن بھر بھائی شفیق کے مکان پر قیام کے بعد رات میں ساڑھے گیارہ بجے جمیل بھائی لاہوری کے ساتھ فلائنگ کوچ کے ذرریعہ پنڈی کے لئے روانگی ہوئی، پنڈی پہونچ کر دوسری فلائنگ کوچ کے ذریعہ پشاور کے لئے روانگی ہوئی۔

فیصل آباد سے پشاور کا سفر

پنڈی پہونچنے کے بعد وہاں کے موجود ہوٹل کے کئی ورکر اس خادم کے گرد و پیش آ کر جمع ہو گئے اور بہت محبت کے ساتھ کوچ سے اتار کر ہوٹل میں لے گئے اور بہت ہی عزت کے ساتھ ممتاز کرسی پر بیٹھا کر چائے وغیرہ سے خاطر تواضع کی اور بہت ادب و احترام کے ساتھ رجسٹر تاثرات پر تاثرات لکھوائے اور انتہائی محبت کے ساتھ

کوچ میں لاکر بٹھایا اور جب تک کوچ کی روانگی نہیں ہوئی وہ گرد و پیش کھڑے رہے، رات ہونے کی وجہ سے یہ خادم بین النوم والیقظہ تھا، لیکن اس خواب کی تعبیر سمجھ میں نہیں آئی، پشاور پہونچ کر جب بھائی شفیق احمد صاحب سے ملاقات ہوئی تو خواب سن کر بہت زور سے ہنسے اور کہنے لگے کہ ہوٹل کا مالک انیس ستارہ والے کا دوست تھا، انہوں نے فون کر کے یہ کہہ دیا تھا کہ فلاں کوچ کے ذریعہ ہمارے ایک بزرگ پشاور جارہے ہیں ان کے اکرام اور خاطر تواضع میں کوئی کمی نہیں ہونی چاہئے، اس کا یہ اثر تھا جو آپ نے پنڈی میں دیکھا، تب اس خواب کی تعبیر خادم کے سمجھ میں آئی۔

۲۷؍شعبان مطابق ۵؍اپریل بدھ کے دن صبح دس بجے پشاور پہونچنا ہوا اور پشاور کے معروف و مشہور ہوٹل ''الامین ہوٹل'' میں سارے مہمانوں کے ساتھ اس خادم کا بھی قیام رہا، یہ ہوٹل حاجی امین خاں صاحب جو پشاور کے بڑے لوگوں میں شمار ہوتے ہیں ان کا ذاتی ہوٹل تھا، شاہانہ انداز سے انہوں نے سارے مہمانوں کی بھرپور ضیافت کی اور جی بھر کر سب کی خدمت کی۔

دوپہر کے وقت مہمانوں کے لئے پورا دنبہ ذبح کیا اور زبردستی ضرورت سے زیادہ سب کو کھلایا اور کہا کہ یہاں کے پانی میں یہ خوبی ہے کہ جتنا بھی کھالیں لیکن یہاں کا پانی چند گھنٹوں میں سارا کھانا ہضم کر دیتا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کچھ کھایا ہی نہیں اور پھر بھوک لگ جاتی ہے، اس خادم نے میزبان کی گفتگو کو مزاح پر محمول کیا لیکن ان کی بات مبنی بر حقیقت نکلی چند گھنٹوں کے آرام کے بعد ایسا محسوس ہوا جیسے کچھ کھایا نہیں۔ بہر حال پورے دن الامین ہوٹل میں قیام رہا، شام کے وقت پشاور کی مارکیٹ کی

سیر کی اور ایک چادر اور سیاہ پگڑی سفید دھاری والی خریدی جو آج بھی موجود ہے۔

پشاور میں دینداری اچھی نظر آئی، چہروں پر داڑھیاں بھی بکثرت نظر آئیں اور نمازوں کا اہتمام بھی نظر آیا، مسجدیں بھری ہوئی تھیں، خواتین میں پردہ کا اہتمام بھی دکھائی دیا، لوگوں کی صحت بھی اچھی تھی، ہر عمر کے لوگوں کے چہرے سرخ انار کے دانوں کی طرح کھلے ہوئے نظر آئے۔

۲۸/شعبان مطابق ۶/اپریل جمعرات کے دن ۱۰/: بجے دن میں جمرو روڈ خیبر مارکیٹ پورا قافلہ گیا جہاں باہر کی ہر چیز مارکیٹ میں دستیاب تھی، لوگوں نے اپنی اپنی پسند کی چیزیں خریدیں، خادم نے ایک ٹارچ ایک چشمہ کا فریم ایک مچھر مارنے والی مشین خریدا، وہاں سے ایک بجے الامین ہوٹل واپسی ہوگئی، کھانے سے فارغ ہوکر آرام کرکے بعد عصر اسلام آباد کے لئے روانگی ہوگئی، رات میں اسلام آباد میں قیام رہا۔

۲۹/شعبان مطابق ۷/اپریل جمعہ کے دن جمعہ سے قبل اسلام آباد کی مشہور مسجد ''الفیصل مسجد'' کی زیارت کی اور اسی کے متصل جنرل ضیاء الحق مرحوم کی قبر پر فاتحہ خوانی کی، اس کے بعد جمعہ سے قبل پنڈی کے لئے روانگی ہوگئی، جمعہ کی نماز پنڈی میں ادا کی، بعد نماز جمعہ ۲/بجے فلائنگ کوچ کے ذریعہ فیصل آباد کے لئے روانہ ہوگئے اور رات میں ساڑھے نو بجے فیصل آباد پہونچ گئے۔

۸/اپریل شنبہ سے رمضان شروع تھا، اس لئے یہ طے پایا کہ یہ خادم بھائی شفیق کے مکان کے سامنے لان میں تراویح پڑھائے گا، اہل خانہ اور محلّہ کے کچھ افراد تراویح میں شریک ہوئے۔ ۱۹/رمضان مطابق ۲۶/اپریل چہار شنبہ کو تراویح جو

گھر پر ہو رہی تھی ختم ہوگئی اور سامعین نے تراویح کو بہت پسند کیا، چونکہ وہاں کے حفاظ دو گھنٹہ میں ایک پارہ کی تراویح مکمل کرتے تھے، ان کے پڑھنے کا انداز بہت سلو تھا اور یہ خادم ایک گھنٹہ سے کم میں دو پارہ کی تراویح مکمل کرا دیا کرتا تھا، خادم کے پڑھنے میں سہارنپور والی روانی تھی اس کے ساتھ تلفظ اور ادائیگی میں کوئی فرق نہیں آتا تھا، روانی کے باوجود سامعین کو قرآن کریم کے سننے کا بھرپور لطف آتا تھا۔

آخری عشرہ کا اعتکاف

بھائی شفیق کا مکان پیپلز کالونی میں تھا، اس کالونی کے رہنے والے عموماً شائستہ اور سنجیدہ اور پڑھے لکھے لوگ تھے، ان کے مکان کے پورب اور اتر طرف بڑا سا گراؤنڈ تھا جس کے چاروں طرف گاڑیوں کی آمد ورفت کے لئے سڑک بنی ہوئی تھی اور اسی کے کونے پر جامع مسجد ٹیکنیکل کے نام سے کشادہ اور بڑی مسجد تھی جو نمازیوں سے اکثر بھری رہتی تھی، بھائی شفیق کے مکان سے قریب تر وہی مسجد تھی، اس لئے پنجوقتہ نمازوں کے لئے اس خادم کا بھی آنا جانا وہیں ہوتا تھا، کثرت آمد ورفت کی وجہ سے امام صاحب کے علاوہ اکثر نمازیوں سے تعارف ہوگیا تھا اور اکثر لوگ یہ جان گئے تھے کہ میں بھائی شفیق کا مہمان ہوں، ہندوستان سے آیا ہوں اور انہیں کے مکان پر قیام ہے۔

کل ہو کر چونکہ رمضان کی ۲۰؍تاریخ تھی اور آخری عشرہ کے اعتکاف کی

نیت چونکہ اس خادم نے کرلیا تھا، اس لئے مشورہ میں یہ طے پایا کہ ٹیکنیکل اسکول کی جامع مسجد میں اعتکاف کرلیا جائے، چونکہ وہ محلّہ کے قریب کی مسجد ہے اور وہاں افطاری کھانا اور سحری پہونچانا بھی آسان ہے اور وہاں کے لوگ فی الجملہ متعارف بھی ہیں۔ چنانچہ ۲۰/رمضان مطابق ۲۷/اپریل جمعرات کے دن عصر سے پہلے یہ خادم ٹیکنیکل اسکول کی جامع مسجد میں اعتکاف کی نیت سے پہونچ گیا، جب دوسرے لوگوں کو اس کی اطلاع ملی تو درجنوں لوگ غروب سے پہلے اپنا اپنا بستر لے کر اعتکاف کے لئے آ گئے۔ اس طرح درجنوں معتکفین اس خادم کے ساتھ شریک اعتکاف ہوگئے، پہلی ہی شب میں اس خادم سے معتکفین میں سے تین افراد (۱) مولانا حافظ محمد اسلم (۲) محمد بلال (۳) محمد ندیم بیعت ہوگئے اور پوری شان کے ساتھ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کی خانقاہ میں چلنے والے معمولات کے مطابق قدرے حذف واضافہ کے ساتھ سارے معمولات شروع ہوگئے۔

آخری عشرہ کے اعتکاف کے معمولات یومیہ

(۱) بعد نماز فجر درس حدیث جو وہاں کے روزانہ کے معمول کا جز تھا یہ درس بھی روزانہ فجر کی نماز کے بعد دعاء سے پہلے یہ خادم ہی دیا کرتا تھا جو پندرہ منٹ کا ہوتا تھا، اس کے بعد پوری مسجد کی لائٹ بند کردی جاتی تھی اور تمام معتکفین بارہ بجے تک آرام کرتے تھے، اس کے بعد ظہر سے پہلے اٹھ کر انفرادی معمولات میں لگ جایا کرتے تھے۔

(۲) ظہر کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد اجتماعی طور پر ختم خواجگان کا اہتمام ہوتا تھا، اس کے بعد اجتماعی دعاء ہوتی تھی، اس پروگرام میں معتکفین کے علاوہ اکثر نمازی شرکت کیا کرتے تھے، اس سے فارغ ہونے کے بعد درس قرآن کی مجلس ہوتی تھی جو تقریباً ایک سوا گھنٹہ تک چلا کرتی تھی، اس کے بعد معتکفین کچھ آرام کرتے تھے اور کچھ انفرادی اعمال میں لگ جاتے تھے۔

(۳) عصر کی نماز کے بعد اجتماعی طور پر حدیث پاک کا درس ہوتا تھا جس میں معتکفین کے علاوہ دوسرے نمازی بھی شرکت کیا کرتے تھے۔ اس سے فارغ ہونے کے بعد افطاری تک اجتماعی ذکر کی مجلس ہوتی تھی، اس کے بعد مغرب کی اذان ہوتی اور سب لوگ افطاری میں مصروف ہو جاتے، مغرب کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد اوابین کا سبھی حضرات اہتمام کرتے تھے اور عشاء سے پہلے کھانے وغیرہ سے فارغ ہو جایا کرتے تھے، تراویح سے فارغ ہونے کے بعد بارہ بجے تک تقریباً ایک ڈیڑھ گھنٹہ ماکولات ومشروبات کا دور چلتا تھا۔

(۴) اور ساڑھے بارہ بجے سے سحری تک تقریباً ڈھائی تین گھنٹہ عمومی علمی مجلس ہوا کرتی تھی جس میں معتکفین کے علاوہ تقریباً تیس چالیس فیصل آباد کے فیکٹریوں کے مالک بڑے تجار پابندی سے شرکت کیا کرتے تھے جن کے داعی محمد ادریس اور محمد انیس ستارہ ٹیکسٹائل والے ہوا کرتے تھے، چند مجلسوں میں شرکت کے بعد بہت شوق اور اہتمام سے بڑے گھرانوں کے بڑے تجار کے نوجوان از خود آنے لگے اور اپنے ساتھ دوسرے اپنے دوستوں کو لانے لگے اور یہ نوجوان تجار مختلف انداز کے علمی

سوالات کرتے تھے اور تشفی بخش جواب پا کر بہت مطمئن ہوتے تھے اور ان سب کو اس بات پر بہت حیرت تھی کہ آپ اتنے بڑے عالم، مفتی اور شیخ الحدیث ہونے کے باوجود اس قدر بے تکلف ہیں اور اپنے پاس بیٹھنے کا موقعہ دیتے ہیں اور علمی افادہ واستفادہ سے ہمیں سرفراز فرماتے ہیں، اتنا علم اور فضل وکمال رکھنے والے ہمارے یہاں جو چند علماء ہیں ان تک ہماری رسائی ممکن نہیں، چہ جائیکہ ہم ان کے پاس پہونچ کر اس طرح بیٹھ کر علمی استفادہ کرسکیں۔ بہرحال روزانہ تہجد کی نماز اور سحری سے ایک گھنٹہ پہلے تک یہ علمی مجلس چلتی تھی، اس کے بعد غیر معتکف حضرات اپنے گھروں کو سحری کے لئے چلے جایا کرتے تھے اور معتکف حضرات تہجد کی تیاری میں مصروف ہوجاتے، اس کے بعد اجتماعی اور انفرادی طور پر سحری تک تہجد اور دعاء میں مصروف رہتے، سحری سے فارغ ہونے کے بعد فجر کی اذان ہوتی، اس کے بعد فجر کی نماز سے فارغ ہوتے۔

اس طرح مذکورہ بالا معمولات کے ساتھ آخری عشرہ کے اعتکاف کا نظام چلتا رہا اور معتکفین کے علاوہ دوسرے حضرات بھی اس سے بھرپور استفادہ کرتے رہے۔

ختم قرآن کی تقریب

۲۶ / رمضان مطابق ۳ / مئی بدھ کے دن یعنی ستائیسویں شب میں امام صاحب نے تراویح میں قرآن کریم کو مکمل کیا، ختم کے بعد مختصر تقریب منعقد ہوئی جس میں قرآن پاک اور اس کی عظمت واہمیت اور فضیلت پر اس خادم کا ایک گھنٹہ بیان ہوا

اور خادم ہی کی دعا پر مجلس اختتام پذیر ہوئی۔

ایک نئی چیز جو اس خادم کو دیکھنے کو ملی جس کو دیکھنے کا اتفاق ہندوستان میں کبھی نہیں ہوا تھا وہ یہ کہ ختم قرآن کے دن پوری مسجد بھری ہوئی تھی، پروگرام ختم ہونے کے بعد تمام نمازیوں نے امام صاحب سے مصافحہ شروع کیا جس میں ہر طبقہ کے لوگ تھے، بوڑھے جوان کے ساتھ بچے بھی بہت تھے، سب نے از خود لائن لگا کر قطار میں کھڑے ہو کر بہت اہتمام اور محبت سے امام صاحب سے سلام و مصافحہ کیا اور ہر ایک نے امام صاحب کو بند لفافہ پیش کیا، حاضرین میں کوئی ایسا نہیں تھا جس نے امام صاحب کو لفافہ نہ پیش کیا ہو، یہ منظر اس خادم کے لئے بالکل نیا تھا، ہندوستان کی کسی بھی مسجد میں یہ منظر دیکھنے کو نہیں ملا، مقتدیوں کی طرف سے حافظ قرآن اور تراویح پڑھانے والے کی ہمت وحوصلہ افزائی وہاں کے لوگوں کی قابل قدر اور قابل تقلید تھی جو ہندوستان کے ماحول میں نایاب اور کم یافت تھی، اسی کے ساتھ دوسری چیز یہ بھی دیکھی کہ ختم قرآن کے دن جتنے لوگ مسجد میں شرکت کے لئے آئے وہ سب کے سب اچھے لباس زیب تن کئے ہوئے تھے، جیسے عید کی نماز پڑھنے کے لئے سب آئے ہوں، ختم قرآن کے لئے یہ اہتمام بھی وہاں کے لوگوں کا بہت اچھا لگا جو ہندوستان میں کبھی دیکھنے کو نہیں ملا۔

تذکرہ اجازت وخلافت

۲۷؍رمضان ۱۴۰۹ھ مطابق ۴؍مئی ۱۹۸۹ء جمعرات کے دن صبح کو بعد نماز فجر

پانچ بجے اس خادم نے جامع مسجد ٹیکنیکل اسکول کے امام وخطیب جناب مولانا حافظ وقاری عبدالسلام صاحب کو اجازت بیعت سے سرفراز کیا، اس طرح وہ اس خادم کے خلیفہ اول قرار پائے۔ اور اسی دن بعد نماز عشاء وتراویح ساڑھے بارہ بجے شب میں جامع مسجد ٹیکنیکل اسکول ہی میں اعتکاف کی حالت میں جناب حافظ وقاری محمد یٰسین صاحب ملتانی جو فیصل آباد میں حفظ کے معروف ومقبول استاذ تھے ان کو اس خادم نے اجازت بیعت وخلافت سے سرفراز کیا، اس طرح موصوف اس خادم کے خلیفہ ثانی قرار پائے۔

۲۹ رمضان مطابق ۶ رمئی سنیچر کے دن غروب آفتاب کے بعد طلوع قمر کے مشاہدہ اور اعلان کے ساتھ آخری عشرہ کا اعتکاف اختتام پذیر ہو گیا، تھوڑی ہی دیر کے بعد معتکفین کے تمام اعزاء خورد وکلاں پھولوں کا ہار لے کر مسجد میں آگئے اور سب نے اپنے اپنے اعزاء کو اعتکاف کی مبارکباد پیش کی، گلے میں ہار پہنایا اور بہت عزت واحترام کے ساتھ نوشہ کی طرح گاڑیوں میں بیٹھا کر اپنے اپنے گھر لے گئے، یہ منظر اور یہ لوگوں کی خوشی اور معتکفین کی ہمت وحوصلہ افزائی دیکھ کر بہت خوشی ہوئی اور وہاں کے لوگوں کا یہ انداز بہت اچھا لگا، چونکہ اس انداز کی مسرت کا اظہار اہل خانہ کی طرف سے ہندوستان میں کبھی دیکھنے کو نہیں ملا تھا، اس خادم نے تمام معتکفین سے جاتے ہوئے یہ کہہ دیا کہ گھر پہونچ کر گھر والوں سے مل کر عشاء کی نماز میں سب لوگ مسجد آجائیں، چونکہ آج کی رات بھی اہم رات ہے، اس لئے اس رات کو بھی مسجد ہی میں جگ کر عبادت میں گزارنا ہے۔ چنانچہ سبھی معتکفین عشاء کی نماز میں مسجد پہونچ گئے، سارے معتکفین کے جانے کے بعد بچ گیا، یہ خادم جس کا وہاں نہ مکان تھا نہ اہل خانہ کہ جن سے ملنے کے لئے میں جاتا، یہ

احساس ابھی بیدار ہو ہی رہا تھا کہ اتنے میں حاجی غفور اور حاجی بشیر برادران کے دولڑ کے جن کا مکان جامع مسجد کے قریب ہی میں تھا محمد ادریس اور محمد انیس ہار لے کر مسجد پہونچے اور خادم کے گلے میں ہار ڈالتے ہوئے مبارکباد پیش کی اور اپنے ساتھ گاڑی میں بیٹھا کر اپنے گھر لے گئے اور وہاں پہونچ کر مختلف انداز کے ماکولات ومشروبات سے مستفید کروایا، ان دونوں برادران کی ذہانت وذکاوت پر اس خادم کے دل سے دعاء نکلی، چونکہ انہوں نے یہ محسوس کیا کہ مفتی صاحب کا یہاں کوئی نہیں ہے، تو ہمیں اپنائیت کا پورا ثبوت دینا چاہیئے اور مسجد پہونچ کر ان کو اپنے گھر لانا چاہیئے۔

چونکہ یہ دونوں برادران محمد ادریس اور محمد انیس اور ان کے تیسرے بھائی محمد طارق اس خادم کی علمی گہرائی اور گیرائی سے علمی افادہ اور استفادہ کے ذریعہ بہت زیادہ قریب اور مانوس ہو چکے تھے اس لئے انہوں نے اپنی قربت کا حق ادا کیا۔ بہر حال عشاء کی نماز کے بعد اس خادم نے تمام معتکف ساتھیوں کو لے کر پوری مسجد کی صفائی کروائی، چونکہ پوری مسجد پھول کی پنکھڑیوں سے بھر گئی تھی اس لئے صفائی کی ضرورت تھی، اس کے بعد کا وقت فجر تک سارے ساتھیوں نے ذکر، عبادت اور تلاوت میں لگایا اور فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھ کر اپنے گھروں کو واپس ہو گئے۔

عیدالفطر کا دن اور عید کی نماز

جن کی ملاقات رمضان سے قبل ہوچکی تھی اور رمضان سے قبل اور رمضان میں کئی مرتبہ اس خادم کا جامعہ میں بیان کروا چکے تھے، اور عوام وخواص نے بیان کو بہت پسند کیا تھا، نیز حضرت مولانا اس خادم سے کافی مانوس اور قریب ہو چکے تھے، اس لئے ان کی یہ خواہش ہوئی کہ عید الفطر کی نماز میں ان کے جامعہ کی مسجد میں ادا کروں اور امامت وخطابت کے فرائض انجام دوں۔ چنانچہ یہ خادم ان کی خواہش اور اصرار پر عید الفطر سے قبل جامعہ پہونچا اور نماز سے پہلے ہزاروں کے مجمع میں بیان کیا اور عید کی نماز بھی پڑھائی، عید کے بعد دعوتوں کا سلسلہ شروع ہوا اور کئی حضرات نے دعوت کی ان کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے ان کے گھروں پر جانا ہوا اور ان حضرات کی دعوت کھانی پڑی۔

حافظ لدھیانوی کو اجازت وخلافت

۲رشوال مطابق ۸رمئی دوشنبہ کے دن شام کے وقت حافظ لدھیانوی صاحب بھائی شفیق کے مکان پر آئے اور رات میں انھیں کے یہاں قیام کیا، حافظ صاحب موصوف اصلاً تو ہندوستان کے لدھیانہ کے تھے لیکن تقسیم ملک کے وقت ہجرت کر کے وہ پاکستان چلے گئے اور فیصل آباد میں قیام پذیر ہوگئے، پاکستان کے اونچے اور قادر الکلام اچھے شعراء میں ان کا شمار ہوتا تھا، ان کے کلام پر مشتمل کئی کتابیں وہاں شائع ہوچکی تھیں جن کو لے کر وہ آئے اور اس خادم کو پیش کیں، ان کا روحانی تعلق حضرت شاہ عبد القادر صاحب رائپوری سے تھا، ان کے بتلائے ہوئے معمولات

اور وظائف کے وہ پابند تھے، صلحاء شعار اور نیک سیرت لوگوں میں ان کا شمار ہوتا تھا اور بزرگوں سے بہت گہری عقیدت و محبت رکھتے تھے۔

۳؍شوال ۱۴۰۹ھ مطابق ۹؍مئی ۱۹۸۹ء منگل کے دن صبح کو چار بجے تہجد کی نماز کے بعد اس خادم نے ان کو اجازت و خلافت سے سرفراز کیا، اس طرح فیصل آباد میں اس خادم کے یہ تیسرے خلیفہ ہوئے۔ چند روز کے قیام کے بعد ہندوستان کی واپسی کا نظام بن گیا۔

فیصل آباد سے ہندوستان کی واپسی

چنانچہ ۷؍شوال مطابق ۱۳؍مئی سنیچر کے دن فیصل آباد سے لاہور کے لئے روانگی ہوئی اور بھائی شفیق کے عزیز حاجی شبیر احمد صاحب کے مکان پر چند روز قیام رہا۔

۸؍شوال مطابق ۱۴؍مئی حاجی شبیر احمد صاحب کے برخوردار عمران احمد کے ساتھ مولانا عبدالقادر صاحب آزاد امام وخطیب شاہی مسجد لاہور سے مغرب کے بعد ان کے مکان پر ملاقات ہوئی، چونکہ مولانا آزاد سے ایک سال قبل حج کے موقعہ پر مکہ مکرمہ میں ملاقات ہو چکی تھی اور انہوں نے اصرار کے ساتھ اس کی دعوت دی تھی کہ جب آپ کا آنا فیصل آباد ہو تو مجھ سے ضرور ملاقات کریں، مکہ میں ہوئے وعدے کے ایفاء کے تحت یہ خادم ان کے مکان پر حاضر ہوا، ملاقات کے بعد وہ پہچان گئے اور مختلف موضوع پر تفصیلی گفتگو ہوئی، مولانا آزاد کا شمار پاکستان کے بڑے علماء میں ہوتا

تھا، زبان بہت اچھی تھی، معلومات بھی بہت وسیع رکھتے تھے، بہت خوش مزاجی کے ساتھ ملے اور بہت خوشگوار ملاقات رہی، لاہور کی جامع مسجد میں مغرب کی نماز ادا کرنے کی سعادت بھی اس خادم کو حاصل ہوئی۔

۱۰ر شوال مطابق ۱۶ر مئی منگل کے دن بھائی شفیق فیصل آباد والے اور محمد انیس ستارہ ٹیکسٹائی مل والے فیصل آباد سے آئے اور لاہور سے بھائی جمیل اور عمران احمد پسر حاجی شبیر احمد صاحب، یہ چاروں حضرات اس خادم کو لے کر گاڑی کے ذریعہ واگہ بارڈر پہونچے اور بارڈر پر موجود جناب خالد احمد صاحب اور اشرف صاحب سے ملاقات کرائی جنھوں نے بہت محبت اور عزت کے ساتھ بارڈر کراس کرواکر ہندوستان میں داخل کروایا اور ہندوستان کے بارڈر پر موجود افسران سے یہ کہہ دیا کہ یہ ہمارے بہت خصوصی بزرگ مہمان ہیں، ان کا خیال رکھنا۔ چنانچہ ان حضرات نے بھی بہت محبت اور اخلاص کے ساتھ بارڈر کراس کروا دیا اور بارڈر پر کسی طرح کی زحمت نہیں اٹھانی پڑی، البتہ مدرسہ ریاض العلوم گورینی کے کتب خانہ کے لئے میں نے جوشوق میں کئی بنڈل کتابیں خریدی تھیں وہ کتابیں ہر جگہ بوجھ بنی رہیں، اس کی وجہ سے ہر جگہ زحمت اٹھانی پڑی، لیکن ''ان اجری الا علی اللہ'' کے تناظر میں انشاء اللہ اہل مدرسہ کے ناسپاسی کے باوجود اس خادم کو اس کا اجر ملے گا۔

واگہ بارڈر سے امرتسر اسٹیشن پہونچا اور قلی کے ذریعہ پنجاب میل کا ٹکٹ حاصل کیا اور وقت مقررہ پر امرتسر سے ٹرین روانہ ہوئی اور کل ہو کر ۱۱ر شوال مطابق ۱۷ر مئی بدھ کے دن بھدوہی پہونچا، بھدوہی سے کل ہو کر مدرسہ ریاض العلوم گورینی پہونچ گیا۔

۱۴؍شوال مطابق ۲۰؍مئی سنیچر کے دن سے مدرسہ ریاض العلوم کھل گیا اور داخلہ کی کاروائی شروع ہوگئی اور یہ خادم مدرسہ کے دیگر امور میں حسب سابق مصروف ہوگیا، داخلہ کی کاروائی مکمل ہونے کے بعد تعلیم کا آغاز ہوا یہ خادم ہمہ تن تدریس میں مصروف ہوگیا۔

روضہ مہولی ضلع بستی کا سفر

شوال اور ذیقعدہ میں تدریسی انہماک کے ساتھ علاقائی پروگرام بھی ہوتے رہے ان پروگراموں میں ایک پروگرام حضرت مولانا مقبول احمد صاحب کے مدرسہ میں شرکت کا رہا، مولانا موصوف برنگی ضلع جونپور کے رہنے والے تھے، کافی عرصہ سے ضلع بستی کے ''روضہ'' گاؤں میں ایک مدرسہ مصباح العلوم کے نام سے چلا رہے تھے، مہینہ دومہینہ میں جب کبھی اپنے گھر تشریف لائے تو مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں کچھ دیر ضرور ٹھہرتے تھے اور حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب کے علاوہ دوسرے اساتذہ سے ضرور ملاقات کرتے تھے، اس خادم سے بھی محبت اور لگاؤ رکھتے تھے، چونکہ بہت خوش مزاج اور باتونی تھے، اس لئے دیر تک ان کی بیٹھک ہوا کرتی تھی، بہرحال ان کی خواہش اور اصرار پر مہولی میں ہونے والے جلسے میں ۳؍ذیقعدہ مطابق ۸؍جون جمعرات کے دن صبح ساڑھے پانچ بجے جیپ کے ذریعہ مولانا عبدالعظیم صاحب ندوی کی رفاقت میں روانہ ہوکر دارالعلوم بستی پہونچے، وہاں تھوڑی دیر قیام کرنے کے بعد مدرسہ کی زیارت کرکے مہولی کے لئے روانگی ہوئی، ساڑھے بارہ بجے دن میں مہولی پہونچنا ہوا، عشاء کے بعد وہاں کا جلسہ شروع ہوا،

خادم کی تفصیلی تقریر ہوئی، دو بجے رات میں جلسہ ختم ہوااور رات کا قیام وہیں پر رہا، کل ہوکر ۴ر ذیقعدہ مطابق ۹ر جون جمعہ کے دن صبح ساڑھے آٹھ بجے مدرسہ مصباح العلوم روضہ سے روانگی ہوئی، جمعہ کی نماز پونے دو بجے اکبر پور مدرسہ تعلیم الدین میں ادا کیا، جمعہ کی نماز کے بعد کھانے سے فارغ ہوکر تھوڑی دیر قیلولہ کیا گیا، عصر کی نماز کے بعد مدرسہ ریاض العلوم کے لئے روانگی اکبر پور سے ہوئی، مغرب کی نماز عمران گنج لب روڈ مسجد میں ادا کی گئی، اس کے بعد وہاں سے روانہ ہوکر مدرسہ ریاض العلوم گورینی پہونچ گئے۔

جامعہ عربیہ ہتھورہ باندہ کا سفر

ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ کے اوائل میں حضرت قاری صدیق احمد صاحب باندوی کا خط اس خادم کے پاس آیا کہ بقرعید کی تعطیل کے موقعہ پر عید الاضحیٰ سے چند روز قبل حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی ہتھورا تشریف لا رہے ہیں، حضرت کا یہاں چند روز قیام رہے گا، بقرعید کے بعد یہاں سے واپسی ہوگی، میری خواہش ہے کہ اس موقع سے آپ بھی ہتھورا تشریف لے آئیں تو حضرت کو خوشی ہوگی، حضرت قاری صاحب کا یہ خط ملنے کے بعد بقرعید کی تعطیل جامعہ عربیہ ہتھورا میں حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی کی معیت میں گزارنے کا پروگرام بنالیا۔ چنانچہ ۶ر ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۰ر جولائی ۱۹۸۹ء سوموار کے دن بذریعہ دہرہ دون ایکسپریس یہ خادم لکھنؤ کے لئے روانہ ہوگیا اور لکھنؤ سے بذریعہ بس کانپور ۱۱ر بجے رات میں پہونچا اور ۱۲ر بجے رات

میں جمیل بھائی فراش خانہ والے کے مکان پر پہونچ کر رات کا قیام ان کے گھر پر کیا۔

۷؍ ذی الحجہ مطابق ۱۱؍ جولائی منگل کے دن فجر کے بعد مفتی منظور احمد صاحب جونپوری قاضی شہر کانپور سے ملاقات کی، ان کی ملاقات سے فارغ ہونے کے بعد ۷؍ بجے کانپور اسٹیشن پہونچا اور پونے آٹھ بجے کی ٹرین سے باندہ کے لئے روانہ ہوگیا، ڈیڑھ بجے باندہ پہونچ کر ظہر کی نماز مرکز والی مسجد میں ادا کی اور اس کے بعد دوپہر کا کھانا حاجی شریف احمد صاحب کے مکان پر کھایا۔

حاجی شریف احمد صاحب باندہ شہر میں حضرت قاری صدیق احمد صاحب باندوی کے مہمانوں کے خصوصی میزبان تھے، بہت محبت سے مہمانوں کی خدمت کیا کرتے تھے، حضرت قاری صاحب سے بہت ہی محبت اور عقیدت کا تعلق تھا، بہت ہی بے نفس، مسکین طبیعت اسم بامسمی تھے، صوم وصلوۃ کے بے حد پابند تھے، مرکز والی مسجد آپ کے مکان کے سامنے تھی، جہاں اکثر اکابرین اور علماء اور خود حضرت قاری صاحب تشریف لاتے رہتے تھے ان سب کی خدمت اور ضیافت بہت فراخدلی کے ساتھ حاجی صاحب موصوف کیا کرتے تھے، حالانکہ ذریعہ معاش کے طور پر ان کے پاس صرف ایک چھوٹی سی گھڑی کی دکان تھی اور بچے سب ابھی خوردسال تھے، لیکن کبھی بھی مہمان نوازی اور علماء ومہمانوں کی خدمت گذاری میں کسی کو معاشی تنگی کا احساس نہیں ہونے دیا، ہمیشہ ہر ایک کے لئے اپنے گھر کے دروازے کھلے رکھے اور دسترخوان کو کشادہ رکھا، دعاء ہے اللہ پاک اس کا بہترین اجر اور صلہ دارین میں ان کو عطا فرمائے اور اپنی خصوصی رحمتوں اور برکتوں سے ان کو اور ان کی اولادوں کو مالا مال فرمائے۔ آمین

حاجی صاحب موصوف کے یہاں سے فارغ ہوکر حاجی منظور احمد صاحب عرف بلّے بھائی سے ملاقات کی اوران کی ملاقات سے فارغ ہوکر۴ر بجے والی بس سے باندہ سے روانہ ہوکر شام کے وقت بعافیت یہ خادم جامعہ عربیہ ہتھورا پہنچ گیا، پہونچ کر سب سے پہلے حضرت قاری صدیق احمد صاحب باندوی سے ملاقات کی، حضرت نے اس خادم کو دیکھ کر بے پناہ خوشی اور مسرت کا اظہار فرمایااور آمد پر مبارکباد پیش کی اور جی بھر کر دعاؤں سے نوازا۔

جامعہ عربیہ ہتھورا میں حضرت مفتی صاحب کی آمد

۸ر ذی الحجہ مطابق ۱۲ر جولائی بدھ کے دن فجر کی نماز سے پہلے رفقاءاور خدام کے ساتھ حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی جامعہ عربیہ ہتھورا تشریف لے آئے، اس خادم نے بھی پہونچ کر حضرت مفتی صاحب سے ملاقات کی، حضرت مفتی صاحب بھی دیکھ کر بہت خوش ہوئے، اگلے دن ۹ر ذی الحجہ کو پورا دن ہتھورا ہی میں قیام رہا۔

۱۰ر ذی الحجہ مطابق ۱۴ر جولائی جمعہ کے دن پورا قافلہ بعد نماز فجر عیدالاضحیٰ کی نماز کی ادائیگی کے لئے باندہ شہر مرکز والی مسجد میں پہونچا، وہاں پہونچنے کے بعد حضرت قاری صدیق احمد صاحب باندوی نے اس خادم سے فرمایا کہ مفتی صاحب عیدالاضحیٰ کی نماز آپ ہی کو پڑھانی ہےاوراس سے پہلے بیان بھی آپ ہی کو کرنا ہے۔ چنانچہ حضرت کے حکم پر حضرت مفتی صاحب اور حضرت قاری صاحب اور دیگر بہت سے علماء کی

موجودگی میں اس خادم نے عیدالاضحیٰ کی نماز سے پہلے پون گھنٹہ بیان کیا اور عیدالاضحیٰ کی نماز پڑھائی، اس کے بعد جمعہ کی نماز تک باندہ شہر ہی میں حاجی شریف احمد صاحب کے مکان پر تمام مہمانوں کا قیام رہا، وقت ہوجانے کے بعد سبھی حضرات جمعہ کی نماز پڑھنے کے لئے مرکز والی مسجد میں تشریف لائے، پھر حضرت قاری صاحب کا حکم ہوا کہ مفتی صاحب جمعہ کی نماز بھی آپ ہی کو پڑھانی ہے۔ چنانچہ حضرت قاری صاحب کے حکم پر اس خادم نے تمام اکابرین کی موجودگی میں جمعہ کی نماز بھی پڑھائی جس کو سبھی لوگوں نے پسند کیا اور اس خادم کے حوصلہ کو داد دی، جمعہ کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد جامعہ عربیہ ہتھورا کے لئے واپسی ہوگئی اور اگلے دن بھی جامعہ عربیہ ہتھورا ہی میں قیام رہا۔

جامعہ عربیہ ہتھورا سے بنارس کا سفر

۱۲ / ذی الحجہ مطابق ۱۶ / جولائی اتوار کے دن بعد نماز فجر ماروتی کار کے ذریعہ جو کار حاجی جمیل الدین صاحب کلکتہ والے نے حضرت کو لانے کے لئے جامعہ عربیہ ہتھورا بھیجا تھا، حضرت مفتی صاحب اور مولانا ابراہیم افریقی اور یہ خادم تینوں ہتھورا سے روانہ ہوکر الٰہ آباد حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڈھی کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت مولانا سے ملاقات کے بعد مرزاپور کے لئے روانگی ہوئی اور ۱۱ / بجے دن میں مرزاپور پہونچ گئے، وہاں پہونچ کر دوپہر کا کھانا اور قیلولہ کیا گیا اور عصر کی نماز پڑھ کر بنارس کے لئے روانگی ہوگئی، مغرب کے بعد بنارس بعافیت پورا قافلہ پہونچ گیا۔

بنارس میں حاجی محمد یحیٰ صاحب کے مکان پر حضرت نے دو رات اور ایک دن قیام فرمایا اور جب کبھی بنارس کا حضرت مفتی صاحب کا سفر ہوتا تھا تو حضرت کی میزبانی کی سعادت حاجی یحیٰ صاحب ہی کو اکثر حاصل ہوا کرتی تھی، کبھی کبھار حافظ عبدالقدیر صاحب اور حاجی محمد ایوب صاحب والد بزرگوار جناب سہیل احمد اور انیس احمد صاحبان کے مکان پر بھی قیام رہا۔

جب کبھی حضرت مفتی صاحب بنارس تشریف لاتے اور حاجی محمد یحیٰ صاحب کے مکان پر قیام فرماتے تو حاجی صاحب موصوف حضرت مفتی صاحب کو اپنے گھر میں پاکر اس قدر خوش ہوتے تھے جیسے عید کا چاند آپ کے گھر میں نکل آیا ہو اور جب جب حضرت کی آمد ہوتی حاجی صاحب موصوف سارا کام کاج چھوڑ کر پوری یکسوئی کے ساتھ حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں لگ جایا کرتے تھے اور حضرت کے ساتھ حضرت کے متعلقین و خدام اور ملنے جلنے کے لئے آنے والے مہمانوں کا اکرام اتنی بشاشت اور خوشی سے کرتے تھے جیسے ان حضرات کی آمد اور ملاقات کے بہت شدت کے ساتھ منتظر ہوں اور حضرت مفتی صاحب کے ساتھ سارے مہمانوں کی بہت پُر تکلف ضیافت کا اہتمام کرتے تھے۔

حضرت مفتی صاحب کی دہلی کے لئے واپسی

۱۴؍ ذی الحجہ مطابق ۱۸؍ جولائی منگل کے دن شام کو ۷؍ بجے سوپر فاسٹ

کے ذریعہ حضرت مفتی صاحب مع خدام ورفقاء دہلی کے لئے روانہ ہوگئے، اس کے بعد حضرت کی رفاقت ختم ہوگئی اور یہ خادم گھر جانے کے لئے تیار ہوگیا۔

لیکن بھائی جمیل الدین صاحب کلکتہ والے جو بنارس میں موجود تھے حضرت مفتی صاحب کی دہلی کے لئے روانگی کے بعد اس خادم کے سر ہوگئے کہ آپ کو ہر حال میں آج میرے ساتھ مرزا پور چلنا ہے اور رات کا قیام مرزا پور میں کرنا ہے۔ چنانچہ یہ خادم ان کے اصرار وخواہش پر ان کے ساتھ بذریعہ کار مرزا پور گیا اور رات میں مرزا پور ہی میں قیام کیا، جہاں ان کی قالین کی فیکٹری تھی اور مہمانوں کے ٹھہرنے کا بھی بہت معقول انتظام کر رکھا تھا، کل ہوکر مگدھ ایکسپریس کے ذریعہ ۱۵ر ذی الحجہ مطابق ۱۹ر جولائی بدھ کے دن پٹنہ کے لئے خادم روانہ ہوا اور چند روز میں والدین اور اعزاء واقارب سے ملاقات کرکے ۱۸ر ذی الحجہ مطابق ۲۲ر جولائی سنیچر کے دن شام کے وقت مدرسہ ریاض العلوم گورینی پہونچ گیا، چونکہ عیدالاضحیٰ کی تعطیل کے ختم ہونے کے بعد اسی دن سے تعلیم کا آغاز ہونا تھا اس کے بعد تعلیم وتدریس میں مصروف ہوگیا۔

مدرسہ نصیر العلوم کھٹہنہ ضلع اعظم گڑھ کی نظامت

حاجی اخلاق احمد صاحب جو بکھرا کے رہنے والے تھے لیکن اکثر کھٹہنہ میں رہا کرتے تھے، ماسٹر اشفاق احمد صاحب جو کھٹہنہ کے رہنے والے تھے اور جو بہت

شریف سنجیدہ مزاج پڑھے لکھے علم وعلماء نواز تھے اور شبلی کالج اعظم گڑھ سے تدریسی وابستگی بھی تھی ان کے حاجی اخلاق احمد صاحب عزیز ہوتے تھے، حاجی اشتیاق احمد صاحب یکہ بیڑی والے جو سرائے میر کے رہنے والے تھے انہیں کے مکان کے پاس ان کے بعض عزیزوں کی ایک چکی تھی وہاں پر بھی ان کا اکثر وقت گزرتا تھا۔

ان کے پاس ایک ذاتی جیپ بھی تھی اور خود اچھے ڈرائیور بھی تھے وضع قطع کے اعتبار سے شرعی داڑھی کے ساتھ صلحاء کا لباس بھی پہنتے تھے اور صوم وصلوۃ کے پابند تھے، حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب سے عقیدت ومحبت بھی رکھتے تھے، اس لئے اپنی گاڑی کے ذریعہ حضرت مولانا کی اکثر خدمت بھی کیا کرتے تھے۔ اس زمانہ میں کھٹہنہ گاؤں میں مدرسہ نصیر العلوم کے نام سے ایک مکتب قائم ہوا تھا جو نظم وانتظام کی لائن سے کس مپرسی کی حالت میں تھا اور اس کا تعلیمی نظام بہت خستہ تھا۔

جب حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب سے تعلق کی وجہ سے مدرسہ ریاض العلوم گورینی کی آمد ورفت ان کی بڑھی اور وہاں کے علمی چہل پہل اور باغ و بہار کو انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تو ان کو کھٹہنہ کے مکتب کی یاد آنے لگی اور انہوں نے اس بات کی کوشش شروع کردی کہ کھٹہنہ کے مکتب کا الحاق مدرسہ ریاض العلوم گورینی سے ہوجائے اور ان کی نگرانی اور سرپرستی میں اس کے چل چلاؤ کی کوئی سبیل پیدا ہوجائے، لیکن تمام تر کوشش کے باوجود کھٹہنہ کے مکتب کا الحاق مدرسہ ریاض العلوم سے نہیں ہوسکا اور جب اس سے مکمل یہ مایوس ہوگئے تب انہوں نے اس خادم سے اصرار شروع کیا کہ آپ اپنی نگرانی اور سرپرستی میں اس مکتب کو لے لیں۔ چنانچہ

ان کے مسلسل اصرار کے بعد میں نے ان سے یہ عرض کیا کہ جب تک مدرسہ کا پورا نظام پورے گاؤں والے مل کر اجتماعی اتفاق رائے سے میرے سپرد نہیں کریں گے اس وقت تک میں وہاں کچھ نہیں کرسکتا۔

چونکہ یہ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ بغیر کلی اختیارات اور سپردگی کے کسی نظام کا چلانا بہت مشکل ہوتا ہے، میں کسی استاذ کو وہاں لاکر رکھوں اور گاؤں والے کچھ دنوں کے بعد اس کو بھگادیں، وہ استاذ میرے پاس آکر بیٹھ جائے اور میرے سر ہوجائے تو میں اس کا کیا نظم وانتظام کروں گا، اس لئے کام کا طریقہ وہی ہے جو آپ کو بتلایا گیا ہے۔

چنانچہ میری معروضات حاجی اخلاق احمد صاحب کی سمجھ میں اچھی طرح آگئیں اور میری باتیں ان کے دل ودماغ میں بیٹھ گئیں، انہوں نے واپسی پر کھٹنہ والوں سے اس کا تذکرہ کیا۔ چنانچہ پورے گاؤں کے لوگ مکتب میرے سپرد کرنے پر راضی اور تیار ہوگئے، کچھ دنوں کے بعد حاجی اخلاق صاحب نے گاؤں والوں کی رضامندی اور آمادگی کی اطلاع اس خادم کو دی۔

چنانچہ ۲۷/ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ مطابق ۳۱/جولائی ۱۹۸۹ء دوشنبہ کے دن شام کے وقت گورینی سے چل کر سرائے میر آیا اور مفتی محمد شعیب صاحب قاسمی کو ساتھ لے کر حاجی اخلاق احمد کے ساتھ کھٹنہ پہونچا۔

عشاء کے بعد ایک کھلے میدان میں پورے گاؤں کی ایک عام میٹنگ ہوئی، جس میں باتفاق رائے تحریری طور پر اس خادم کو کھٹنہ کے مکتب کے لئے بحیثیت ناظم منظور اور طے کیا اور یہ تجویز ایک رجسٹر پر لکھی گئی جس پر گاؤں کے سبھی حضرات نے

دستخط کیے اور بطور شاہد مفتی شعیب صاحب قاسمی حاضر مجلس رہے، اور انہوں نے بھی تائیدی دستخط کیے، رات کا قیام کھٹنہ میں رہا، کل ہوکر مدرسۃ الاصلاح میں چند گھنٹوں کے لئے جانا ہوا، وہاں سے حاجی پور مفتی ظہیر الدین صاحب نیبوی سے ملاقات کرتے ہوئے دو پہر ڈھائی بجے مدرسہ ریاض العلوم گورینی پہونچ گیا۔

کھٹنہ کے مکتب کی ذمہ داری اور نظامت کو قبول کرنے کے بعد اس خادم نے اس پر محنت شروع کی، چنانچہ ایک مہینہ کے بعد اٹھائیس محرم مطابق ۳۱ر اگست جمعرات کے دن مولانا نذیر احمد صاحب کو بلا کر ان کی تقرری کردی اور انہوں نے پوری ذمہ داری کے ساتھ کام شروع کردیا، کچھ ہی عرصہ میں اس خادم کی آمدورفت اور خصوصی توجہ اور سرپرستی اور دیکھ بھال ونگرانی کی وجہ سے مکتب ترقی کی راہ پر گامزن ہونے لگا اور کھٹنہ کے علاوہ مہذب پور مصطفیٰ آباد اور کجیاری کے بچے بھی وہاں آنے لگے اور تعلیم کا ایک مکمل نظام اور بہتر پڑھائی کی وجہ سے بالتدریج بچوں کا رجحان بڑھنے لگا۔

چنانچہ کچھ ہی عرصہ کے بعد بچوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کو دیکھ کر اساتذہ میں بھی اضافہ کرنا پڑا اور ایک سے لے کر پانچ تک مدرسین بحال کرنا پڑا، طلباء و طالبات کی تعداد بھی سو سے زیادہ ہوگئی اور پرائمری پنجم تک بہت ہی مضبوط اور ٹھوس تعلیم ہونے لگی جس کو کھٹنہ گاؤں اور قرب و جوار کے لوگ دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور گاؤں والے اس خادم کو فرشتہ صفت قرار دینے لگے اور آمدورفت کے سلسلہ میں دن بدن اضافہ ہوتا گیا تا آنکہ چند سال کے بعد جب یہ خادم مدرسہ ریاض العلوم گورینی سے مستعفی ہوا اور مہذب پور کھٹنہ والوں کے اصرار پر دارالعلوم کے نام پر مستقل یہاں قیام پذیر ہوگیا تو

وہی فرشتہ صفت انسان ان کو کچھ اور نظر آنے لگا اور بریانی سے تہاڑی اور کھچڑی کی بو آنے لگی جس کی تفصیلات انشاء اللہ آئندہ صفحات میں آپ پڑھیں گے۔

مدرسہ ریاض العلوم گورینی کے صدر مدرس کی علالت

مدرسہ ریاض العلوم گورینی کے صدر مدرس حضرت مولانا محمد حنیف صاحب بتقدیر الٰہی گلہ میں کینسر کے مریض ہوگئے، پہلے تو ابتداء کینسر کی تشخیص نہ ہونے کی وجہ سے مقامی دوا علاج پر اکتفا کیا گیا، لیکن جب دیگر قرائن کے ذریعہ کینسر کا شبہ یقین کی شکل اختیار کرنے لگا تو حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب کو اس کی بہت فکر لاحق ہوئی اور علاج کے لئے ۱۳ ؍محرم ۱۴۱۰ھ مطابق ۱۶ ؍اگست ۱۹۸۹ء بدھ کے دن آپ کو بغرض علاج بمبئی بھیجا گیا۔ چنانچہ بمبئی پہونچنے کے بعد ڈاکٹروں کی تشخیص نے شبہ کو یقین سے تبدیل کردیا کہ یہ کینسر ہی ہے کوئی اور تکلیف نہیں، چنانچہ حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب کی مسلسل دعاء اور توجہ کے ساتھ بمبئی کے ڈاکٹر سکائی کے ذریعہ علاج میں مصروف ہوگئے۔

دوران علاج ایک مرتبہ مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں ممبئی سے ایسی بھی خبر آئی کہ صدر صاحب کی حالت بہت خراب ہے، بظاہر بچنے کی امید نظر نہیں آرہی ہے، یہ اطلاع ملتے ہی حضرت مولانا کے حکم پر تمام طلباء اور اساتذہ مسجد میں جمع ہوئے اور بخاری شریف کا ختم کرایا گیا اور اس کے بعد بہت اہتمام کے ساتھ اشکبار آنکھوں سے حضرت مولانا نے صدر صاحب کی صحت کے لئے دعاء کرائی، اس دعاء میں تمام طلباء،

اساتذہ بھی خوب روئے جس کو اللہ پاک نے قبول فرمایا اور بالتدریج روبصحت ہونے لگے۔ بالآخر چند ماہ کے مسلسل علاج کے بعد الحمد للہ شفایاب ہوکر بمبئی سے واپس تشریف لائے اور اس کے بعد کافی عرصہ تک پوری صحت اور سلامتی کے ساتھ زندہ رہے اور وقت مقررہ پر اس دار فانی کو الوداع کہہ گئے، اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے، درجات کو بلند فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔

مدرسہ ریاض العلوم گورینی کے لئے مالی فراہمی کے لئے کلکتہ کا پہلا سفر

اس سے پہلے تفصیل کے ساتھ یہ بات آچکی ہے کہ مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں رہتے ہوئے تعلیمی وتدریسی خدمت کے علاوہ اور دیگر بہت سے دوسرے کام تھے جو اس خادم کے فرائض میں داخل نہیں تھے، لیکن مدرسہ کو اپنی جگہ اور ہر کام کو اپنا سمجھ کر رہنے اور چلنے کی وجہ سے بلاتکلف ہر کام اور ہر خدمت کو اس خادم نے بصد شوق انجام دیا، جب ہنگامی چندہ کی نوبت آئی تو اس کو بھی تسلسل کے ساتھ بلا جبر واکراہ برضاء ورغبت کئی ہفتہ تک انجام دیتا رہا، جس کی تفصیل اس سے پہلے لکھ چکا ہوں، حیات حبیب الامت کے جلد اول میں اس کی تفصیلات موجود ہیں، وہاں اس کو دیکھا اور پڑھا جاسکتا ہے۔

اسی طرح وسط سال میں کانپور کا مالی فراہمی کا سفر رمضان المبارک میں بھدوہی کا سفر اور اثناء سال کلکتہ کا سفر یہ سارے اسفار وہ ہیں جو اس خادم کی زندگی کے قابل یاد اسفار ہیں۔

حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب کے حکم پر قاری انیس الرحمٰن صاحب جونپوری کی رفاقت میں ۳؍صفر ۱۴۱۰ھ مطابق ۴؍ستمبر ۱۹۸۹ء دوشنبہ کے دن یہ خادم مدرسہ ریاض العلوم سے چل کر مرزاپور پھونچا اور مرزاپور سے ۱۲؍بجے رات میں بمبئی میل کے ذریعہ کلکتہ کے لئے روانہ ہوا اور کل ہوکر ۴؍صفر مطابق ۵؍ستمبر منگل کے دن ڈھائی بجے دن میں کلکتہ پہونچا حسن اتفاق حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی ان دنوں کلکتہ میں قیام پذیر تھے ان سے ملاقات کرنے کے بعد مدرسہ کے لئے مالی فراہمی کے کام میں مصروف ہوگیا اور ایک عشرہ وہاں کام کرنے کے بعد معتد بہ مقدار میں رقم کے ساتھ ۱۵؍صفر مطابق ۱۶؍ستمبر سنیچر کے دن مدرسہ ریاض العلوم گورینی واپس آگیا اس کی تفصیلات بھی اس سے پہلے لکھ چکا ہوں جو حیات حبیب الامت جلد اول میں موجود ہے۔

ہیرو مجسٹک کی خریداری کا واقعہ

مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں قیام کے دوران علاقائی اسفار تقریری پروگرام نکاح خوانی اور دیگر کاموں کے لئے بکثرت سفر کی نوبت آتی تھی، نیز جامعہ حسینیہ لال دروازہ کی شرعی پنچایت کی رکنیت اور محکمہ شرعیہ مینارہ مسجد سرائے میر کا ممبر ہونے کی وجہ سے پیش آمدہ مسائل اور ان کے حل کے لئے بھی جمعرات کے دن ظہر کے بعد ہونے والی نشستوں میں اپنے ذاتی خرچ سے آنا جانا پڑتا تھا۔

ایک مرتبہ محکمۂ شرعیہ مینارہ مسجد سرائے میر کی میٹنگ میں شرکت کے لئے

مدرسہ ریاض العلوم گورینی سے ۱۲ر بجے نکلا اور وایا شاہ گنج سواری کی دقت کی وجہ سے مغرب کے بعد عشاء سے پہلے سرائے میر پہونچا، اس غیر معمولی سفر کی کلفت کا طبیعت پر اتنا اثر ہوا کہ خادم نے ذہنی طور پر یہ طے کرلیا کہ اب مجھ کو اپنی ذاتی سواری کا انتظام کرنا ہے۔ چنانچہ کل ہوکر یہ سوچ کر سرائے میر سے اعظم گڑھ کے لئے نکل پڑا کہ نسیم بھائی جن کے پاس اس وقت ہیرو ہنڈا کے ساتھ ہیرو مجسٹک کی ایجنسی تھی ان سے ہیرو مجسٹک ہر حال میں لے کر آنا ہے۔ چنانچہ جب جمعہ کی شام کو ان کے پاس پہونچا تو نسیم بھائی خود مکان پر موجود نہیں تھے، اور نہ ہی ان کے بڑے بھائی شمیم صاحب تھے جن سے اس خادم کا ذاتی تعارف تھا، بلکہ شمیم صاحب کے لڑکے ایجنسی میں بیٹھے ہوئے تھے اور جمعہ کے دن جس وقت یہ خادم وہاں پہونچا ان کی دکان بند ہوچکی تھی، میں نے اپنا تعارف اس بچہ سے کرایا اور اس کے بعد اس سے کہا کہ مجھ کو اسی وقت فوراً ایک ہیرو مجسٹک گاڑی چاہئے، اس نے دکان کے باہر کھڑی ہوئی گولڈن کلر کی ایک ہیرو مجسٹک دکھائی اور یہ بتلایا کہ یہ گاڑی ایک کسٹمر کے لئے تیار کی گئی تھی، لیکن اس کی ہینڈل کے نیچے ہلکا خراش ہونے کی وجہ سے اس نے اس گاڑی کو فیل کردیا، میں نے اس سے کہا کوئی بات نہیں یہ گاڑی چلے گی، اس سے چابھی لی اور گاڑی لے کر میں وہاں سے روانہ ہوگیا، اس سے میں نے کہہ دیا کہ جب نسیم بھائی آئیں گے تو ان سے بتا دیجئے گا کہ مفتی صاحب آئے تھے اور ایک گاڑی لے کر چلے گئے۔ اس طرح ۷ر جمادی الثانیہ ۱۴۱۰ھ مطابق ۵ر جنوری ۱۹۹۰ء جمعہ کے دن شام کے وقت بغیر قیمت ادا کئے ہوئے ہیرو مجسٹک نام کی گاڑی لے کر سرائے میر آگیا اور رات میں سرائے میر ٹھہر کر کل ہوکر بعد نماز فجر سرائے میر سے نکل کر

وایا دیدار گنج کھیتا سرائے مدرسہ ریاض العلوم گورینی ایک ڈیڑھ گھنٹہ میں پہونچ گیا۔

بعد میں جب نسیم بھائی سے ملاقات ہوئی، ان سے گاڑی کی قیمت معلوم کی تو انہوں نے 7500 سات ہزار پانچ سو روپئے قیمت بتلائی جس کو میں نے اپنی تنخواہ سے قسط وار چند مہینوں میں ادا کر دیا۔ اس طرح اس خاص پسِ منظر میں اس خادم کے پاس ہیرو مجسٹک آ گئی اور اس کے بعد علاقائی سفر آسان ہو گیا۔

ایک دن میں اس ہیرو مجسٹک سے بھدوہی کا آنا جانا بھی ہوا، ایک مرتبہ ہیرو مجسٹک سے مدرسہ ریاض العلوم گورینی سے نکلا، اکبر پور گیا وہاں کی ملاقات سے نمٹ کر چند گھنٹوں کے بعد جلالپور آیا اور جلالپور چند گھنٹہ رک کر سرائے میر آیا، سرائے میر تھوڑی دیر رک کر مدرسہ ریاض العلوم گورینی رات میں پہونچ گیا۔ جب اتنے لمبے سفر کی اطلاع میرے بعض قریبی دوستوں کو ہوئی تو وہ سن کر حیران و دنگ رہ گئے۔

مدرسہ ریاض العلوم گورینی کے کاتب، کاتب نور الہدیٰ صاحب نے ہیرو مجسٹک کی پیشانی پر لگے ہوئے شیشہ پر سفید پینٹ سے خوشخط انداز میں ''سیارۃ المفتی'' لکھ دیا تھا جس کی وجہ سے گاڑی دیکھ کر لوگوں کو پہچاننے میں آسانی ہونے لگی، جہاں کہیں گاڑی کھڑی ہوئی نظر آتی لوگ سمجھ جاتے تھے کہ گورینی کے مفتی صاحب آ گئے ہیں۔

کئی سال تک یہ گاڑی میرے ہاتھ میں رہی، لیکن الحمد اللہ نہ کبھی پنچر ہوئی نہ کبھی بند ہوئی، نہ اس گاڑی سے کبھی کسی کو ٹھوکر لگی، اور نہ ہی اس خادم کو کبھی چوٹ لگی، تین مہینہ چار مہینہ ایک ہی جگہ کھڑی رہنے کے باوجود ایک ہی پیڈل میں اسٹارٹ ہو جاتی تھی، اس کے بعد کئی ہیرو مجسٹک خریدنے کی نوبت آئی، لیکن جو خوبی سیارۃ

المفتی میں تھی وہ خوبی ان گاڑیوں میں نہیں ملی۔

بالآخر بکھرا کے ہمارے ایک مکی دوست مولانا اشفاق احمد صاحب بکھراوی جو مکہ مکرمہ میں رہتے تھے اور ہندوستان آئے ہوئے تھے ان سے سرائے میر میں ایک مرتبہ ملاقات ہوگئی، ان کو وہ گاڑی اتنی پسند آئی کہ پرانی اور اصلی قیمت پر زبردستی یہ کہتے ہوئے اٹھا لے گئے کہ اس کی جگہ آپ دوسری خرید لیں، اس کو اب میں چلاؤں گا۔ چنانچہ کئی سال تک انہوں نے بھی بلا تکلف اس کو استعمال کیا، اس کے بعد پھر اس کا کیا حشر ہوا ان سے پوچھنے کی نوبت نہیں آئی۔

خادم کا پہلا سفر عمرہ

۱۲/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۰ھ مطابق ۱۰/ جنوری ۱۹۹۰ء بدھ کے دن یہ خادم ہمگری ایکسپریس کے ذریعہ کلکتہ پہونچا اور پانچ روز بھائی جمیل کے یہاں قیام رہا، اسی قیام کے دوران بھائی جمیل الدین صاحب نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ میرا ارادہ فروری میں عمرہ کا ہے کہ آپ بھی ہمارے ساتھ عمرہ کے لئے چلیں، ابتداء تو اس خادم نے معذرت کی لیکن ان کی خواہش اور اصرار پر وعدہ کرلیا۔ چنانچہ وعدہ کے مطابق ویزہ کی کاروائی مکمل ہونے کے بعد ۱۹/ رجب مطابق ۱۶/ فروری جمعہ کے دن جونپور سے روانہ ہوا، اور دوسرے دن دہلی پہونچ گیا، چونکہ ویزہ اور ٹکٹ وغیرہ کی کاروائی مکمل ہوچکی تھی اس لئے اس کے انتظار میں دہلی رکنا نہیں پڑا، دہلی پہونچنے

کے بعد اسی دن ۲۰ ؍رجب ۱۴۱۰ھ مطابق ۱۷؍فروری ۱۹۹۰ء سنیچر کے دن سعودی ایئر لائنس کے ذریعہ دہلی سے جدہ کے لئے روانگی ہوگئی، بھائی جمیل الدین کے ساتھ ان کے ایک رفیق سفر بھی تھے جو کلکتہ ہی کے رہنے والے تھے، اس خادم کے ساتھ سہ نفری قافلہ بعافیت جدہ اور وہاں سے مدینہ طیبہ پہونچ گیا، چند روز مدینہ طیبہ میں قیام کے بعد ۲۷؍رجب مطابق ۲۴؍فروری سنیچر کے دن مکہ مکرمہ کے لئے روانگی ہوئی اور تقریباً ایک عشرہ مکہ مکرمہ میں قیام رہا اور بیت اللہ سے بھرپور استفادہ کا موقعہ ملا۔

۶؍شعبان مطابق ۴؍مارچ اتوار کے دن غار حرا پر چڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی اور عصر کی نماز اس جگہ ادا کرنے کی توفیق حاصل ہوئی جہاں حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طویل عرصہ تک قیام فرمایا تھا اور خاص قسم کی عبادت میں مصروف رہے تھے۔ ۷؍شعبان مطابق ۵؍مارچ دوشنبہ کے دن عشاء سے قبل مکہ مکرمہ سے سہ نفری قافلہ کی روانگی جدہ کے لئے ہوئی، رات کا قیام جدہ میں عبدالرحمٰن صاحب انجینئر کے یہاں رہا، انہوں نے بہت محبت اور اپنائیت کے ساتھ قافلہ کے تمام شرکاء کی ضیافت کی اور ہر طرح کی راحت وآرام کا خیال رکھا۔

۸؍شعبان مطابق ۶؍مارچ منگل کے دن پونے دس بجے جدہ سے بذریعہ فلائٹ ریاض کے لئے روانگی ہوئی۔ ۱۱؍بجے ریاض پہونچنا ہوا، سوا بارہ بجے ریاض سے فلائٹ چلی اور ۴؍بجے شام کو دہلی پہونچ گئی۔ اس طرح بخیر وخوبی عمرہ کا سفر مکمل ہوگیا۔

۹؍شعبان مطابق ۷؍مارچ بدھ کے دن گنگا جمنا ایکسپریس کے ذریعہ دہلی سے روانہ ہوا اور کل ہوکر ۱۰؍شعبان ۸؍مارچ جمعرات کے دن یہ خادم مدرسہ ریاض العلوم

گورینی پہونچ گیا اور چند روز مدرسہ پر قیام کرنے کے بعد ۱۵ / شعبان مطابق ۱۳/ مارچ منگل کے دن بچوں کے ساتھ بذریعہ جیپ گھر پہونچا اور چند روز گھر پر قیام کر کے اعزاء واقارب سے ملاقات کی اور ۱۶/ مارچ جمعہ کے دن مظہر عالم کی رخصتی کے پروگرام اور ۱۸/ مارچ اتوار کے دن اس کے ولیمہ میں شرکت کر کے کلکتہ کے لئے روانہ ہو گیا۔

تذکرہ سفر کلکتہ

عمرہ سے واپسی کے بعد بھائی جمیل الدین صاحب کا اصرار کلکتہ آنے کا ہوتا رہا۔ چنانچہ ان کی خواہش اور اصرار پر یہ خادم ۲۲/ شعبان مطابق ۲۰/ مارچ منگل کے دن گھر سے ۱۱/ بجے روانہ ہو کر ۲/ بجے موتیہاری پہونچا اور پانچ بجے شام کو موتیہاری سے مظفر پور کے لئے روانہ ہو کر سات بجے شام کو مظفر پور پہونچا اور مظفر پور سے رات میں ساڑھے دس بجے لکھنو ہاوڑہ ایکسپریس کے ذریعہ کلکتہ کے لئے روانگی ہوئی اور ۲۳/ شعبان مطابق ۲۱/ مارچ بدھ کے دن ۲/ بجے کلکتہ پہونچ گیا اور تین روز کلکتہ میں بھائی جمیل الدین صاحب کے مکان پر قیام رہا، بھائی جمیل الدین صاحب نے تین روز تک اس خادم سے خوب علمی استفادہ کیا اور اس خادم کے قیام سے بہت مطمئن اور خوش ہوئے۔

کلکتہ سے دیوبند کا سفر

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی جو اس خادم کے استاذ او رمربی بھی تھے

چونکہ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ جن سے یہ خادم بیعت ہوا تھا چند سال کے بعد جب حضرت کی خدمت میں چلہ لگا کر مدرسہ ریاض العلوم گورینی کے لئے روانہ ہورہا تھا تو حضرت شیخ نے یہ فرما کر حضرت مفتی صاحب کے سپرد اس خادم کو کردیا کہ پیارے میں زیادہ تر مدینہ طیبہ میں رہتا ہوں، اس لئے میری عدم موجودگی میں مفتی جی (مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی) کے رابطہ میں رہنا اور سلوک وتصوف کی لائن سے اگر کچھ پوچھنا ہو تو انہیں سے دریافت کرتے رہنا۔ اس طرح گویا کہ اس خادم کے شیخ ثانی حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی ہوگئے تھے، اگرچہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کے انتقال کے بعد حضرت مفتی صاحب کے حکم اور خواہش پر اس خادم نے حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب سے تجدید بیعت کرلیا تھا۔

چونکہ حضرت مفتی صاحب نے کئی مرتبہ باصرار یہ فرمایا کہ پیارے! میری رائے یہ ہے کہ تم حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب سے بیعت ہوجاؤ، یہ تمہارے لئے بہتر رہے گا، چونکہ تم انہیں کے مدرسہ میں اور انہیں کے پاس مستقل رہتے ہو اور وہ ماشاء اللہ تم سے مطمئن اور خوش بھی ہیں جس کا اظہار حضرت مولانا مجھ سے کئی مرتبہ فرما چکے ہیں اور حضرت مولانا سے تم کو بھی انس اور قربت ہے، اس طرح اکتساب فیض اور فیض رسانی میں قرب مکانی کی وجہ سے آسانی رہے گی، نیز حضرت مولانا مرج البحرین بھی ہیں یعنی دو بزرگوں کے اجازت یافتہ ہیں۔ (۱) حضرت شاہ وصی اللہ صاحب الٰہ آبادی (۲) حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب۔

چنانچہ یہ خادم حضرت مفتی صاحب کی خواہش اور رائے کے احترام میں

حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب کے بافیض دامن سے وابستہ ہوگیا اور رمضان المبارک کے مقدس مہینہ میں حضرت مفتی صاحب کی رائے سنا کر بیعت کی درخواست کر کے تجدید بیعت کر لی۔

لیکن آمد و رفت خط و کتابت اور اصلاحی تعلق اور تصوف کے مسائل کے سلسلہ میں استفسار حضرت مفتی صاحب سے جاری اور باقی رہا۔

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی کا اصرار

مدرسہ ریاض العلوم گورینی آجانے کے بعد ۱۹۹۰ء سے چند سال پہلے سے ہر ملاقات میں حضرت مفتی صاحب یہ فرماتے رہے کہ پیارے! تم تو اونچی جگہ پر بڑا کام کر رہے ہو اور بڑے شیخ کی صحبت اور خدمت میں رہ رہے ہو۔ حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب کے خانقاہ کی پوری نظامت اور ذمہ داری تمہارے سر ہے، اس لئے درخواست کرنے کی ہمت نہیں پڑتی ورنہ میرا دل چاہتا ہے کہ رمضان کا ایک عشرہ میرے پاس گزار لیتے، یہ بات حضرت مفتی صاحب نے ۱۹۸۷ء سے ہر ملاقات میں کہنا شروع فرما دیا تھا اور ہر مرتبہ یہ خادم مدرسہ ریاض العلوم گورینی واپسی پر حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب کے برخوردار و خادم خاص میرے رفیق محترم مولانا عبدالعظیم صاحب ندوی سے اس کا تذکرہ کیا کرتا تھا اور اس کے ساتھ یہ بھی کہتا کہ پتہ نہیں کیوں حضرت مفتی صاحب یہ بات کئی سال سے ہر ملاقات میں فرماتے ہیں۔

چنانچہ ۱۹۹۰ء کی کئی ملاقاتوں میں بھی اس بات کا تذکرہ فرمایا، چنانچہ عمرہ سے واپسی کے بعد گھر جاتے ہوئے اس خادم نے مولانا عبدالعظیم صاحب ندوی سے گوش گزار کرتے ہوئے یہ کہا کہ اس سال رمضان میں گھر سے گورینی نہ آ کر دیوبند جانے کا ارادہ ہے، چونکہ حضرت مفتی صاحب کی کئی سال سے مسلسل یہ خواہش ہے کہ رمضان کا ایک عشرہ میں ان کے پاس گزارلوں، لہٰذا آپ حضرت مولانا یعنی والد بزرگوار سے اپنے اعتبار سے اس کا تذکرہ کر دیں، تا کہ حضرت مولانا پر میری غیر حاضری بارخاطر نہ بنے۔ چنانچہ مولانا عبدالعظیم صاحب کے وعدہ کرنے کے بعد کہ میں ابا کو بتا کر معاملہ سنبھال لوں گا آپ مطمئن ہو کر دیوبند کا سفر کرلیں۔ چنانچہ ۲۶/شعبان مطابق ۲۴/ مارچ سنیچر کے دن یہ خادم کلکتہ سے بذریعہ پنجاب میل سہارنپور کے لئے روانہ ہوکر ۲۸/شعبان ۱۴۱۰ھ مطابق ۲۶/مارچ دوشنبہ کے دن ۴/ بجے صبح دیوبند مسجد چھتہ حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔

خانقاہ محمودیہ دیوبند میں ایک عشرہ کا قیام

۲۸/شعبان ۲۶/ مارچ دوشنبہ سے ۹/ رمضان مطابق ۶/اپریل جمعہ کی رات تک ایک عشرہ سے زیادہ اس خادم کا قیام خانقاہ محمودیہ مسجد چھتہ میں رہا۔

دیوبند پہونچنے کے بعد حضرت مفتی صاحب سے ملاقات کے وقت خادم نے عرض کیا کہ حضرت آپ بار بار فرماتے رہے کہ رمضان کا ایک عشرہ میرا دل چاہتا

ہے کہ تم میرے پاس گزارلو، تو تعمیل حکم میں یہ خادم حاضر خدمت ہوگیا ہے۔ انشاءاللہ ایک عشرہ حضرت کی خدمت میں گزارنے کے بعد ہی واپسی ہوگی۔ حضرت یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور تحسین فرمائی۔

چنانچہ اس کے بعد خانقاہ کے جملہ معمولات میں یہ خادم شریک ہوگیا اور پابندی کے ساتھ خانقاہ میں چلنے والے ہر معمول میں شرکت کرنے لگا۔

۲ر رمضان مطابق ۳۰ر مارچ جمعہ کے دن مسجد چھتہ میں حضرت مفتی صاحب کے حکم پر جمعہ کی نماز بھی اس خادم نے پڑھائی جس میں حضرت مفتی صاحب کے ساتھ تمام مہمان شریک رہے۔

حضرت مفتی صاحب کی طرف سے اس خادم کو اجازت بیعت وخلافت

۹ر رمضان ۱۴۱۰ھ مطابق ۶ر اپریل ۱۹۹۰ء جمعہ کے دن رات میں ۱۲ر بجے تراویح اور دیگر معمولات سے فارغ ہوکر حضرت استنجاء کے لئے تشریف لے گئے اور استنجاء خانہ سے جب کمرہ میں واپس آئے تو یہ خادم حضرت کی قیام گاہ کے دروازہ پر کھڑا ہوا تھا، قیام گاہ میں اور دوسرے خدام بھی موجود تھے۔ حضرت کی نظر جب اس خادم پر پڑی تو حضرت نے یہ فرمایا کہ مفتی صاحب ذری یہاں تشریف لائیے، یہ فرماتے ہوئے آپ خلوت گاہ میں تشریف لے جاکر اپنی چارپائی پر بیٹھ گئے۔

حضرت کے اس جملہ کو وہاں موجود جن خدام اور مہمانوں نے سنا وہ سمجھ گئے

کہ آج مفتی حبیب اللہ صاحب کی پگڑی بندھ گئی اور آج وہ مستند ہوگئے۔ چنانچہ حضرت کے حکم پر یہ خادم خلوت گاہ پہونچا، حضرت چار پائی پر تشریف فرما تھے، وہاں پہونچ کر قدموں میں بیٹھ گیا، حضرت نے زبانی اس خادم کو اپنی اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا اور اس کے بعد اس خادم سے مکہ مکرمہ سے مرسلہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کے ایک خلیفہ کی تحریر جو اس خادم کو ۲۲؍فروری ۱۹۸۹ء کو موصول ہوئی تھی جو میرے جیب میں موجود تھی اور جس کا علم حضرت مفتی صاحب کو اس سے پہلے ہو چکا تھا وہ تحریر طلب فرمائی۔ چنانچہ جیب میں موجود ہونے کی وجہ سے خادم نے اس کو پیش کر دیا۔ حضرت نے وہ تحریر اپنے دست مبارک میں لی اور اس کے اخیر میں یہ تحریر فرمایا کہ ”بندہ بھی تائید وتوثیق کرتا ہے، حق تعالیٰ نسبت مسلسلہ میں استقامت دے اور برکات وترقیات سے نوازے“۔

احقر محمود غفرلہ ۱۰؍رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ

یہ تحریر فرما کر اور دستخط کر کے اور تاریخ ڈال کر حضرت نے میرے سپرد فرمایا اور فرمایا کہ اس کو حفاظت سے رکھنا، یہ تحریر آئندہ کام آئے گی، اس کے بعد آواز دے کر مولانا ابراہیم افریقی کو بلایا جب وہ آ گئے تو ان سے کہا کہ حضرت شیخ الہند کے ترجمہ والا قرآن پاک ایک عدد اور ایک عدد مصلی لے کر آؤ۔ چنانچہ جب وہ لے کر آئے تو حضرت نے اپنے دست مبارک سے یہ دونوں چیزیں اس خادم کے سپرد فرمائیں، اس کے بعد مصافحہ اور معانقہ کر کے اس خادم کو رخصت فرمایا۔

حضرت کے یہاں سے رخصت ہو کر جب مسجد چھتہ میں معتکفین کے پاس

پہونچا تو خدام کے ذریعہ معتکفین میں خبر پھیل چکی تھی، اس لئے درجنوں واقفین نے حضرت کی اجازت پر مبارکباد پیش کی جن میں مولانا عبد الرشید صاحب استاذ بیت العلوم سرائے میر اور منشی عبد القدوس صاحب کسہا امباری ضلع اعظم گڑھ سابق استاذ انگلش مدرسہ ریاض العلوم گورینی بھی تھے، اور حضرت مفتی صاحب کی زندگی میں کئی رسائل وجرائد پر حضرت کی یہ نسبت بعض دوستوں نے شائع بھی کی جس کو خود اس خادم نے خانقاہ محمودیہ کے مہمانوں میں تقسیم کیا اور خود حضرت کے ہاتھ میں دیا، لیکن اس نسبت کے بارے میں نہ حضرت مفتی صاحب نے اپنی حیات میں کچھ فرمایا نہ خدام ومتعلقین میں سے کسی نے کوئی بات کہی۔

لیکن جب حضرت کا انتقال ہوگیا اور اس کے بعد حضرت کے خلفاء کی فہرست شائع کی گئی تو بعض معاندین نے عناد وبغض اور حسد وتعصب کی بنیاد پر انتقامی کاروائی کے جذبہ کے تحت بزور وبزر زبردستی اس خادم کا نام فہرست سے حذف کروایا اور اس کے بعد وہ زبانیں گنگ ہوگئیں جنہوں نے اجازت والی رات میں اس خادم کو مبارکباد پیش کی تھیں۔

جب دانستہ کی گئی اس حرکت کی اطلاع اس خادم کو ملی تو اس خادم نے اس سلسلہ میں مفتی فاروق صاحب میرٹھی سے زبانی وتحریری سوال کیا۔ اسی طرح مفتی رحمت اللہ کشمیری سے ملاقات کے وقت زبانی سوال کیا، لیکن دونوں حضرات گونگے بنے کھڑے رہے، اطمینان بخش جواب تو دور کی بات ہے، غیر اطمینان بخش جواب سے بھی ان کی زبانیں قاصر رہیں۔ بلکہ آج تک حضرت مفتی صاحب کے خدام وخلفاء میں سے کوئی بھی

اس مسئلہ پر اس خادم سے گفتگو کرنے کی اپنے اندر ہمت اور جرأت نہیں جٹا پایا۔

خلافت کے سلسلہ میں مولانا اسماعیل صاحب بدات کی گفتگو

البتہ مولانا اسماعیل بدات جو نانی نرولی گجرات کے رہنے والے تھے اور حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کے خدام وخلفاء میں سے تھے، مدینہ طیبہ میں ان کا قیام تھا، چند سال قبل مسجد نبوی میں ملاقات کے وقت انہوں نے چلتے چلاتے اس مسئلہ کا تذکرہ کیا کہ مفتی صاحب آپ کی اجازت وخلافت کے بارے میں لوگ مختلف قسم کی باتیں کرتے رہتے ہیں، اس کی حقیقت کیا ہے؟ خادم نے اس کے جواب میں انکا پتہ مراسلت حاصل کرلیا اور یہ عرض کیا کہ دونوں بزرگوں کی تحریر جو میرے پاس موجود ہے اس کی کاپی میں آپ کے پاس بھیج دوں گا، اس کو دیکھ لیں پھر اس مسئلہ پر مجھ سے بات کریں۔

چنانچہ ہندوستان واپسی کے بعد میں نے دونوں بزرگوں کی تحریر اول فرصت میں ان کے پاس بھیج دی اس کے ایک سال کے بعد پھر جب اس خادم کا حرمین کا سفر ہوا اور مسجد نبوی میں ان سے ملاقات ہوئی تو از خود میں نے ان سے پوچھا کہ میری مرسلہ تحریر آپ تک پہونچ گئی؟ اور آپ نے اس کو پڑھ لیا؟ انہوں نے اس کے جواب میں کہا کہ جی دونوں بزرگوں کی تحریرات مجھ کو مل گئیں اور میں نے ان کو بغور پڑھ لیا، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ پڑھ کر آپ کس نتیجہ پر پہونچے؟ انہوں نے مسجد نبوی میں قبلہ رخ بیٹھ کر قرآن کھلا ہوا تھا اس پر دونوں ہاتھ رکھے ہوئے تھے یہ فرمایا کہ میرے

نزدیک آپ دونوں بزرگوں یعنی مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی اور مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوری کے مصدقہ خلیفہ ہیں اوراس سلسلہ میں جولوگ بھی بکواس کرتے ہیں وہ سب ذاتی دشمنی اور عناد اور حسد وتعصب کی بنیاد پر بکتے ہیں، لہٰذا آپ ان بکواس کرنے والوں کی پرواہ نہ کریں، پوری ہمت وجرأت، طاقت وقوت اور ثبات قدمی کے ساتھ اپنا کام کرتے رہیں، اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے اور خصوصی فضل شامل حال فرمائے، اس کے بعد ان سے سلام ومصافحہ کرکے یہ خادم وہاں سے رخصت ہوگیا۔

دیوبند سے دہلی کا سفر

۱۰/رمضان مطابق ۷/اپریل سنیچر کے دن بعد نماز فجر دیوبند سے روانہ ہوکر دہلی پہونچا اور تین دن مرکز نظام الدین دہلی میں قیام کیا۔۱۲/رمضان مطابق ۹/اپریل سوموار کے دن پاکستان امبیسی سے پاکستان کا ویزہ ملا۔

دہلی سے امرتسر کا سفر

۱۳/رمضان مطابق ۱۰/اپریل منگل کے دن صبح ۷/بجے بذریعہ شان پنجاب ٹرین سے روانہ ہوکر تین بجے امرتسر پہونچا اور وہاں سے واگہ بارڈر گیا، لیکن بارڈر بند ہوجانے کی وجہ سے واپس آنا پڑا۔ جامع مسجد خیرالدین حال بزار امرتسر میں پوری رات

قیام کیا، پورے دن روزہ کی حالت میں جاگ کر سفر کرنے کی وجہ سے شام کے وقت حالت بہت زیادہ خراب ہوگئی، لیکن کسی طرح روزہ محفوظ رہا اور شام کو افطاری کے بعد قدرے حالت بہتر ہوئی، مولانا حامد حسین صاحب جو وہاں کے امام تھے انہوں نے بہت زیادہ خبر گیری رکھی اور ضرورت سے زیادہ انہوں نے خدمت اور اکرام سے کام لیا۔

امرتسر سے لاہور کا سفر

۱۴؍رمضان مطابق ۱۱؍اپریل بدھ کے دن ۱۱؍بجے جامع مسجد خیر الدین سے نکل کر واگہ بارڈر پہونچا اور وہاں سے ایک بجے لاہور پہونچنا ہوا، لاہور پہونچ کر پورا دن رات کا قیام حاجی شبیر احمد صاحب کے مکان پر ہوا، کل ہو کر فیصل آباد کے لئے روانگی ہوئی اور بھائی شفیق کے مکان پر پہونچ گیا، چندروز بھائی شفیق کے مکان پر قیام کرنے کے بعد ۲۰؍رمضان مطابق ۱۷؍اپریل منگل کے دن سے جامع مسجد ٹیکنیکل اسکول میں اعتکاف شروع کیا، اس سال بھی ماشاء اللہ پچاسوں افراد اعتکاف میں شریک ہوئے اور وہی سارے معمولات چلتے رہے جس کی تفصیلات یہ خادم اس سے پہلے لکھ چکا ہے، عید کے بعد چندروز قیام کے بعد ۷؍شوال مطابق ۳؍مئی جمعرات کے دن لاہور سے بذریعہ طیارہ پندرہ بیس منٹ میں دہلی ایئرپورٹ پہونچ گیا، اور دہلی سے روانہ ہو کر ۹؍شوال مطابق ۵؍مئی سنیچر کے دن مدرسہ ریاض العلوم گورینی پہونچ گیا، چونکہ آج ہی سے مدرسہ کھل رہا تھا اس لئے بروقت مدرسہ پہونچ کر مدرسہ کی ذمہ داریوں میں مصروف ہوگیا۔

فریج کی خریداری

۳؍ذیقعدہ ۱۴۱۰ھ مطابق ۲۸؍مئی دوشنبہ کے دن جونپور پہونچ کر گودریج کی ایک فریج خرید کر لایا جس کی برکت سے بہت سی چیزوں کو اسٹور کرنے میں سہولت و آسانی کے ساتھ ٹھنڈے پانی کی سہولت بھی حاصل ہوگئی، چونکہ مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں کسی کے پاس فریج کی سہولت نہیں تھی، اس لئے علاقہ میں اس کا چرچا بہت ہوا کہ مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں فریج آئی ہے، چونکہ اس زمانہ میں فریج کا رواج بہت کم تھا، ٹھنڈے پانی کی حصولیابی کے لئے سفر وحضر میں لوگ مٹکہ اور صراحی استعمال کرتے تھے، اس لئے مدرسہ ریاض العلوم میں فریج کی آمد کی خبر سن کر بعض لوگوں کو حیرانی اور پریشانی ہونے لگی۔

چنانچہ کھیتا سرائے میں صوفی شمس الدین صاحب جو باراں کے رہنے والے تھے اور ہر چہارشنبہ کو شب گزاری کے لئے مدرسہ ریاض العلوم گورینی آیا کرتے تھے، تبلیغی جماعت سے ان کا بہت گہرا تعلق تھا، انہوں نے مجھ سے ردیافت کیا اور دریافت کرنے کا انداز بہت استعجاب اور حیرت کا تھا کہ مفتی صاحب سنا ہے کہ گورینی مدرسہ میں فریج آئی ہے؟ اس کے جواب میں اس خادم نے عرض کیا کہ جی میں نے بھی سنا ہے اس کے بعد وہ خاموش ہوگئے۔ نہ انہوں نے آگے کوئی بات کی، نہ میں نے مزید کچھ بات کرنے کی ضرورت محسوس کی۔ چنانچہ وہاں سے میں بھی چل دیا اور وہ بھی چلے گئے۔

لیکن اس پاکیزہ اور حلال وطیب کمائی نے بہت ساتھ دیا اور آج تک الحمدللہ

وہ اپنے امور مفوضہ میں بالفعل متحرک ہے، نہ اس میں آج تک گیس ڈلوانے کی ضرورت پڑی اور نہ ہی کسی پارٹ پرزے تبدیل کرانے کی نوبت آئی، حالانکہ بیچ میں لائٹ نہ ہونے کی وجہ سے سات سال تک اس کو ساکن بنا کر رکھا۔ ایک طویل عرصہ کے بعد جب لائٹ آئی تو بلا تکلف اپنے پرانے انداز پر وہ متحرک ہوگئی اور اپنا تبریدی کام اس نے شروع کر دیا جس کو دیکھ کر میں بھی حیران رہ گیا۔ بہرحال دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی عمر میں برکت عطا فرمائے اور اس کی حیات کو دراز فرمائے۔

حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوری کی اس خادم کو اجازت بیعت وخلافت

۱۹؍ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ مطابق ۸؍نومبر جمعرات کے دن عشاء کی نماز کے بعد حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب اپنے معمولات سے فارغ ہوکر مدرسہ کی مسجد سے گھر جاتے ہوئے میرے مکان کے پاس آکر رکے اور آواز دی، میں مکان کے باہر والے کمرہ میں ایک مہمان کو کھانا کھلا رہا تھا، وہ مہمان مولانا نذیر احمد صاحب تھے جو کھیٹہنہ کے مکتب کے مدرس تھے اور خادم کی ملاقات کے لئے آئے ہوئے تھے۔ حضرت مولانا کی آواز سن کر کھانا چھوڑ کر میں نے دروازہ کھولا تو حضرت دروازہ پر تشریف فرما تھے، انداز ایسا تھا گویا کہ آپ میرے کمرے میں آکر کچھ کہنا چاہتے ہیں، لیکن حضرت نے جب یہ دیکھا کہ میں کھانا کھا رہا ہوں اور میرے ساتھ کوئی مہمان بھی ہے تو آپ نے

یہ فرمایا کہ ٹھیک ہے، آپ کھانا کھالیں اور مہمان کو بھی کھانا کھلا دیں اور اس سے جب فارغ ہو جائیں تو مجھ سے ملاقات کرلیں، آپ سے کچھ بات کرنی ہے، یہ کہہ کر حضرت اپنے مکان پر تشریف لے گئے، میں کھانے سے فارغ ہونے کے بعد حضرت کی ملاقات کے لئے مکان پر حاضر ہوا۔

تو اس وقت حضرت مولانا کپڑا تبدیل فرما رہے تھے اور حاجی ابوالحسن صاحب لکڑی والے جو حضرت مولانا کے سمدھی اور حضرت کے چھوٹے برخوردار حافظ عبداللہ کے خسر ہوتے تھے وہ حضرت کے کمرہ میں موجود تھے، جب یہ خادم حضرت کی قیام گاہ میں پہونچا تو آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور کمرہ کے باہر نل کے پاس لے کر آئے اور وہاں اسی حالت میں کہ میرا ہاتھ حضرت مولانا کے ہاتھ میں تھا قیام کی حالت میں مجھ کو مخاطب کر کے حضرت مولانا نے فرمایا کہ مفتی صاحب کئی روز سے ایک بات دل میں آرہی ہے، جو آپ سے کہنی تھی، لیکن مصروفیت کی وجہ سے آپ سے نہیں کہہ پایا، آج موقعہ نکال کر آپ کے مکان پر گیا تا کہ وہ بات میں آپ سے کہہ دوں جو کئی روز سے میرے دل میں گردش کر رہی ہے، لیکن آپ کھانا کھا رہے تھے اور مہمان بھی ساتھ میں تھے، اس لیے میں واپس آ گیا۔

اس کے بعد حضرت نے فرمایا کہ حضرت مجدد الف ثانی کے صاحبزادے حضرت خواجہ معصوم سرہندی نے لکھا ہے کہ ''مقصود ایں طریق پیری و مریدی کردن نیست''، کہ اس طریق یعنی راہ طریقت کا مقصد پیر بننا اور مرید بنانا نہیں ہے، لیکن سنت اللہ یہی ہے کہ پہلے کے بزرگوں نے اپنے خوردوں پر اعتماد کر کے ان کو خرقہ خلافت سے سرفراز کیا، اس طرح پہلوں کا کام خوردوں میں پہونچا اور پھر خوردوں نے اس کو

محفوظ رکھا اور آگے بڑھایا۔ اس تمہید کے بعد حضرت نے فرمایا کہ میں آج اپنے دونوں شیخ یعنی حضرت شاہ وصی اللہ صاحب اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کی طرف سے آپ کو اجازت بیعت وخلافت دیتا ہوں اور ان دونوں بزرگوں نے جو امانت میرے سپرد کی تھی آج میں وہ امانت آپ کے سپرد کرتا ہوں، لیکن میرے دونوں شیخ نے مجھ کو اس کی کوئی تحریر نہیں دی، اس لئے میرا بھی معمول تحریر دینے کا نہیں ہے، البتہ حضرت شاہ وصی اللہ صاحب نے جب مجھ کو اجازت دی تھی تو اجازت کے بعد یہ فرمایا تھا کہ اپنے دو چار مخلص دوستوں کو بتلا دینا، یہی بات میں آپ سے بھی کہتا ہوں کہ میری اس اجازت کی اطلاع آپ بھی اپنے دو چار مخلص دوستوں کو کر دیں۔

حضرت جب یہ کلمات اس خادم سے فرما رہے تھے تو اس خادم پر بے ساختہ گریہ طاری ہو گیا اور حضرت کی بات مکمل ہونے کے بعد اس خادم نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت یہ خادم تو اس لائق نہیں ہے۔ حضرت نے اس کے جواب میں تسلی آمیز کلمات فرمائے اور اپنے سینے سے لگا کر میرے سر پر دست شفقت رکھا اور دیر تک دعاء دیتے رہے اور یہ فرمایا کہ گھبرائیں نہیں انشاء اللہ، اللہ آپ سے کام لے گا، اس کے بعد حضرت مولانا اپنے کمرہ میں تشریف لے گئے اور میں روتا ہوا اپنے مکان پر آ گیا اور کئی گھنٹہ تک دل ودماغ پر اس کا اثر رہا۔

کل ہو کر اس خادم نے اس کی اطلاع حضرت مولانا کے برخوردار اور میرے مخلص دوست مولانا عبدالعظیم صاحب ندوی کو کی اس کے بعد پورے مدرسہ اور خواص میں چند روز میں یہ بات پھیل گئی، اس طرح مولانا عبدالعظیم صاحب کی کہی

ہوئی آٹھ دس سال پہلے کی بات سچ ثابت ہوگئی جس کا تذکرہ حیات حبیب الامت کے جلد اول میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے کہ اس بند دروازہ کا تالا انشاء اللہ مفتی صاحب ہی کھلوائیں گے۔ چنانچہ وہ بند درازہ کھلا اور نویں نمبر پر یہ خادم حضرت کا خلیفہ اور مجاز بنا۔ جس طرح برادران کی فہرست میں نویں نمبر پر اس خادم کا رجسٹریشن ہوا تھا اسی طرح نویں نمبر پر خلفاء کی فہرست میں بھی رجسٹریشن ہوگیا۔

اس کے بعد جب یہ بند دروازہ کھلا تو دوسرے بہت سے حضرات اس سے فیضیاب ہوئے۔ چنانچہ مولانا عبدالعظیم صاحب ندوی، حاجی رضوان اللہ صاحب بمبئی، حاجی عبدالوحید صاحب بھدوہی، قاری اختر عالم صاحب نریاؤں اور حافظ عبدالرب صاحب چھتے پور ضلع اعظم گڑھ وغیرہم اس سے فیض یاب ہوئے۔

حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب کی طرف سے اجازت وخلافت ملنے کے بعد طلباء واساتذہ اور عوام وخواص میں اس کا زبردست تذکرہ شروع ہوا اور مبارکبادیوں کے ساتھ مدرسہ کے ماحول میں مختلف انداز کے جملے گشت کرنے لگے۔ چنانچہ کئی ابناء قدیم اور خواص نے میری موجودگی میں دفتر نظامت میں بیٹھ کر نائب ناظم کو مخاطب کرکے ان کو سناتے ہوئے یہ کہا کہ اب تو بابا یعنی حضرت مولانا نے یہ طے کردیا کہ حضرت کے بعد اس مدرسہ کا حضرت کا جانشین کون ہوگا اور بعض پرانے حضرات کا نام لے کر کہنے والوں نے یہ کہا کہ یہ لوگ تو صرف لوٹے میں پانی بھرتے رہ گئے اور جوتی سیدھی کرتے رہ گئے، لیکن دل کو سیدھا کرنے کی فکر نہیں کی، اس لئے وہ حضرت مولانا کی اس دولت سے محروم رہ گئے، مدرسہ ریاض العلوم کے ایک پرانے استاذ کے بارے میں میرے دوست مولانا

عبدالعظیم صاحب ندوی نے ایک مرتبہ پوچھا کہ مفتی صاحب ان کا بھی نمبر آئے گا یا نہیں؟ میں نے اس کے جواب میں کہا کہ ان کا نمبر کبھی بھی نہیں آسکتا ہے، اس کے جواب میں انہوں نے پوچھا ایسا کیوں؟ اس پر خادم نے عرض کیا کہ چونکہ وہ صرف ظاہر میں بہت اچھے ہیں، ان کا باطن اچھا نہیں ہے اور اللہ والوں کی نظر ظاہر کے ساتھ باطن پر ہوتی ہے۔ چنانچہ اخیر تک وہ اس سعادت عظمی سے محروم ہی رہے۔

بہرحال اس عظیم سعادت کی حصولیابی اور لوگوں کے تبصرے کے بعد کچھ لوگوں کے دلوں میں حسد کی ہانڈی میں ابال آنے لگا اور بالتدریج انہوں نے ایسے سخت حالات پیدا کرنے شروع کردیئے تاکہ ان سنگین حالات سے گھبرا کر حضرت مولانا کی موجودگی میں، میں مدرسہ ریاض العلوم کو خیر باد کہہ دوں۔ چنانچہ یہی ہوا کہ دن بدن حالات سخت سے سخت تر ہوتے چلے گئے اور گھیرا گردوپیش میں اتنا تنگ کردیا گیا کہ مجبوراً اس خادم کو ۱۹۹۳ء میں وہ فیصلہ لینا پڑا جس کو کبھی سوچا بھی نہیں تھا جس کے بارے میں تفصیلی گفتگو انشاء اللہ آئندہ کے صفحات میں آپ پڑھیں گے۔

بھدوہی کا سفر

مدرسہ ریاض العلوم گورینی کے قیام کے دوران یوں تو بھدوہی کا سفر اکثر ہوا کرتا تھا لیکن یہ سفر ان اسفار سے مختلف تھا۔ ۱۴؍رمضان ۱۴۱۱ھ مطابق ۲۱؍مارچ ۱۹۹۱ء اتوار کے دن مدرسہ کے چندہ کے لئے بھدوہی کے سفر کا حکم ملا۔ چنانچہ ۱۵؍رمضان

مطابق یکم اپریل دوشنبہ کے دن یہ خادم بھدوہی گیا اور تین روز میں بھدوہی کا کام مکمل کرکے چوتھے دن مدرسہ ایک بڑی رقم کے ساتھ واپس آ گیا جس کا تفصیلی تذکرہ اس سے پہلے آ چکا ہے، اس کے بعد جو کچھ ہوا اور معاندین نے جو جو حرکتیں کیں ان کی تفصیل اس سے قبل لکھ چکا ہوں۔

مدرسہ ریاض العلوم میں ۱۹۹۱ء کا مکمل رمضان

معمول کے مطابق ۱۹۹۱ء کا بھی پورا رمضان مدرسہ میں حضرت مولانا کی خدمت میں گزارا اور اخیر عشرہ کے اعتکاف کے سارے معمولات انجام دیئے، رمضان المبارک میں اس خادم کے جو فرائض ہوتے تھے اس کی تفصیل اس سے قبل لکھ چکا ہوں۔ بہر حال رمضان مکمل ہونے کے بعد اس خادم کو عید کی نماز شاہ گنج میں پڑھانی تھی، چنانچہ وہاں پہونچ کر عید الفطر کی امامت و خطابت سے فارغ ہو کر مدرسہ واپس آیا اور اسی دن گھر کے لئے روانہ ہو گیا۔

سفر وطن چمپارن

اس سفر میں کئی روز گھر پر قیام رہا، چونکہ برادران کے والدین سے علیحدگی کے بعد کچھ مسائل میں پیچیدگی پیدا ہو گئی جس کو حل کرنے میں کئی روز کا وقت صرف

ہوا۔ بہرحال کچھ دوریاں بڑھیں کچھ مسائل بڑھے، بٹوارہ کو لے کر کچھ تلخیاں بڑھیں، قصہ مختصر ۱۸؍شوال مطابق ۴؍مئی ۱۹۹۱ء شنبہ کے دن والد محترم نے بہت دباؤ اور افہام وتفہیم کے بعد بادل خواستہ وناخواستہ نیا مکان تین پسران کے نام رجسٹری کر دیا جس کی بظاہر کسی کو امید نہیں تھی، اس کے بعد سے اختلافات میں کمی آنے لگی اور بٹوارہ کی آگ جو نومبر ۱۹۸۸ء میں لگی تھی وہ مئی ۱۹۹۱ء میں سرد ہوئی اور ہر ایک نے اپنی راہ لی اور اپنی اپنی قسمت کے سہارے زندگی گزارنے لگے۔

خادم کی بڑی بچی کے رشتہ کی پہل

۱۷؍شوال ۱۴۱۱ھ مطابق ۳؍مئی ۱۹۹۱ء جمعہ کے دن ۱۲؍بجے سیہی پہونچا اور جمعہ کی امامت وخطابت کی، جمعہ کے بعد حاجی ممتاز عالم صاحب عرف منگنو بابو کے مکان پر دوپہر کا کھانا کھایا، کھانے سے فارغ ہوکر ہم دونوں مولانا مسعود الرحمٰن صاحب قاسمی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حسب پروگرام ٹائر گاڑی پر سوار ہوکر مولانا کے ہمراہ پچپکڑی بازار کی مسجد پہونچے، تھوڑی دیر کے بعد اسی مسجد میں جناب عبدالخالق صاحب بزاز آئے جو حضرت مولانا مسعود الرحمٰن صاحب کے قریبی عزیز ہوتے تھے، حضرت مولانا نے ان کے سب سے چھوٹے برخوردار حافظ ظفیر الدین سے اس خادم کی سب سے بڑی بچی ذاکرہ نکہت کی نسبت کی بات بالآخر تھوڑی دیر کی گفتگو کے بعد پکی کر دی، حضرت مولانا نے جب ان سے مسجد میں بیٹھا کر ہاں کروالیا

اس کے بعد مجلس برخواست ہوگئی۔

لیکن سماجی رسم کی تکمیل کے لئے ۲۱ ربیع الاول ۱۴۱۲ھ مطابق یکم اکتوبر ۱۹۹۱ء منگل کے دن رات میں سوا گیارہ بجے اپنے گاؤں کے وکیل نامی ایک شخص کے ساتھ مدرسہ ریاض العلوم گورینی جناب عبدالخالق صاحب گھر سے پہونچے اور بچی سے ملاقات کے بعد اطمینان اور خوشی کا اظہار کیا اور جو رشتہ طے پا چکا تھا اس کو ری کنفرم کردیا۔ اس کے بعد ۲۳ ربیع الاول مطابق ۳ اکتوبر جمعرات کے دن دونوں حضرات بذریعہ بس لکھنؤ کے لئے روانہ ہو گئے، چونکہ ان کے برخوردار ندوہ میں زیرتعلیم تھے، وہاں پہونچ کر بڑوں کے فیصلہ سے ان کو آگاہ کیا۔

خادم کی بڑی بچی کا نکاح

حضرت مولانا مسعود الرحمٰن صاحب قاسمی کا طے کردہ رشتہ اپنے اختتام کو پہونچا، چنانچہ تاریخ مقرر ہوئی، اس مقررہ تاریخ سے چندروز قبل حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوری کی رفاقت میں گھر کے سفر کا نظام بنا، چونکہ نکاح حضرت مولانا ہی کو پڑھانا تھا اس لئے طے شدہ پروگرام کے مطابق سہ نفری قافلہ بنارس پہونچا (۱) حضرت مولانا (۲) مولانا عبدالعظیم صاحب ندوی (۳) یہ خادم۔

۲۳ ربیع الثانی مطابق یکم نومبر جمعہ کے دن یہ قافلہ بنارس پہونچا، ٹرین کے انتظار میں حضرت مولانا پوری بشاشت کے ساتھ پلیٹ فارم پر تشریف فرما رہے، ٹرین

آ کر رکی، حضرت مولانا ٹرین پر سوار ہو گئے، لیکن پندرہ منٹ کے بعد اچانک طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے سفر ملتوی کر کے ٹرین سے اتر گئے، اس کے بعد یہ خادم تنہا وایا پٹنہ گھر پہونچا اور چند روز کے بعد ۲۷؍ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ مطابق ۵؍نومبر ۱۹۹۱ء منگل کے دن بعد نماز عشاء مڑلی گاؤں میں اس خادم کی بڑی بچی ذاکرہ نکہت کا عقد نکاح حافظ ظفیر الدین سلمہ کے ہمراہ بعوض مہر فاطمی برادر اکبر نے پڑھایا، اس نکاح کی تقریب میں ۳۷، افراد نے شرکت کی جو ہمارے بعض بڑوں کے ذاتی فیصلہ کی وجہ سے ہوا۔

اس تقریب سے فارغ ہو کر ۲۹؍ربیع الثانی مطابق ۷؍نومبر جمعرات کے دن یہ خادم گھر سے روانہ ہو کر مدرسہ ریاض العلوم گورینی پہونچ گیا اور تدریسی خدمت میں حسب سابق مصروف ہو گیا۔

اس طرح زندگی کے ایک اہم فریضہ سے فراغت حاصل ہو گئی، باقی فرائض بعد میں اپنے اپنے وقت پر ادا ہوتے گئے۔

سفر کلکتہ

۱۹؍شوال ۱۴۱۱ھ مطابق ۵؍مئی ۱۹۹۱ء اتوار کے دن موتیہاری سے مظفر پور جانا ہوا اور مظفر پور سے ساڑھے گیارہ بجے لکھنؤ ہاوڑہ ایکسپریس کے ذریعہ کلکتہ کے لئے روانگی ہوئی اور اگلے دن ۲۰؍شوال مطابق ۶؍مئی دوشنبہ کے دن ۴؍بجے شام کو

کلکتہ پہونچ گیا اور بھائی جمیل کے مکان پر قیام رہا۔

چونکہ حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی ان ایام میں کلکتہ میں زیر علاج تھے اس لئے حضرت کی عیادت کے لئے کلکتہ کا سفر ہوا۔ چنانچہ حضرت مفتی صاحب کی عیادت سے فارغ ہونے کے بعد مزید پانچ روز کلکتہ میں قیام رہا، اس کے بعد ۲۵ر شوال مطابق ۱۱ر مئی سنیچر کے دن کلکتہ سے دہلی کے لئے بذریعہ فلائٹ روانگی ہوئی۔

کلکتہ سے دہلی کا سفر

۲۶ر شوال مطابق ۱۲ر مئی اتوار کے دن دہلی پہونچ کر مرکز نظام الدین میں قیام کیا۔ ۲۷ر شوال مطابق ۱۳ر مئی دوشنبہ کے دن زائرین ٹریولس سے سعودی ایئر لائنس کا ٹکٹ خریدا اور دیگر کاغذات کے ساتھ سعودی سفارتخانہ میں حج کے ویزہ کے لئے پاسپورٹ اور فارم جمع کرایا اور اسی دن ۴ر بجے شام کو الحمد للہ حج کا ویزہ مل گیا، اس کے اگلے دن ۲۸ر شوال مطابق ۱۴ر مئی منگل کے دن امیگریشن کا کام مکمل ہوگیا۔ اس طرح دو روز میں الحمد للہ بغیر کسی دقت اور پریشانی کے حج کے ویزہ کا کام مکمل کرکے دہلی سے وایا بنارس اور بھدوہی ۲ر ذیقعدہ مطابق ۱۷ر مئی جمعہ کے دن شام کو مدرسہ ریاض العلوم گورینی پہونچا اور چند روز مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں قیام کرنے کے بعد ۸ر ذیقعدہ مطابق ۲۳ر مئی جمعرات کے دن بذریعہ شرم جیوی ایکسپریس جونپور سے روانہ ہوکر ۹ر ذیقعدہ مطابق ۲۴ر مئی جمعہ کے دن ساڑھے بارہ

بجے دہلی پہونچا اور مرکز نظام الدین میں قیام کیا۔

خادم کا دوسرا سفر حج

۱۰؍ ذیقعدہ ۱۴۱۱ھ مطابق ۲۵؍ مئی ۱۹۹۱ء سنیچر کے دن صبح ۱۰:۳۰؍ بجے بذریعہ سعودی ایئر لائنس دہلی سے روانگی ہوئی اور ۱۱؍ ذیقعدہ مطابق ۲۶؍ مئی اتوار کے دن صبح جدہ پہونچا اور ۱۱؍۳۰ بجے مکہ مکرمہ پہونچ گیا۔ حج کا یہ سفر بھی پہلے والے حج کے معمولات کے مطابق ہوا، البتہ اس سفر میں ۱۸؍ ذیقعدہ مطابق ۲؍ جون اتوار کے دن جبل ثور پر چڑھنے اور غار ثور کی زیارت کی سعادت نصیب ہوئی۔ ۶:۱۵؍ بجے جبل ثور پر چڑھنا شروع کیا اور پونے دو گھنٹہ چلنے کے بعد ۸:۰۰؍ بجے غار ثور پر پہونچا، وہاں ڈیڑھ گھنٹہ قیام کرنے کے بعد نیچے اترا اور دار الرشید واپس آ گیا، رفقاء سفر میں حافظ عبد الستار صاحب کے لڑکے مولانا طاہر مکی اور جناب الحاج ماسٹر وجہ القمر صاحب تھے اس کے بعد مکہ مکرمہ ہی میں قیام رہا، حرم مکی کی حاضری کی سعادت کے ساتھ کثرت طواف کا خوب موقعہ ملا، حج کی سعادت عظمی سے فارغ ہونے کے بعد ۲۷؍ ذی الحجہ مطابق ۱۰؍ جولائی بدھ کے دن ۹:۰۰؍ بجے رات میں حضرت مولانا عبد الحفیظ صاحب مکی کے بھائی زبیر احمد صاحب کی گاڑی سے مدینہ منورہ کے لئے روانگی ہوئی اور ۲:۳۰؍ بجے رات میں مدینہ منورہ پہونچنا ہوا۔ ۶؍ روز مدینہ طیبہ میں قیام کے بعد ۳؍ محرم مطابق ۱۶؍ جولائی منگل کے دن مدینہ طیبہ سے جدہ بذریعہ فلائٹ اور جدہ سے مکہ مکرمہ بذریعہ ٹیکسی پہونچنا ہوا، اس

کے بعد ۱۹؍محرم مطابق یکم اگست جمعرات تک مستقل مکہ مکرمہ میں قیام رہا۔ ۲۰؍محرم مطابق ۲؍اگست جمعہ کے دن مکہ مکرمہ سے روانہ ہوکر جدہ آیا اور جدہ سے ۱۱:۳۰؍بجے بذریعہ ایئر انڈیا فلائٹ ہندوستان کے لئے روانہ ہوکر ۱۰:۳۰؍بجے دہلی پہونچا۔

رات کا قیام مرکز نظام الدین میں کیا، کل ہوکر ۲۱؍محرم مطابق ۳؍اگست سنیچر کے دن بذریعہ شرم جیوی ایکسپریس پٹنہ کے لئے روانگی ہوئی، کل ہوکر ۲۲؍محرم مطابق ۴؍اگست اتوار کے دن ۷:۰۰؍بجے صبح پٹنہ پہونچا اور ۱۲:۳۰؍بجے موتیہاری پہونچنا ہوا۔ آٹھ روز گھر پر قیام کرنے کے بعد اعزاء واقارب کی ملاقات سے فارغ ہوکر یکم صفر ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۲؍اگست ۱۹۹۱ء دوشنبہ کے دن موتیہاری سے روانہ ہوکر ۱۰:۳۰؍بجے پٹنہ پہونچا اور شام کو ۷:۰۰؍بجے داناپور ایکسپریس کے ذریعہ کلکتہ کے لئے روانہ ہوا۔ ۲؍صفر مطابق ۱۳؍اگست منگل کے دن صبح ۱۱:۰۰؍بجے کلکتہ پہونچنا ہوا اور نارکل ڈانگہ میں بھائی جمیل صاحب کے مکان پر قیام رہا، تین روز وہاں قیام کرنے کے بعد چوتھے دن ۵؍صفر مطابق ۱۶؍اگست جمعہ کے دن ۱۱:۰۰؍بجے رات میں بذریعہ ہمگری ایکسپریس کلکتہ سے بنارس کے لئے روانگی ہوئی اور ۶؍صفر مطابق ۱۷؍اگست ۳:۳۰؍بجے بنارس پہونچ کر حاجی یحییٰ صاحب کے مکان پر قیام رہا، کل ہوکر ۷؍صفر مطابق ۱۸؍اگست اتوار کے دن بعد نماز ظہر بذریعہ کار حافظ عبید اللہ صاحب کی رفاقت میں بھدوہی جانا ہوا اور رات کا قیام بھدوہی میں رہا، کل ہوکر ۸؍صفر مطابق ۱۹؍اگست دوشنبہ کے دن ۱۱:۰۰؍بجے بھدوہی سے روانہ ہوکر ۵:۰۰؍بجے مدرسہ ریاض العلوم گورینی پہونچا اور ۹؍صفر مطابق ۲۰؍اگست منگل کے دن سے

باضابطہ اسباق شروع کردیا۔ درمیان میں ششماہی امتحان ہوا اور ایک ہفتہ ششماہی امتحان کی چھٹی ہوئی۔ چھٹی میں یہ خادم وطن گیا اور مختلف تقریب اور پروگراموں میں شرکت کے بعد ۱۹؍ربیع الاول مطابق ۲۹؍ستمبر اتوار کے دن گھر سے بچوں کو لے کر ماروتی وین کے ذریعہ مدرسہ گورینی کے لئے روانہ ہوا اور ۳:۰۰؍بجے شام کو مدرسہ ریاض العلوم پہونچ گیا۔ آج ہی بعد نماز مغرب حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب نے اپنے برخوردار مولانا عبدالعظیم صاحب ندوی کو اجازت بیعت وخلافت سے سرفراز فرمایا، اس کے بعد پوری یکسوئی اور محنت کے ساتھ تدریس میں مصروف ہوگیا اور کوشش کرکے مافات کی تلافی میں لگ گیا۔

فقہی اجتماع کی شرکت کے لئے دیوبند کا سفر

۱۹؍جمادی الاولیٰ ۱۴۱۲ھ مطابق ۲۷؍نومبر ۱۹۹۱ء بدھ کے دن دیوبند میں ہونے والے فقہی اجتماع کی شرکت کے لئے بذریعہ کسان ایکسپریس جانا ہوا، سہ روزہ پروگرام میں شرکت کے بعد ۲۲؍جمادی الاولیٰ مطابق ۳۰؍نومبر سنیچر کے دن سہارن پور ہوتے ہوئے دہلی ۹:۰۰؍بجے رات میں پہونچا اور ۲۳؍جمادی الاولیٰ مطابق یکم دسمبر اتوار کے دن جمعیۃ علماء ہند کی مجلس منتظمہ میں شرکت کی اور کل ہوکر ۲۴؍جمادی الاولیٰ مطابق ۲؍دسمبر پیر کے دن بذریعہ سرجو جمنا ایکسپریس روانہ ہوکر ۲۵؍جمادی الاولیٰ مطابق ۳؍دسمبر منگل کے دن ظہر کی نماز کے بعد مدرسہ ریاض العلوم گورینی

پہونچا اور تدریس میں مصروف ہوگیا۔

پاکستان کا تیسرا سفر

۹؍رمضان ۱۴۱۲ھ ۱۵؍ مارچ ۱۹۹۲ء اتوار کے دن حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوری سے پاکستان کے سفر کی اجازت ملی، چونکہ دو سفر میں وہاں کے خانقاہی نظام کے شروع ہوجانے کے بعد وہاں کے احباب کا اصرار بڑھتا گیا اور مجبوراً وہاں کے احباب کے اصرار وخواہش پر تیسرا سفر بھی کرنا پڑا، لیکن تیسرے سفر کے بعد باوجودیکہ ان کی خواہش اور اصرار کے ساتھ سفر کا دباؤ بہت رہا، لیکن اس خادم نے ہمیشہ کے لئے وہاں کے سفر پر بریک لگادیا جس کے وجوہات واسباب کا تذکرہ انشاء اللہ آئندہ کے صفحات میں کروں گا۔

بہرحال رمضان کا پہلا عشرہ حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب کی خدمت میں گزارنے کے بعد حضرت مولانا سے اجازت لے کر ۱۰؍رمضان مطابق ۱۶؍ مارچ دو شنبہ کے دن گنگا جمنا ایکسپریس کے ذریعہ جونپور سے روانہ ہوکر ۱۱؍رمضان مطابق ۱۷؍ مارچ منگل کے دن ۹:۰۰؍ بجے صبح دہلی پہونچا اور اسی دن پاکستان امبیسی جاکر فارم بھر کر ویزہ کی اپلائی کردیا، اور الحمدللہ کل ہوکر ۱۲؍رمضان مطابق ۱۸؍ مارچ بدھ کے دن ویزہ مل گیا، اور فلائٹ کا ٹکٹ بھی خریدلیا۔

۱۳؍رمضان ۱۹؍ مارچ جمعرات کے دن ۵:۳۰؍ بجے شام کو بذریعہ فلائٹ

دہلی سے روانہ ہوکر آدھے گھنٹہ میں بعافیت لاہور پہونچ گیا، جب فلائٹ لاہور اتری اوراس کا دروازہ کھلا تو ابھی پسنجر سب سیٹوں پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک صاحب فلائٹ کے اندر داخل ہوئے اور انہوں نے یہ اعلان کیا کہ آپ حضرات میں مفتی حبیب اللہ صاحب کون ہیں؟ اس خادم نے ہاتھ اٹھا کر جواب دیا کہ میں ہوں، انہوں نے اپنے ساتھ چلنے کو مجھ سے کہا، چنانچہ فلائٹ سے اتر کر سب سے پہلے میں ان کے ساتھ ہولیا اور وہ بہت اکرام کے ساتھ اپنے ساتھ لے گئے اور ایئرپورٹ کے گیسٹ ہاؤس میں اپنے ساتھ بیٹھایا اور میرا لگیج خود ہی لاکر گیسٹ ہاؤس میں پہونچا دیا، اس کے بعد پُرتکلف ناشتہ کرایا، ناشتہ سے فارغ ہونے کے بعد سامان گاڑی پر رکھا اور بہت ادب واحترام کے ساتھ یہ کہا کہ حضرت! فیصل آباد جانے کے لئے گاڑی تیار ہے، چنانچہ یہ خادم گیسٹ ہاؤس سے نکل کر گاڑی پر آکر بیٹھ گیا۔

لاہور سے فیصل آباد کا سفر

لاہور سے فیصل آباد جانے کے لئے جس گاڑی پر بیٹھنا ہوا وہ گاڑی اس خادم کے لئے اسم اور مسمی دونوں اعتبار سے نئی تھی، معلوم کرنے کے بعد پتہ لگا کہ اس گاڑی کا نام مرسڈیز ہے جس کو ہندوستان میں دیکھنے کا بھی اتفاق بھی نہیں ہوا تھا، معلوم ہوا کہ اس کا شمار مہنگی گاڑیوں میں ہوتا ہے اور صرف اصحاب ثروت ہی اس کو استعمال کر پاتے ہیں، عام لوگوں کے دسترس سے یہ گاڑی دور ہے، ہندوستان میں

نایاب گاڑیوں میں اس کا شمار ہے، لیکن پاکستان میں بکثرت امراء اور روساء کے پاس یہ گاڑی پائی جاتی ہے، لاہور سے فیصل آباد جانے کی سڑک بھی بہت اچھی بنی ہوئی تھی، برق رفتاری کے ساتھ فیصل آباد کا سفر چند گھنٹوں میں پورا ہو گیا، فیصل آباد پہونچ کر بھائی شفیق کے مکان پر قیام ہوا، ملاقات کے بعد بھائی شفیق سے لاہور ایئرپورٹ کی پوری کہانی فلائٹ سے لے کر گیسٹ ہاؤس تک سنائی اس کے جواب میں وہ ہنسنے لگے اور بتلایا کہ اپنے دوست انیس ستارہ ٹیکسٹائل والے نے لاہور ایئرپورٹ کے مینجر کو فون کر دیا تھا کہ پی، آئی، اے کی فلائٹ جو دلی سے آ رہی ہے اس میں ہمارے ایک مہمان بزرگ آ رہے ہیں، وہاں کے مینجر چونکہ انیس کے دوستوں میں سے تھا، یہ جاننے کے بعد اس نے آپ کا اکرام کیا اور خاطر داری کی یہ انیس کے فون کا اثر تھا۔

بہر حال اس کے بعد چند روز بھائی شفیق کے مکان پر قیام رہا اور مختلف احباب کے یہاں افطاری کی دعوتوں میں شرکت ہوتی رہی اس کے بعد ۲۰؍رمضان مطابق ۲۶؍ مارچ جمعرات کے دن شام کے وقت سے اعتکاف شروع ہو گیا اور اعتکاف میں حسب معمول پچاسوں افراد نے شرکت کی، ہر سال کی طرح اس سال بھی سارے معمولات پورے ہوتے رہے، بالخصوص تراویح کے بعد دو تین گھنٹہ کی عمومی مجلس بھی ہوتی رہی جس میں فیصل آباد تاجر گھرانوں کے نوجوان کثرت سے شوق کے ساتھ شرکت کرتے رہے، نیز حاجی غفور اور حاجی بشیر برادران ستارہ ٹیکسٹائلس مل والے کے تین لڑکے طارق، ادریس، انیس روزانہ بہت شوق سے ضیافت کے نئے نئے آئٹم کے ساتھ پابندی کے ساتھ شریک مجلس ہوتے رہے۔

ادریس صاحب کی زبانی خادم کا تعارف

تیسرے سفر میں عمومی مجلس میں شریک ہونے والے تجار کی موجودگی میں جناب ادریس صاحب نے پہلے ہی دن تعارف کراتے ہوئے اپنے دوستوں سے یہ کہا کہ ہمارے مفتی صاحب کا احسان ہے کہ بغیر ہماری کسی محنت و مشقت کے سال میں ایک مرتبہ ہم سب کی محبت میں اتنا لمبا سفر کر کے ہندوستان سے یہاں تشریف لاتے ہیں اور ہمارے درمیان گھل مل کر بے تکلفی کے ساتھ بغیر کسی حجاب کے ہماری علمی و دینی رہبری فرماتے ہیں اور اہم ترین و باریک مسائل سے ہمیں روشناس کراتے ہیں۔ اس پر ہم حضرت مفتی صاحب کا جتنا بھی شکر ادا کریں کم ہے۔ گفتگو کو دراز کرتے ہوئے ایک سال پہلے کا اپنا ایک واقعہ حاضرین کو سنایا اور سنانے کے بعد یہ بتلایا کہ ہمارے حضرت مفتی صاحب کا علم ہمارے ملک کے اکابر علماء کے علم سے کسی درجہ بھی کم نہیں ہے، البتہ یہ فرق ضرور ہے کہ ان کے گرد و پیش کوئی آہنی حصار نہیں ہے جو حصار ہمارے ملک کے علماء نے اپنے گرد و پیش قائم کر رکھا ہے جس کی وجہ سے حضرت مفتی صاحب سے استفادہ ہم سب لوگوں کے لئے آسان تر ہے اور یہاں کے علماء سے استفادہ مشکل تر ہے۔

زکوۃ کے مصرف کا ایک اہم مسئلہ

جس واقعہ کا تذکرہ جناب ادریس صاحب نے میرے تعارف کے سلسلہ

میں اپنے دوستوں کے سامنے کیا وہ واقعہ یہ تھا کہ دوسرے سفر کے عمومی مجلس میں زکوۃ اوراس کے مصارف کے مسائل زیر گفتگو تھے، اسی درمیان ان کے برادر خورد جناب انیس صاحب نے ایک سوال کیا جس کا جواب فی الفور نہ دے کر یہ کہہ کر میں نے ان کوروک دیا کہ اس کا جواب تنہائی میں مجھ سے معلوم کرلیں۔ چنانچہ وہ تنہائی میں آئے، میں نے پورا سوال ان سے سنا جس کا حاصل یہ تھا کہ ستارہ ٹیکسٹائل والوں نے فیصل آباد میں زکوۃ کی رقم سے پورا ہوسپٹل تیار کروایا ہے جس ہوسپٹل کو اس خادم نے بھی دیکھا تھا، اس ہوسپٹل کی بڑی بڑی مشینیں زکوۃ کی رقم سے انہوں نے خریدیں اور ہوسپٹل میں بڑے بڑے ڈاکٹر، نرس اور ملازمین رکھے، ان کی تنخواہیں زکوۃ کی رقم سے یہ ادا کرتے ہیں اور اس ہاسپٹل میں آنے والے مریضوں کا علاج بلا امتیاز امیر وغریب زکوۃ کے پیسوں سے کرتے ہیں اور یہ سب کچھ سالوں سے چل رہا ہے، جب جناب انیس صاحب نے پوری بات بتائی تو یہ خادم سن کر حیران رہ گیا۔

پہلا سوال میں نے ان سے کیا کہ آپنے زکوۃ کی رقم سے پورے ہاسپٹل کی تعمیر کروایا، اس کی مشین خریدی، ڈاکٹروں کی تنخواہ آپ زکوۃ کی رقم سے دے رہے ہیں اور امیر وغریب سب کا علاج آپ مفت میں کررہے ہیں، یہ مسئلہ آپ نے یہاں کے علماء ومفتیان کرام سے کبھی پوچھا کہ اس طرح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جناب انیس صاحب نے اس کے جواب میں کہا کہ کسی سے پوچھا تو نہیں البتہ اس کے افتتاح میں امام حرم تشریف لائے تھے ان کے سامنے اس کا تذکرہ آیا کہ یہ سب زکوۃ کی رقم سے کروایا گیا ہے تو امام حرم شیخ عبداللہ السبیل نے اس کے جواب میں فرمایا کہ پاکستان

غریب ملک ہے، اس لئے یہاں سب چلے گا، کوئی حرج نہیں۔

جناب انیس صاحب کا یہ جواب سن کر یہ خادم حیران رہ گیا اور مسئلہ کی صحیح وضاحت کرتے ہوئے میں نے ان سے عرض کیا۔

مصرف زکوٰۃ کی درست جہت کی تعیین

کہ انیس صاحب عزیز فاطمہ ہوسپٹل کی تعمیر سے لے کر مشینوں کی خریداری اور تنخواہ کی ادائیگی تک جو کچھ بھی آپ حضرات نے کیا ہے وہ سب غلط ہوا ہے، اس لئے کہ زکوٰۃ کی رقم کو تعمیر میں لگانا چاہے ہوسپٹل ہی کی تعمیر کیوں نہ ہو، مشینوں کی خریداری، ڈاکٹروں اور ملازمین کی تنخواہ کی ادائیگی درست اور جائز نہیں ہے۔ آج تک جو کچھ ہوا سب غلط ہوا ہے، آپ کی زکوۃ ادا نہیں ہوئی، اب آگے ہوسپٹل کو چلانے کے لئے زکوۃ کی رقم سے ایک ہی شکل ہے کہ آپ وہاں ایک کاؤنٹر الگ سے بنائیں جس پر یہ بورڈ لگا ہو کہ اس کاؤنٹر سے زکوۃ کی رقم سے مدد کی جاتی ہے اور ایک فارم بنائیں جس پر سرخی ہو دواء علاج بمد زکوۃ اور اسکے ساتھ اس میں ڈاکٹروں کی رپورٹ لکھنے کے لئے جگہ ہو اور اس کے نیچے اس مریض پر خرچ ہونے والی ٹوٹل رقم کے اندراج کی جگہ ہو اور دیگر اخراجات کی تفصیلات کے ساتھ کل خرچ ہونے والی رقم کے اندراج کی جگہ ہو اور سب سے اخیر میں یہ تحریر ہو کہ میں فلاں بن فلاں ساکن فلاں اور ضلع فلاں غریب مسکین محتاج مستحق زکوۃ ہوں، میں اپنے علاج پر ہونے والی مذکورہ بالا رقم کے اخراجات کا متحمل نہیں ہوں، لہٰذا زکوۃ سے میری مدد کی

جائے، یہ فارم زکوۃ کاؤنٹر سے مریض حاصل کر کے متعلقہ ڈاکٹر کے پاس اس درخواست کے ساتھ جائے، ڈاکٹر بیماری کی تشخیص کے بعد اس کے علاج پر خرچ ہونے والی پوری رقم کا ٹوٹل لکھ کر فارم اس مریض کو دیدے، مریض اپنا نام پتہ لکھ کر دستخط کر دے اور زکوۃ کاؤنٹر پر جمع کر دے، اس کے بعد زکوۃ کاؤنٹر کا ذمہ دار اس کی درخواست پر مذکورہ پوری یا آدھی رقم حسب سہولت مریض کو دیدے، مریض وہ رقم اس کاؤنٹر سے لے کر ادائیگی کے کاؤنٹر پر پوری رقم یا کیف ما اتفق جمع کرادے، اس کے بعد وہ اپنا علاج کرالے، اس طرح جمع شدہ رقم جو مریضوں کی طرف سے آئے گی اس کا استعمال ہوسپٹل اور اس کی دوسری ضروریات میں جائز اور درست ہے، اس کے علاوہ کوئی دوسری صورت نہیں ہے۔

خادم نے جناب انیس صاحب کو جو بات بتلائی ان کے دل دماغ میں اتر گئی، انہوں نے اس کا تذکرہ اپنے بھائی محمد ادریس اور محمد طارق سے کیا، یہ مسئلہ چونکہ بالائی سطح کا تھا یعنی بڑے ابا اور ابا کے حل کا تھا اور ان کے بڑے ابا حاجی غفور صاحب چونکہ عمرہ کے لئے گئے ہوئے تھے، اس لئے اس مسئلہ کو سب بھائیوں نے دماغ میں محفوظ کر لیا اور بڑے ابا کی آمد کے منتظر رہے۔

حاجی غفور صاحب کی عمرہ سے واپسی اور مسئلہ زکوۃ کا تذکرہ

جب حاجی غفور صاحب کی واپسی کا وقت قریب آیا تو لاہور ایئر پورٹ پر ان کو لانے کے لئے ان کے لڑکے جناب طارق صاحب گئے اور واپسی پر راستہ میں فاطمہ

عزیز ہوسپٹل کے سلسلہ میں جو بات میں نے انیس صاحب سے کہی تھی وہ پوری بات انہوں نے ان سے نقل کی، وہ پوری بات سننے کے بعد آگ بگولہ ہوگئے اور مجھ پر آپے سے باہر ہوگئے، پورے غصے میں گھر پہونچے، اعتکاف ختم ہونے کے بعد جب ان سے ملاقات ہوئی تو پوری برہمی کے ساتھ مجھ سے انہوں نے بات کی، میں نے ان کی پوری بات سننے کے بعد ان سے کہہ دیا کہ حاجی صاحب جو مسئلہ صحیح اور درست ہے اور حق اور واجب العمل ہے وہ میں نے آپ کو بتلا دیا، اب عمل کرنا نہ کرنا یہ آپ کا کام ہے، البتہ کل ہوکر جب اللہ کے یہاں آپ کو اپنی زکوۃ کا حساب دینا ہوگا تو عبداللہ السبیل امام حرم آپ کو نہیں بچا پائیں گے، مزید میں نے کہا کہ آپ کو جہنم میں جانا ہو جائیں، آپ جو کچھ کر رہے ہیں، یہ غلط ہو رہا ہے، یہ کہہ کر غصہ میں باہر نکل آیا، جب میں باہر نکلا تو میرے ساتھ ان کے تینوں بچے بھی نکل آئے اور مجھ کو ایک کمرہ میں بیٹھا کر میرے غصہ کو ٹھنڈا کیا اور کافی دیر تک میری بات کی تائید میں گفتگو کرتے رہے۔ بہر حال میں وہاں سے نکل کر بھائی شفیق کے مکان پر آ گیا، اس کے بعد کیا ہوا مجھے نہیں معلوم۔

لیکن اگلے سال جب سفر میں جانا ہوا اور حاجی غفور صاحب کے چھوٹے بھائی حاجی بشیر احمد صاحب کے لڑکے جناب ادریس صاحب نے میرا تعارف کراتے ہوئے اس مسئلہ کا تذکرہ کیا تب میں نے جانا اس کے بعد کیا ہوا۔

جناب ادریس صاحب نے تعارف کراتے ہوئے تجار اور رفقاء کے سامنے بند لفظوں میں یہ کہا کہ ہمارے حضرت مفتی صاحب کے علمی تعمق اور گہرائی کا اندازہ آپ حضرات اس سے لگا سکتے ہیں کہ سال گزشتہ انہوں نے ہمارے برادر خورد انیس سلمہ

سے ایک مسئلہ بتایا، نیز اس کی پیچیدگیوں کا ایک حل بھی بتلایا، جب اس کا تذکرہ بھائیوں نے اپنے بڑے والد حاجی غفوصاحب سے کیا تو ان کو یقین نہیں آیا، انہوں نے عید کے بعد پاکستان کے سب سے بڑے مفتی جناب حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب سے فون کر کے اس مسئلہ میں گفتگو کے لئے وقت مانگا تو انہوں نے پندرہ دن کے بعد تاریخ متعین کر کے صرف ایک گھنٹہ کا وقت دیا۔

چنانچہ وقت مقررہ پر بذریعہ فلائٹ فیصل آباد سے کراچی گئے اور کراچی ایئرپورٹ سے دارالعلوم کورنگی گئے اور دیئے ہوئے وقت کے مطابق ملاقات کے لئے پہونچے اور مسئلہ کی پوری صورتحال ان سے بتلائی تو حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب نے بھی اس مسئلہ کا وہی جواب اور بعینہ وہی حل بتلایا جو ہمارے حضرت مفتی صاحب نے بتلایا تھا، اس کے بعد انہوں نے اپنے دوستوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اس سے آپ حضرات اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہمارے حضرت مفتی صاحب کا علم کتنا زیادہ وسیع اور گہرا ہے، اتنا علم رکھنے کے باوجود ان کا ہم لوگوں پر احسان ہے کہ کئی سال سے یہ ہندوستان سے ہمیں علمی فیض پہونچانے کے لئے زحمت سفر اٹھاتے ہیں اور ہمیں اپنے علوم ومعارف سے مستفید کرتے ہیں۔

لہٰذا ہمیں ان کی قدر کرنی چاہئے اور پابندی کے ساتھ ان کی خدمت میں حاضر ہوکر ان کے علوم ومعارف سے فیض اٹھانا چاہئے۔ چنانچہ پورا عشرہ پابندی کے ساتھ نوجوان تجاررات کی عمومی مجلس میں شرکت کرتے رہے اور پیچیدہ علمی سوالات کا تشفی بخش جواب حاصل کر کے جاتے رہے اور الحمدللہ یہ سلسلہ پورا عشرہ چلتا رہا۔

عیدالفطر کا چانداور عید کی نماز

۲۹؍رمضان مطابق ۴؍اپریل سنیچر کے دن عید کے چاند کی رویت کا اعلان ہوگیا،کل ہوکر ۵؍اپریل اتوار کے دن عید کی نماز ادا کی گئی۔ بھائی شفیق میاں کے بہنوئی جن کا فیصل آباد ہی میں ایک بڑا فارم ہاؤس تھا، ایک وسیع اور عریض باؤنڈری شدہ زمین میں فارم ہاؤس کے ساتھ رہائش گاہ بھی تھی اوراسی میں ایک مسجد بھی،انہوں نے بنوارکھی تھی جس میں وہ پنجوقتہ نماز بھی ادا کیا کرتے تھے،ان کی خواہش اوراصرار پر عید کی نماز اس خادم نے ان کی مسجد میں پڑھائی اور عید کے بعد حسب معمول ماکولات ومشروبات سے فارغ ہوکر بھائی شفیق صاحب کے مکان پر واپسی ہوگئی۔

عید کے بعد کئی روز تک ان احباب کے یہاں دعوتوں کا سلسلہ چلتا رہا جو اس خادم کے ساتھ اعتکاف میں شریک تھے،ان دعوتوں سے فارغ ہونے کے بعد۔

سفر کراچی

۹؍شوال مطابق ۱۳؍اپریل دوشنبہ کے دن یہ خادم فیصل آباد سے بذریعہ فلائٹ کراچی کے لئے روانہ ہوا،کراچی کے سفر سے پہلے حکیم اختر صاحب کا کراچی سے ہمارے میزبان بھائی شفیق کے مکان پر ایک دن فون آیا کہ ایک دن آپ کراچی بھی تشریف لائیں،ان کی دعوت پرفون پر بات کرتے ہوئے خادم نے عرض کیا کہ آپ

نے فرمایا ہے کہ آپ کو لینے کے لئے میں خود کراچی ایئرپورٹ پر آؤں گا تو آپ سے اس سے پہلے کبھی ملاقات نہیں ہوئی تو آپ مجھ کو کیسے پہچانیں گے، حکیم صاحب نے فرمایا کہ کوئی نشانی بتلا دیں جس سے میں پہچان سکوں، جواب میں میں نے عرض کیا کہ سر پر کالی پگڑی، بدن پر کالی صدری، ہاتھ میں کالی کبڑی، یہ سن کر بہت دیر تک جھومتے رہے اور بار بار اس جملہ کو دہراتے رہے اور فرماتے رہے کہ کیا خوب نشانی آپ نے بتائی، پگڑی، صدری، کبڑی تینوں ہم وزن ہیں، اس لئے باوزن شخصیت کو میں ضرور پہچان لوں گا۔ چنانچہ جب کراچی ایئرپورٹ پر اترا تو ایئرپورٹ کے احاطہ میں داخل ہونے سے پہلے شیشہ سے تھانوی ٹوپی پہنے ہوئے ایک بزرگ نما شخصیت ہاتھ میں کبڑی لئے ہوئے کرسی پر بیٹھی ہوئی نظر آئی، دور سے دیکھتے ہی میں نے سمجھ لیا کہ یہی حکیم صاحب ہوں گے۔ چنانچہ قریب پہونچ کر سلام ومصافحہ اور معانقہ کیا اور میری بتلائی ہوئی تینوں نشانیوں کو پا کر بہت دیر تک محظوظ ہوتے رہے، اس کے بعد ساتھ میں باہر نکلے، گاڑی میں بیٹھ کر حکیم صاحب کے ہمراہ ان کی خانقاہ پہونچے، رات بھر ان کی خانقاہ میں قیام رہا، مختلف موضوع پر تبادلہ خیال بھی ہوتا رہا، پُرتکلف دعوت سے یہ خادم مستفید ہوا، رات بھر قیام کرنے کے بعد کل ہو کر لاہور کے لئے روانگی ہوگئی۔

کراچی سے لاہور کا سفر

۱۰ر شوال مطابق ۱۴ر اپریل منگل کے دن بذریعہ فلائٹ صبح ۸:۰۰ر بجے کراچی

سے روانہ ہوکر لاہور پہونچا اور بھائی شفیق صاحب کے عزیز حاجی شبیر احمد صاحب کے مکان پر دودن قیام رہا، دوروزہ قیام کے دوران لاہور کی اہم جگہوں کی زیارت کا بھی موقع ملا، حاجی شبیر احمد صاحب نیک طبیعت اور ملنسار اور نہایت شریف آدمی تھے، مہمانوں کی خدمت اور ان کے اکرام کا بہت اچھا سلیقہ اور شعور رکھتے تھے، ہندوستان سے آتے جاتے کئی مرتبہ ان کے مکان پر قیام کرنے کا اتفاق ہوا اور ہر مرتبہ بہت محبت اور عزت کے ساتھ اپنے یہاں انہوں نے رکھا اور پوری اپنائیت کا ثبوت دیا۔

لاہور سے دبئ کا سفر

دو روز لاہور میں قیام کے بعد ۱۲ر شوال ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۶ر اپریل ۱۹۹۲ء جمعرات کے دن بذریعہ پی، آئی، اے ۰۰:۱۰ر بجے لاہور سے روانہ ہوکر ۰۰:۱۲ر بجے دبئ پہونچ گیا۔ دبئ کا اس خادم کا یہ پہلا سفر تھا جو حاجی اشفاق احمد صاحب جو ''لدرھی''، ضلع جونپور کے رہنے والے تھے ان کے برخوردار عبدالعزیز جو دبئ میں کئی سال سے مقیم تھے ان کی دعوت پر اس خادم کا یہ سفر ہوا، دوروز دبئ میں قیام رہا اور دبئ کے مشہور مقامات کو قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا۔

۱۴ر شوال مطابق ۱۸ر اپریل سنیچر کے دن دبئ سے العین کے لئے جانا ہوا، یہ بھی دبئ کا ایک بڑا شہر ہے، لیکن دبئ سے ستر، اسی کیلومیٹر کے فاصلے پر ہے اور یہ مستقل اسٹیٹ کے بجائے ابوظہی کے تابع ہے، وہاں ابوظہی کے سلطان کے شہزادوں کی رہائش بھی ہے،

ضلع جونپوراوراعظم گڑھ کےاچھے خاصےافرادکاروبار سےوابستہ وہاں موجود ہیں،لیکن ان میں اکثریت ان حضرات کی ہے جوخیاطی یالانڈری کے کام سے منسلک ہیں، کچھ حضرات بلدیہ کے بھی ملازم ہیں اور کچھ حضرات نے اپنادوسرا کاروبار بھی کرر کھا ہے،ایک دن العین میں قیام کرنے کے بعد بہت سے دوستوں سے ملاقات کر کے ۱۵رشوال مطابق ۱۹راپریل اتوار کے دن شارجہ کے لئے واپسی ہوئی اور ایک دن اور ایک رات شارجہ میں قیام کے ساتھ وہاں موجود بہت سے احباب سے ملاقات کا موقع ملا،شارجہ دبئ سے بہت قریب کا شہر ہے، جہاں سے دبئ کا فاصلہ بہت کم ہے،لیکن شارجہ مستقل اسٹیٹ ہے جہاں کے سلطان مستقل الگ ہیں،اگر چہ یہ اسٹیٹ بھی''الامارات العربیۃ المتحدۃ''یعنی یو،اے،ای کا ایک اہم جزء ہےاور دبئ کا ویزہ ملحقہ ساتوں اسٹیٹ کی آمد ورفت کے لئے کافی ہوتا ہے،اس شہر میں بھی جونپوراعظم گڑھ کے بہت سے لوگ رہتے ہیں اور زیادہ تر انہیں دو کاموں سے وابستہ ہیں جن کا تذکرہ اس سے پہلے کیا جاچکا ہے،اس کے بعد ۱۶رشوال مطابق ۲۰راپریل دوشنبہ کے دن ابوظبی جانا ہوااور وہاں تین روز کا قیام رہا، یہاں کا قیام حاجی نبی احمد صاحب مرحوم منگراواں ضلع اعظم گڑھ کے برخوردار حاجی رضوان احمد صاحب وعمران احمد صاحب کے یہاں رہا،ابوظبی کوالامارات العربیۃ المتحدہ کے دارالسلطنت کی حیثیت حاصل ہے،اس لئے سلطان کا قیام بھی وہیں رہتا ہے۔اور عمارتوں کی تعداد بھی اور اسٹیٹ کے مقابلہ میں وہاں زیادہ ہے۔اگر چہ زیادہ مشہور دبئ ہے،لیکن اس کی شہرت دبئ کے عالمی منڈی ہونے کی حیثیت سے ہے،آبادی کے اعتبار سے ابوظبی کا رقبہ دبئ سے زیادہ ہے،تین روز کے قیام کے دوران ابوظبی کے مشہور مقامات کو دیکھنے کا موقعہ ملااور وہاں

موجود بہت سے احباب و دوستوں سے ملاقات بھی ہوئی۔

۱۹؍شوال مطابق ۲۳؍اپریل ابوظبی سے ''ختا'' کے لئے واپسی ہوئی جہاں فیض آباد ضلع کے عزیزم حافظ ارشاد احمد سلمہ قیام پذیر تھے، ان کے یہاں ایک دن اور رات بھر کا قیام رہا، یہ جگہ عمان کی پہاڑی کے دامن میں چھوٹی سی آبادی تھی جہاں چند عربوں کے مکانات تھے، انہیں کی ایک مسجد تھی جس میں چند نمازی ہوا کرتے تھے، اسی مسجد کے عزیز موصوف امام تھے، ان کی خواہش اور اصرار پر ان کے یہاں جانا ہوا اور ایک رات کا قیام انہیں کے یہاں رہا۔

۲۰؍شوال ۲۴؍اپریل جمعہ کے دن صبح کے وقت ختا سے رأس الخیمہ جانا ہوا، یہ بھی مستقل ایک چھوٹا سا اسٹیٹ ہے جہاں کے سلطان مستقل ہیں، اگرچہ یہ بھی الامارات العربیہ المتحدہ کا ایک جزء ہے لیکن دبئ سے کافی فاصلہ پر یہ شہر واقع ہے۔ اور وہاں کی آبادی بھی بہت بڑی نہیں ہے اور جونپور اعظم گڑھ کے رہنے والے افراد بھی وہاں بہت کم ہیں۔ سہولت کے اعتبار سے بھی وہاں بہت کمی نظر آئی، اگرچہ الحمد للہ مسجدیں وہاں کی بھی آباد تھیں۔

۲۱؍شوال مطابق ۲۵؍اپریل سنیچر کے دن الفجیرہ نامی شہر جانا ہوا، یہ جگہ بھی مستقل اسٹیٹ ہے اور الامارات العربیۃ المتحدہ کا جز ہے، یہاں کے سلطان بھی مستقل الگ ہیں لیکن سہولیات کی کافی کمی یہاں پر ہے، اور آبادی بھی اور شہروں کے مقابلہ میں بہت چھوٹی ہے، جونپور اعظم گڑھ کے رہنے والوں کی تعداد بھی وہاں بہت محدود تھی، اسی دن شام کے وقت فجیرہ سے دبئ کے لئے روانہ ہو گیا اور دو دن دبئ میں قیام کر کے ۲۴؍شوال مطابق

۲۸/اپریل منگل کے دن صبح ۰۰:۴/بجے دبئی سے روانہ ہوکر دہلی پہونچ گیا اور اسی دن دہلی سے روانہ ہوکر بذریعہ گنگا جمنا ایکسپریس ۲۶/شوال مطابق ۳۰/اپریل جمعرات کے دن گورینی پہونچ کر وہاں کے نظام تعلیم سے وابستہ ہوکر تدریس میں مشغول ہوگیا۔

حاجی جمیل صاحب کلکتہ والے کی ملاقات اور ان کی نصیحت

جیسا کہ اس سے پہلے اس کا تذکرہ آچکا ہے کہ بھائی جمیل صاحب کلکتہ والے اس خادم کے مخلص دوستوں میں سے تھے اور ان کی خواہش اور اصرار پر بار بار اس خادم کی حاضری کلکتہ ہوا کرتی تھی اور ہر آمد پر وہ ڈھیر سارے علمی سوالات اس خادم سے کیا کرتے تھے اور اس کا تشفی بخش جواب پا کر بہت مطمئن اور خوش ہوتے تھے، اسی وجہ سے ان کی خواہش ہوتی تھی کہ میں بار باران کے پاس آتا جاتا رہوں تا کہ ان کی علمی تشنگی دور ہوتی رہے۔

لیکن اسی کے ساتھ ان کی ذہانت وذکاوت، دوراندیشی اور معاملہ فہمی اور مردم شناسی اور حالات شناشی کا یہ خادم قائل تھا، چونکہ کئی معاملات میں ان کی دوراندیشی اور ذکاوت کو دیکھ چکا تھا، بالخصوص پاسپورٹ کے مسئلہ میں بہت قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقعہ ملا، اس لئے ان کے مشوروں کے ساتھ ان کی باتوں کو بالخصوص جو دنیاداری سے متعلق ہوا کرتی تھی بہت دھیان اور یکسوئی کے ساتھ سنتا اور اس پر عمل کرتا تھا۔

چنانچہ پاکستان کے تیسرے سفر سے واپسی کے بعد جب سفر کی روداد میں

نے ان کو سنائی تو بہت دھیان کے ساتھ ہر مرتبہ کی طرح روداد سفر سنتے رہے، سننے کے بعد بہت ہی تلخ لہجہ میں انہوں نے مجھ سے ایک سوال کیا کہ مفتی صاحب یہ بتلائیں کہ آپ کو ہندوستان میں رہنا ہے یا پاکستان میں؟ میں نے اس کے جواب میں کہا کہ ہندوستان میں رہنا ہے پاکستان میں نہیں، پاکستان میں رہنے کے لئے تو وہاں کے دوستوں کا بہت اصرار اور دباؤ تھا، ان لوگوں نے یہاں تک کہا کہ آپ صرف ہاں کہہ دیں چند گھنٹوں میں آپ کو گرین پاسپورٹ بن کر مل جائے گا، یہاں رہ کر اگر آپ مدرسہ چلانا چاہیں تو ہم آپ کو مدرسہ بنا کر دے دیں گے، اگر خانقاہ چلانا چاہیں تو خانقاہ بنا کر دے دیں گے، لیکن آپ یہاں کا قیام منظور کر لیں، لیکن میں نے بہت شدت کے ساتھ وہاں کے قیام کو منع کر دیا چونکہ میرے والدین اعزاء واقارب سب یہیں پر ہیں، میں ان سب کو چھوڑ کر اکیلے وہاں نہیں رہ سکتا۔ اگر چہ وہاں کے لوگ میرے علم سے بہت مانوس اور قریب ہیں اور میرے علم کی ان حضرات کو ضرورت بھی ہے، یہ جواب سننے کے بعد بھائی جمیل صاحب نے آگے یہ کہا کہ اگر آپ کو ہندوستان ہی میں رہنا ہے، وہاں نہیں تو وہاں کے سفر کو آپ بھول جائیں، ورنہ یہاں کی حکومت ڈنڈا لے کر آپ کے پیچھے پڑ جائیگی اور آپ کا جینا دوبھر ہو جائے گا۔

اس کے بعد انہوں نے یہ کہا کہ میرے دو بھائی کراچی میں رہتے ہیں اور ایک بھائی بنگلہ دیش میں، مجھے اس کا خوب تجربہ ہے کہ سفر کرنے کی وجہ سے کیسی کیسی دقتیں اور دشواریاں پیش آتی ہیں۔ اس لئے میں اپنے تجربات کی روشنی میں وہاں کے سفر سے منع کرتا ہوں، آپ وہاں کے سفر کو ایک دم بھول جائیں اور آئندہ ہرگز سفر نہ کریں۔

چنانچہ اس کے بعد میں نے وہاں کے سفر کا ارادہ مکمل ملتوی کر دیا اور وہاں کے دوستوں کی خواہش، اصرار اور دباؤ کے باوجود میں ایک طرح روپوش ہو کر مکمل سائیلنٹ ہو گیا جس کا افسوس میرے ان دوستوں کو آج تک ہے۔

تجدید پاسپورٹ کی کارگزاری

بھائی جمیل صاحب نے جو بات کہی تھی اس کا تجربہ اس خادم کو اس وقت ہوا جب اس کے بعد دونوں ملکوں کے تعلقات میں قدرے تلخی پیدا ہو گئی، تو بیرونی ہر سفر کے موقعہ پر ایئرپورٹ پر موجود امیگریشن والے میرا پاسپورٹ چیک کرتے اور اس پر پاکستان کا اسٹامپ دیکھتے تو ان کی پیشانی پر شکن آجاتا اور بہت تلخ لہجہ میں سوال کرتے کہ کیا آپ پاکستان بھی گئے تھے؟ اس کے جواب میں یہ خادم کہتا کہ جی! یہ جواب سن کر کبھی خاموش ہو جاتے، کبھی مزید سوالات کرتے، لیکن حیرانی بالائے حیرانی اس وقت ہوئی جب ۱۹۸۸ء کا بنا ہوا میرا پاسپورٹ دس سال کے بعد ختم ہو گیا اور تجدید کے لئے جب پٹنہ پاسپورٹ آفس میں اس کو جمع کرایا تو تمام تر کاروائی ہونے کے باوجود کئی مہینے گزر گئے، پاسپورٹ نہیں آیا، مجبوراً اپنے علاقے کے ایک ودھایک اور رشتہ کے عزیز جناب رحمٰن صاحب کو صورتحال سے واقف کرایا، اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ اس وقت پاسپورٹ کے آفیسر رکسول کے ایک صاحب ہیں جن سے میری ذاتی شناسائی ہے اور میرے ان سے قریبی تعلقات بھی ہیں، میں ان سے مل کر اس مسئلہ میں

بات کرتا ہوں اور تاخیر کی صورتحال جاننے کی کوشش کرتا ہوں۔

چنانچہ انہوں نے جب ملاقات کی تو ملاقات کی تفصیلات تو انہوں نے مجھ کو نہیں بتلائی، لیکن اتنا ضرور کہا کہ انشاءاللہ جلد ہی آپ کو پاسپورٹ مل جائے گا، ودھا یک جی کے پی،اے جناب شمیم احمد صاحب بھی ان کے ساتھ پاسپورٹ آفس گئے، لیکن وہ تھوڑے فاصلہ پر تھے، ان سے جب میں نے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ میں نے پوری بات تو نہیں سنی، البتہ میں نے دیکھا کہ وہ پاسپورٹ کھول کر کچھ دکھا رہے تھے اور انہوں نے نیتا جی سے یہ کہا کہ یہ پاسپورٹ ایشو مت کرائیے ورنہ ان کا پاسپورٹ پھر ضبط ہو جائے گا، نیتا جی نے اس کے جواب میں کہا کہ یہ میرے گھر کے آدمی ہیں، میرے رشتہ دار ہیں، میں ان سے اور ان کی پوری فیملی سے اچھی طرح واقف ہوں، کسی قسم کی کوئی بات قابل اعتراض نہیں ہے، اگر کوئی بات ہوئی تو اس کا جواب دہ میں ہوں گا، اس کی گارنٹی میں لیتا ہوں، لہٰذا آپ پاسپورٹ ایشو کر دیں، اس کے جواب میں پاسپورٹ آفیسر نے ہاں تو کر دیا لیکن دوبارہ انکوائری بھیج دی، جب انکوائری کی رپورٹ لکھوانے کے لئے میں تھانہ پر گیا تو تھانیدار نے کہا کہ آپ ہی حبیب اللہ جی ہیں؟ میں نے کہا جی! اس کے جواب میں اس نے کہا کہ ایک مہینہ پہلے سینٹرل گورنمنٹ کے آدمی بھی آپ کے گھر پر گئے تھے، تب معلوم ہوا کہ اوپر سے بھی انکوائری آئی تھی۔ بہر حال تھانیدار نے اپنے اعتبار سے تحقیق کر کے اور مطمئن ہو کر پاسپورٹ آفس دوبارہ رپورٹ بھیج دی، اس کے باوجود کئی ماہ گزر گئے لیکن پاسپورٹ نہیں آیا، یہ خادم مکمل مایوس ہو کر اور پاسپورٹ بھول کر بیٹھ گیا۔

ایک مرتبہ اچانک ودھا یک جی سے ملاقات ہوگئی، انہوں نے پھر دریافت

کیا میں نے بتلایا کہ ابھی تک نہیں آیا ہے، اس کے بعد دوبارہ انہوں نے پاسپورٹ آفیسر سے ملاقات کی لیکن دوبارہ بھی وہ وعدہ کر کے خاموش ہو کر بیٹھ گیا، ادھر میں بھی مطمئن ہو گیا کہ اب مجھ کو پاسپورٹ ملنے والا نہیں ہے۔

ادھر اتفاق سے جس دن میری بڑی بچی کی رخصتی تھی اور میں مکمل آئے ہوئے مہمانوں کی ضیافت اور بچی کی رخصتی میں مصروف تھا، اچانک ڈاکیہ آیا اور اس نے ایک رجسٹری دے کر دستخط کرایا، دستخط کرنے کے بعد جب لفافہ کھولا تو اس میں میرا اپنا پاسپورٹ تھا، اس کو دیکھ کر میری خوشی کی انتہا نہیں رہی اور اس کے بعد بیرون کے میرے اسفار شروع ہو گئے، یہ پاسپورٹ اس خادم کو ایک سال پندرہ دن کے بعد موصول ہوا۔

لیکن اس پوری کارروائی سے جمیل بھائی کی اس بات کی تصدیق ہو گئی جو انہوں نے کہی تھی۔ اس طرح جا کر یہ قصہ پارینہ دفن ہو گیا اور اس کا ذکر و تذکرہ ختم ہو گیا۔

مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں اضلاع مشرقیہ کا تبلیغی اجتماع

۶/۵/۷ رمئی ۱۹۹۲ء منگل، بدھ، جمعرات تین روزہ تبلیغی اجتماع یوپی کے اضلاع مشرقیہ کا مرکز سے طے پایا تھا جس کی تیاری عید کے بعد ہی سے ہو رہی تھی، یہ خادم جب سفر سے واپس مدرسہ پہونچا تو اجتماع کی ہمہ ہمی چل رہی تھی اور سارے لوگ اجتماع کی تیاری میں مصروف تھے۔ ۲۹ر شوال مطابق ۳ر مئی اتوار کے دن اس خادم کو جماعت کے احباب کی طرف سے حکم ملا کہ قاری ظہیر احمد صاحب جو چمپارن کے

پروگرام سے فارغ ہوکر سیوان مدرسہ سراج العلوم میں قیام پذیر ہیں، گاڑی سے ان کو مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں ہونے والے سہ روزہ اجتماع کی شرکت کے لئے سیوان سے لانا ہے۔ چنانچہ گاڑی لے کر گورینی سے یہ خادم روانہ ہوا اور رات میں مدرسہ سراج العلوم سیوان پہونچ گیا، رات میں وہاں قیام کر کے کل ہوکر ۳۰رشوال مطابق ۴رمئی دوشنبہ کے دن سیوان سے روانہ ہوکر دوپہر میں مدرسہ ریاض العلوم گورینی پہونچ گیا۔

یکم ذیقعدہ ۱۴۱۲ھ مطابق ۵رمئی ۱۹۹۲ء منگل کے دن سے اجتماع شروع ہوا، دس سے گیارہ مولانا داؤد میواتی کا بیان ہوا، ظہر کے بعد مولانا یعقوب صاحب سہارنپوری کا بیان ہوا، عصر کے بعد مولانا عبدالغنی صاحب احمدآبادی کا بیان ہوا اور مغرب کے بعد مولانا احمد لاٹ کا بیان ہوا۔

۲رذیقعدہ مطابق ۶رمئی بدھ کے دن فجر کے بعد مولانا محمد عمر صاحب پالنپوری کا بیان ہوا۔ ۹:۰۰ سے ۱۱:۰۰ر بجے تک کارگزاری ہوئی، ظہر کے بعد پنڈال میں قاری ظہیر صاحب کا بیان ہوا، علماء میں مولانا محمد عمر صاحب اور خواص میں مولانا احمد لاٹ صاحب نے بیان کیا، مغرب کے بعد مولانا محمد عمر صاحب پالنپوری کا تفصیلی بیان ہوا۔

۳رذیقعدہ مطابق ۷رمئی جمعرات کے دن فجر کے بعد عثمان بھاگل کا بیان ہوا اور ۹:۰۰ر بجے سے قاری ظہیر صاحب نے بیان کیا، اس کے بعد آخری بیان اور روانگی کی ہدایات اور دعاء اور روانگی اور سلام ومصافحہ مولانا محمد عمر صاحب پالنپوری نے کیا، اس طرح اجتماع اختتام پذیر ہوگیا، چلہ اور چار چلہ کی ۶۵ر جماعتیں نکلیں، اس کے بعد مہمانوں کی واپسی شروع ہوگئی۔

وفیات:

انتقال جنرل ضیاء الحق

۳؍محرم الحرام ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۰؍اگست ۱۹۸۸ء بدھ کے دن یہ خادم مدینہ طیبہ میں تھا، والدین کے ساتھ حج کے لئے گیا ہوا تھا، حج سے فارغ ہونے کے بعد مدینہ طیبہ کا سفر ہوا، مدینہ طیبہ میں قیام کے دوران ایک دن ۴:۳۰؍ بجے شام کو ہوٹل میں موجود ٹی وی پر یہ خبر نشر ہونے لگی کہ پاکستان کے صدر جنرل ضیاء الحق جو بھاولپور سے بذریعہ فلائٹ روانہ ہوئے تھے کماپور میں انکی فلائٹ پرواز کے دوران حادثہ کا شکار ہوگئی، جس کا تذکرہ مدینہ طیبہ میں ہر حاجی کی زبان پر تھا اوران کے حادثہ کی خبر سن کر سارے ہی لوگ دم بخود تھے۔ چونکہ جنرل ضیاء الحق کا شمار دیندار باشعور قائدین میں ہوتا تھا، عرب قائدین بھی ان سے بہت مانوس اورقریب تھےاور پاکستان کے علماء بھی ان کے آنے کے بعد بہت مطمئن اورخوش تھے، عالم عرب سےقریبی تعلقات کی وجہ سے حرمین شریفین میں آنے والے جمعہ کے دن ۵؍محرم مطابق ۱۹؍اگست کو جمعہ کی نماز کے بعد باضابطہ اعلان کے بعد غائبانہ ان کی نماز جنازہ ادا کی گئی اور مدینہ طیبہ سے لےکر مکہ مکرمہ تک لوگوں کی زبان پران کا تذکرہ تھا اورسبھی لوگ ان کا ذکر خیر کررہے تھے۔

انتقال بھائی جمیل الہ آبادی

۲۰؍ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ مطابق یکم دسمبر ۱۹۸۸ء جمعرات کے دن بھائی جمیل احمد الہ آبادی کا انتقال ہوا، آپ حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوری کے سمدھی تھے اور حضرت مولانا کے برخوردار مولانا عبدالعظیم صاحب ندوی کے خسر تھے۔ حضرت شاہ وصی اللہ صاحب الہ آبادی کے متعلقین میں سے تھے اور حضرت مولانا سے حضرت شاہ صاحب ہی کے یہاں ملاقات ہوتی رہتی تھی، اسی تعلق کی وجہ سے یہ رشتہ بھی ہوا، صوم وصلوۃ کے بہت پابند تھے، صلحاء شعار تھے، نرم خو نرم مزاج تھے، علم وعلماء نواز تھے، اکابرین اور بزرگوں سے محبت وعقیدت رکھتے تھے، جب انتقال کی خبر مدرسہ ریاض العلوم گورینی پہونچی تو اسی دن دس بجے دن میں گاڑی کے ذریعہ اساتذہ کا قافلہ جنازہ میں شرکت کے لئے الہ آباد روانہ ہوا جس میں یہ خادم بھی شریک تھا۔ ۲:۰۰؍بجے وہاں پہونچ کر تجہیز وتدفین میں شرکت کی اور مغرب کے بعد وہاں سے روانہ ہوکر ۱۱:۳۰؍بجے رات میں یہ قافلہ مدرسہ ریاض العلوم گورینی پہونچ گیا۔ دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے، درجات کو بلند فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔

انتقال ڈاکٹر غلام کریم صاحب خلیل آباد

۲۵؍جمادی الثانیہ ۱۴۰۹ھ مطابق ۲۴؍جنوری ۱۹۸۹ء منگل کے دن رات میں

ڈاکٹر غلام کریم صاحب کا جو خلیل آباد کے رہنے والے تھے، کچھ دنوں کی علالت کے بعد انتقال ہوگیا۔ آپ کا تبلیغی جماعت سے بہت گہرا تعلق تھا، اضلاع مشرقیہ کے تبلیغی جماعت کے اہم ذمہ داروں میں آپ کا شمار ہوتا تھا، تبلیغی کام کو قریب سے دیکھا اور سمجھا تھا اور مرکز کے اکابرین سے گہرا تعلق ومحبت بھی رکھتے تھے، اس لئے اخیر عمر میں مرکز پر مستقل قیام کے لئے آپ کو بلالیا گیا تھا، اضلاع مشرقیہ کے تبلیغ سے مربوط احباب آپ کو عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے، صوم وصلوۃ کے بے حد پابند تھے، صلحاء شعار تھے، مہمانوں کے قدرداں اور مہمان نواز تھے، اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے درجات کو بلند فرمائے۔

انتقال حضرت مولانا عبیداللہ صاحب بلیاوی

۸ر رجب ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۵ر فروری ۱۹۸۹ء بدھ کے دن صبح کو حضرت مولانا عبیداللہ صاحب بلیاوی شیخ الحدیث مدرسہ کاشف العلوم بنگلہ والی مسجد مرکز نظام الدین دہلی کا انتقال ہوا۔

حضرت مولانا عبیداللہ صاحب بلیاوی مرکز نظام الدین میں حضرت مولانا الیاس صاحب کے زمانہ سے تبلیغی کام سے وابستہ تھے اور اس کام کے لئے ہر حال میں ہر طرح کی قربانی آپ نے پیش کی اور پوری زندگی اس کام کے لئے وقف کردیا، کام کے دوران سخت ترین حالات سے آپ کو گزرنا پڑا، حتی کہ سب سے بڑے برخوردار عبدالقدوس کی پوری زندگی حاسدین ومعاندین کی بھینٹ چڑھ گئی، پھر بھی

آپ نے اس کام اور اس سے وابستگی کو نہیں چھوڑا بلکہ یہ فرما کر حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کے ساتھ تمام حاضرین ورفقاء واحباب کو حیرت میں ڈال دیا کہ ابھی تو میری ایک ہی اولاد قربان ہوئی ہے، اگر اس عظیم کام کے لئے میری ساری اولاد بلکہ میری بھی جان قربان اور قبول ہو جائے تو میں اپنے لئے سعادت سمجھوں گا۔

حضرت مولانا بلیاوی علم کے ساتھ صبر کے بھی پہاڑ تھے، انتہائی نرم خو اور نرم مزاج تھے، حضرت مولانا الیاس صاحب کے زمانہ میں ایسا بھی وقت آیا کہ فاقہ کی نوبت آ گئی، حضرت مولانا الیاس صاحب نے حضرت مولانا عبید اللہ صاحب بلیاوی کو بلا کر فرمایا کہ عبید اللہ اب تو فاقے شروع ہو گئے ہیں، پتہ نہیں یہ کب تک چلیں گے تم بیوی بال بچے والے ہو ان کے گزر بسر کی ذمہ داری بھی تمہارے سر ہے، اگر کہیں دوسری جگہ انتظام ہوسکتا ہو تو کرلو، اس کے جواب میں حضرت مولانا عبید اللہ صاحب نے بہت بشاشت کے ساتھ فرمایا کہ حضرت میں آپ کے دامن سے اس لئے وابستہ نہیں ہوا ہوں کہ یسر کی حالت میں تو آپ کے ساتھ رہوں اور عسر کی حالت میں آپ کا ساتھ چھوڑ دوں، ایسا نہیں ہوسکتا، میں ہر حال میں آپ کے ساتھ ہوں، یہ جواب سن کر حضرت مولانا الیاس صاحب بہت خوش اور مطمئن ہوئے، چندروز کے بعد بلا کر فرمایا کہ عبید اللہ خوش ہو جاؤ، ہمیشہ کے لئے مرکز نظام الدین سے فاقہ اٹھالیا گیا ہے۔

جب عربوں میں کام کے تعارف کی ضرورت کو ذمہ داروں نے محسوس کیا تو اس کے لئے مرکز کے ذمہ دار حضرات نے حضرت مولانا عبید اللہ صاحب بلیاوی کا انتخاب فرمایا۔ چنانچہ مرکز کے ذمہ دار حضرات کے فیصلہ کے سامنے سرخم تسلیم کرتے

ہوئے مدینہ منورہ کئی سال مقیم رہ کر اپنے علم وفضل اور زبان دانی کے ذریعہ موثر انداز میں عربوں میں تبلیغ کے کام کا تعارف کرایا، جب معتد بہ مقدار میں کام ہوگیا تو آپ کو مرکز بلا لیا گیا اور آپ کی جگہ پر مولانا سعید خاں صاحب کو طے کر دیا گیا، مرکز میں موجود علماء میں سب سے اچھا علم آپ کا تھا، اس لئے ایک طویل عرصہ تک آپ وہاں کے مدرسہ کے شیخ الحدیث بھی رہے اور تبلیغی کام کے ساتھ تدریسی خدمت بھی انجام دیتے رہے اور عالمانہ ومحققانہ انداز میں بخاری شریف کا درس دیتے رہے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کے چہیتے خلفاء میں سے تھے، آپ کے منظور نظر تھے، اسی لئے حضرت شیخ رمضان المبارک میں اپنی خانقاہ میں حضرت مولانا عبیداللہ صاحب بلیاوی کو ایک طویل عرصہ تک بلاتے رہے اور خلفاء ومریدین، خدام ومتوسلین، منتسبین ومعتکفین میں آپ سے بیان کرواتے رہے، آپ کے بیان کو ہر طبقہ میں پذیرائی حاصل تھی اور آپ کا بیان علمی بیان کے ساتھ عام فہم ہوا کرتا تھا جس سے سارے لوگ مستفید ہوتے تھے۔

ساری خوبیوں کے ساتھ ایک اہم خوبی یہ بھی تھی کہ آپ خوردنواز بھی تھے، اپنے چھوٹوں کے ساتھ بہت محبت اور شفقت کا برتاؤ کرتے تھے، خود اس خادم کے ساتھ بھی حضرت مولانا کا برتاؤ عزیزانہ وپدرانہ تھا، جب جب ملاقات ہوئی بہت پیار ومحبت کے ساتھ ملے، بہت شفقت کا برتاؤ کیا، اپنے ساتھ ذاکرنگر مکان پر بھی لے گئے، مکان کے ساتھ وہاں موجود کتابوں کا ذخیرہ بھی دکھایا، اخیر عمر میں بدن بہت بھاری ہوگیا تھا، چلنے پھرنے میں بھی دقت ہوتی تھی، غنودگی کا بھی اثر رہتا تھا، اکثر درس

دیتے اور بیان کرتے ہوئے غنودگی طاری ہوجایا کرتی تھی۔

انہیں احوال سے گزرتے ہوئے ایک دن رات کو آپ آرام فرمانے کے لئے لیٹے، صبح کو جب آپ کو بیدار کیا گیا تو معلوم ہوا کہ آپ واصل بحق ہو چکے ہیں، اس طرح ۸؍رجب ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۵؍فروری ۱۹۸۹ء بدھ کو آپ نے ہمیشہ کے لئے اس دارفانی کو الوداع کہہ دیا اور جوار رحمت میں پہونچ گئے۔

اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے درجات کو بلند فرمائے، آپ کے علمی و دینی خدمات کو قبول فرمائے، اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔

انتقال مولانا ارشاد احمد صاحب مبلغ دارالعلوم دیوبند

۱۸؍رجب ۱۴۰۹ھ مطابق ۲۵؍فروری ۱۹۸۹ء سنیچر کے دن حضرت مولانا ارشاد احمد صاحب مبلغ دارالعلوم دیوبند کا انتقال ہوگیا، حضرت مولانا ارشاد صاحب اصلاً فیض آباد کے رہنے والے تھے، لیکن دیوبند میں اہل وعیال کے ساتھ مقیم ہوگئے تھے، حضرت شاہ وصی اللہ صاحب الہ آبادی سے ان کا اصلاحی تعلق تھا، معمولات کے ساتھ تکبیر اولیٰ اور صف اول اور باجماعت نماز کے بہت پابند تھے، دیوبند میں جب تک قیام رہتا دارالعلوم کی مسجد میں اذان ہوتے ہی پہونچ جایا کرتے تھے، گھر سے باوضو نکلتے، ہاتھ میں قرآن شریف ہوتا، مسجد پہونچ کر سنن ونوافل سے فارغ ہوکر تلاوت میں مصروف ہوجاتے۔

دیوبند میں قیام کے زمانہ میں دار الافتاء بھی اکثر آتے جاتے رہتے تھے،

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی سے بہت زیادہ الفت اور قربت تھی، جب دارالافتاء تشریف لاتے تو انہیں کے پاس بیٹھا کرتے تھے، اور اپنے سفر کے واقعات اکثر سناتے تھے جس میں بیشتر مناظرے کے واقعات ہوا کرتے تھے، ان کے سلسلہ میں کچھ باتیں یہ خادم اس سے پہلے بھی لکھ چکا ہے جو حیات حبیب الامت کے جلد اول میں موجود ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے تا حیات آپ بہت مقبول مبلغ رہے، دارالعلوم دیوبند کی بھر پور نمائندگی آپ کیا کرتے تھے، بریلویوں سے کئی مناظرے بھی آپ کے ہوئے، اکثر مناظروں میں مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی کی بھی آپ کے ساتھ شرکت رہی، رد بریلویت پر آپ کی بہت اچھی نظر تھی اور مسلک دیوبندیت کی بہت اچھی ترجمانی آپ کیا کرتے تھے۔

طبیعت میں نظافت اور نفاست بہت تھی، لباس اور ہر چیز میں صفائی ستھرائی کا بہت اہتمام کرتے تھے، کھانے پینے میں روٹی چاول بہت کم استعمال کرتے تھے، زیادہ تر فروٹ، پھل وغیرہ کے استعمال پر اکتفاء کرتے تھے۔

اس خادم سے بہت مانوس تھے جب اس خادم کی تصنیف **احب الکلام فی مسئلة السلام** (سلام کی اہمیت وحیثیت) ان کو ملی تو اس کا آپ نے بالاستیعاب مطالعہ کیا، اس کتاب کو بہت پسند کیا، اس کے بعد کئی نسخے مجھ سے انہوں نے منگوائے اور اس کو سفر میں اکثر اپنے ساتھ رکھتے تھے اور اپنی تقریروں میں اس کو خریدنے اور مطالعہ کرنے کی ترغیب بھی دیتے تھے۔

حضر کے ساتھ سفر میں بھی تکبیر اولیٰ اور صف اول کا اہتمام کرتے تھے، اور

اذان کے بعد فوراً مسجد پہونچنے کی کوشش کرتے تھے، اپنے اسلاف کی یہ وہ باتیں ہیں جو خوردوں کے لئے قابل اتباع ہیں، کاش آج کے خوردوں کو اپنے بزرگوں کے ان اوصاف جمیلہ کی اتباع کی توفیق حاصل ہو جائے۔

بہر حال ان تمام تر خوبیوں کے ساتھ ایک دن وہ آیا کہ آپ نے داعی اجل کو لبیک کہہ دیا اور جوار رحمت میں پہونچ گئے۔

اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے، درجات کو بلند فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔ آمین۔

انتقال حاجی غلام رسول صاحب شاہ گنج ضلع جونپور

۴ / ذیقعدہ ۱۴۰۹ھ مطابق ۹ / جون ۱۹۸۹ء جمعہ کے دن مغرب کے بعد حاجی غلام رسول صاحب کا انتقال ہوا۔ حاجی غلام رسول صاحب شاہ گنج کے رہنے والے تھے، بہت ہی نیک طبیعت اور سادہ مزاج، صلحا شعار، ملنسار علم و علماء کے قدرداں تھے، شاہ گنج میں، شاہ گنج جونپور روڈ پر فیض آباد چوک سے پہلے بائیں ہاتھ پر آپ کا رہائشی مکان تھا اور آپ کے مکان کے متصل آپ کے ایک بھائی تھے جو ڈاکٹر تھے اور ان کے متصل ایک اور بھائی تھے جو میکانک تھے اور اسی کے متصل ایک چھوٹی سی مسجد تھی جو مسجد حاجی غلام رسول کے نام سے جانی جاتی تھی جس مسجد میں جمعہ کے دن جمعہ کی امامت و خطابت کئی سال تک گورینی سے آکر یہ خادم کرتا رہا۔ حاجی

صاحب نے بہت کوشش کر کے اپنے چھوٹے برخوردار فیاض کو مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں داخل کرایا اور عالم بنایا ان کے بڑے برخوردار گھریلو کام کاج اور کارخانہ کی دیکھ بھال کیا کرتے تھے۔

حاجی غلام رسول صاحب کا تعلق جس برادری سے تھا اس کی بد دینی پر ہمیشہ وہ افسوس کا اظہار کرتے تھے اور اکثر یہ جملہ کہا کرتے تھے کہ مفتی صاحب ہم لوگ دیندار تو بن گئے اور ہم لوگوں نے اپنے ظاہر کو دینداروں جیسا بنالیا لیکن ہماری برادری میں اس قدر جہالت اور بد دینی ہے کہ بچے اور بچیوں کا رشتہ کرنا مشکل ہو رہا ہے۔

بہرحال وقت مقررہ پر آپ واصل بحق ہو گئے، دوسرے دن ۵/ ذیقعدہ مطابق ۱۰/ جون سنیچر کے دن بعد نماز ظہر جنازہ کی نماز ہوئی، نماز جنازہ اور تدفین میں یہ خادم بھی شریک رہا۔ اللہ پاک مرحوم کی مغفرت فرمائے، ان کے حسنات کو قبول فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔ آمین۔

انتقال مولانا احمد صاحب شاہ گنج ضلع جونپور

۲۶/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۰ھ مطابق ۲۴/ جنوری ۱۹۹۰ء بدھ کے دن صبح پانچ بجے آپ کا انتقال ہوا۔ مولانا احمد صاحب جن کا تعلق پیری ضلع جونپور کے ایک علمی خانوادہ سے تھا اور خود بھی پرانے قاسمی تھے اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی اور ان کے خانوادہ کے بہت عقیدت مند تھے، کم گو، صلحاء شعار، مردم شناس تھے، مدرسہ بدرالاسلام

جو قصبہ شاہ گنج کی جامع مسجد کے متصل عمارت میں قائم تھا اس کے آپ ذمہ دار تھے اور مسجد کے دکھن اور پورب کونے پر مستقل آپ کا قیام تھا پانچوں وقت کے آپ ہی جامع مسجد کے امام بھی تھے۔

آپ سے سب سے پہلی ملاقات اس خادم کی سہارنپور میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کے پاس ہوئی، اس وقت آپ کے ساتھ مدرسہ بدرالاسلام کے صدر مدرس مولانا شبیر احمد صاحب قاسمی بھی تھے، یہ ملاقات مدرسہ ریاض العلوم گورینی آنے سے پہلے ہوئی تھی جس کا تذکرہ حیات حبیب الامت جلد اول میں یہ خادم کر چکا ہے۔

مدرسہ ریاض العلوم گورینی آنے کے بعد بھی آپ سے کئی مرتبہ ملاقات ہوئی اور جب جب ملاقات ہوئی بہت بشاشت اور خندہ پیشانی کے ساتھ ملے، کم گو ہونے کی وجہ سے گفتگو بہت کم کرنے کے عادی تھے، لیکن جو بھی بات کہتے اور جتنی کہتے وہ وزنی ہوا کرتی تھی۔

۲۶/ جمادی الثانیہ ۲۴/ جنوری بدھ کی صبح کو ۵:۰۰/ بجے مختصر علالت کے بعد داعی اجل کو لبیک کہہ گئے، آپ کی نماز جنازہ دو مقام پر دو مرتبہ پڑھی گئی۔ ۱۰:۰۰/ بجے دن میں جنازہ کی نماز شاہ گنج میں ادا کی گئی جس میں شاہ گنج کے لوگوں کے ساتھ قرب وجوار کے لوگوں نے جنازہ میں شرکت کی، اس کے بعد ۳:۰۰/ بجے لپری میں نماز جنازہ ادا کی گئی جو آپ کے برخوردار مولانا حمزہ صاحب نے پڑھائی جس میں اس خادم کی بھی شرکت ہوئی، اس کے بعد لپری کے آبائی قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔

اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے، درجات کو بلند فرمائے، جنت الفردوس

میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔ آمین

انتقال حاجی محمد تعریف صاحب جلالپور ضلع فیض آباد

۲۰؍رجب ۱۴۱۱ھ مطابق ۱۳؍فروری ۱۹۹۱ء بدھ کا دن گزار کر رات میں ۱۲:۰۰؍بجے آپ کا انتقال ہوا۔

حاجی محمد تعریف صاحب قصبہ جلالپور کے دیندار صالح، متواضع، ملنسار، علماء نواز اکابرین واولیاء کے عقیدت ومحبت رکھنے والوں میں سے تھے، گھر اور مسجد اور اپنے کاروبار سے زیادہ دلچسپی رکھتے تھے، ہر قسم کی تنقید وتبصرہ اور ہر طرح کی مجلس آرائی سے گریز کرتے تھے۔ خاموشی اور سادگی کے ساتھ زندگی گزارنے کے عادی تھے، تبلیغی جماعت کے کام سے کافی مانوس تھے، تبلیغی اجتماعات میں پابندی سے شرکت کیا کرتے تھے۔

چنانچہ اکبر پور کے پاس علن پور میں ضلع فیض آباد کا اجتماع تھا جس میں شرکت کے لئے دیگر رفقاء کے ساتھ حاجی صاحب بھی گئے، رات میں قدرے تاخیر سے اجتماع کے ختم ہونے کے بعد واپسی ہوئی، اکبر پور میں جیپ ڈرائیور کی نادانی سے بجلی کے کھمبے سے ٹکرا گئی جس کی وجہ سے سارے رفقاء کو شدید چوٹ لگی، کسی کا کان پھٹا، کسی کا ہاتھ ٹوٹا، لیکن حاجی صاحب موصوف کو اتنی شدید چوٹ لگی کہ اسی وقت آپ کا انتقال ہوگیا۔

آپ کے انتقال کی خبر جب جلالپور پہونچی تو پورے قصبہ میں کہرام مچ گیا، اور اس اچانک حادثہ کو سن کر لوگوں کو صدمہ ہوا، خود اس خادم کو بہت افسوس ہوا کیوں

کہ حاجی صاحب سے اس خادم کا قریبی تعلق تھا جس کا تذکرہ حیات حبیب الامت کے جلد اول میں آچکا ہے، انتقال کی خبر پاکر ۳:۳۰ر بجے یہ خادم مدرسہ ریاض العلوم گورینی سے جلالپور کے لیے روانہ ہوا، بعد نماز مغرب جنازہ میں شرکت کر کے رات ہی میں ۱۱:۰۰ر بجے مدرسہ ریاض العلوم گورینی واپسی ہوگئی۔ بہرحال حاجی صاحب بہت سی خوبیوں کے مالک تھے، اپنی تمام تر خوبیوں اور صفات کے ساتھ وقت مقررہ پر اس دار فانی کو الوداع کہہ گئے۔ اللہ پاک مرحوم کی مغفرت فرمائے، درجات کو بلند فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔ آمین۔

انتقال مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی

۱۰ر رمضان ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۶ر مارچ ۱۹۹۲ء دوشنبہ کے دن صبح ۶:۰۰ر بجے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی کا پنچانوے برس کی عمر میں انتقال ہوگیا۔

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی کا شمار ہندوستان کے اکابر علماء میں اور حدیث پاک پر بالغ نظر رکھنے والے محدثین میں تھا، آپ کا علم بالخصوص حدیث پاک پر وسیع نظر رکھنے کی حیثیت سے آپ مشہور تھے، بہت سی کتابوں پر آپ نے تعلیق کا بھی کام کیا، مدرسہ مرقات العلوم کے نام سے مئوشہر میں آپ نے ایک ادارہ بھی قائم کیا، دارالعلوم دیوبند کے شوریٰ کے آپ ممبر بھی رہے، لیکن جمعیۃ علماء اور مدنی خاندان سے بہت زیادہ قربت تھی، اس لئے جمعیۃ کے پروگرام میں اکثر شرکت کیا کرتے تھے اور

حضرت مولانا اسعد مدنی کی ہر طلب پر آپ حاضر رہتے تھے۔

چنانچہ جب حضرت مولانا اسعد مدنی نے امارت شرعیہ کی بنیاد ڈالی اور آپ کو امیر الہند بنایا تو آپ نے اس اہم اور نازک منصب کو قبول فرمایا اور بحیثیت امیر الہند مختلف علاقوں کا آپ کا سفر بھی کرایا گیا اور بیعت بھی لی گئی۔

لیکن جب ہندوستان کے اکابر علماء کی طرف سے کچھ علمی خدشات کا اظہار ہونے لگا جس کے اظہار کا علمی حق اہل علم کو تھا تو اس کی وجہ سے ان علماء کو اخذ و بطش سے بھی گزرنا پڑا، لیکن بعض اکابرین مثلاً حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوری نے اپنی جرأت و ہمت کا اظہار کرتے ہوئے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی کو ایک مکتوب روانہ کیا جس میں یہ سوال کیا گیا کہ آپ کی امارت کی حیثیت کیا ہے؟ یہ امت کو معلوم ہونا چاہئے، تو حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی نے اس کا جواب جو ارسال فرمایا، وہ ماہنامہ ریاض الجنہ میں شائع بھی ہوا جس کی فائل خادم کے پاس آج بھی موجود ہے۔ حضرت مولانا اعظمی نے جواب میں فرمایا کہ میری امارت کی وہی حیثیت ہے جو تبلیغی جماعت کی امیر کی ہے، یا جو سفر کے امیر کی ہوتی ہے، میری امارت کے تحت تقرر قاضی یا اس طرح کے دوسرے کام نہیں ہو سکتے۔

چنانچہ جب جمعیت علماء ہند نے امارت شرعیہ کے قیام اور اعلان کے بعد تقرر قاضی کا پلان بنایا اور اس کے لئے مفتی منظور احمد صاحب جونپوری قاضی شہر کانپور کو بحیثیت قاضی القضاۃ ذہنی طور پر ذمہ داروں نے طے کر کے اس کے لئے ہندوستان کے مفتیان کرام کا ایک اجلاس طلب کیا جو دیوبند کے طبیہ کالج کے ہال میں ہوا جس

میں یہ خادم بھی شریک تھا اور جب میں نے امیر الہند کی وہ تحریر ریاض الجنہ کے حوالہ سے ہاؤس میں سنائی تو پورے مجمع پر سکتہ طاری ہوگیا اور بنی بنائی عمارت منہدم اور زمیں بوس ہوگئی اور بالآخر قاضی القضاۃ کے تقرر کو عملی جامہ نہیں پہنا سکے۔

بہرحال حضرت مولانا اعظمی اخیر عمر تک اپنے علمی مشاغل میں لگے رہے اور دنیا کو اپنے علوم وفیوض سے مستفید کرتے رہے۔

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی کی وسعت نظر فی الحدیث کے سبھی علماء قائل تھے، ایک مرتبہ آپ کا سفر ندوۃ العلماء لکھنؤ کا ہوا، ایک مجلس میں جس میں دار العلوم ندوۃ کے بڑے اساتذہ بھی موجود تھے حضرت مولانا علی میاں صاحب نے ایک حدیث کے بارے میں مولانا اعظمی سے سوال کیا کہ حضرت فلاں حدیث کی مجھ کو اپنے ایک مضمون میں استشہاد کے لئے ضرورت ہے، میں نے اس کو بہت تلاش کیا، یہاں کے اساتذہ سے بھی کہا لیکن تلاش بسیار کے باوجود وہ حدیث ابھی تک نہیں مل سکی۔

حضرت مولانا علی میاں صاحب کا سوال سننے کے بعد حضرت مولانا اعظمی نے سر اٹھایا اور فرمایا کہ آپ کے کتب خانہ میں مشکٰوۃ شریف ہے؟ اس سوال پر حضرت مولانا علی میاں صاحب اور وہاں کے موجود اساتذہ کو بہت حیرت ہوئی۔ چنانچہ مشکٰوۃ شریف لاکر آپ کے دست مبارک میں رکھی گئی، آپ نے مشکٰوۃ شریف کھول کر وہ حدیث مولانا علی میاں صاحب کے سامنے رکھ دی اس کو دیکھ کر سارے ہی حضرات حیران رہ گئے۔

حضرت مولانا مئو شہر میں بڑے مولانا کے لقب سے ملقب تھے، شہر کے سبھی

حضرات بڑے مولانا کہہ کرآپ کو یاد کرتے تھے۔ بہرحال اپنے تمام تر کمالات اور خوبیوں کے ساتھ ۱۰ار رمضان مطابق ۱۶ر مارچ سوموار کے دن اس دار فانی کوالوداع کہہ گئے اور جوار رحمت میں پہونچ گئے۔

اللہ تعالیٰ آپ کے علمی خدمات پر بہترین صلہ اور اجرآپ کو نصیب فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔آمین۔

مدارس و دارالقضاء کی ذمہ داریاں

اس سے قبل کے صفحات میں تفصیل کے ساتھ یہ بات آچکی ہے کہ یہ خادم مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں تدریسی و افتاء کی اہم ذمہ داری کو بحسن وخوبی نبھانے کے ساتھ مدرسہ کے بہت سے غیر متعلقہ کاموں کو ہمدردی اور محبت میں اپنے سر لے کر بوجھل بنا ہوا تھا، جس کا احساس بھی دوسرے ذمہ داروں کو نہیں تھا کہ یہ شخص مدرسہ میں رہتے ہوئے فرائض کی تکمیل کے ساتھ کتنے غیر واجبی سنن و مستحبات ونوافل کی تکمیل میں لگا رہتا ہے اور بلاغرض وعوض سارے کاموں کو بحسن وخوبی باحسن وجوہ انجام تک پہونچاتا ہے۔ داخلی مشاغل اور کثرت کار کے باوجود خارجی بہت سے کام ایسے تھے جس کا بوجھ اس خادم نے از راہ مروت و ہمدردی اپنے سر لے رکھا تھا۔

چنانچہ انہیں کاموں میں سے ایک کام سرائے میر میں قائم محکمۂ شرعیہ کی رکنیت اور وہاں کے محکمہ میں پیش آمدہ مقدمات کی سماعت اور فیصلہ کے لئے اپنے خرچ

اور کرایہ سے ہر جمعرات کے دوپہر کی حاضری اور رات کے قیام کے بعد مینارہ مسجد میں جمعہ کی امامت وخطابت کے فرائض کی انجام دہی اور ایک دودن نہیں بلکہ کئی سال تک پابندی کے ساتھ یہ خدمت یہ انجام دیتا رہا۔

(۲) اسی طرح محکمۂ شرعیہ جامعہ حسینیہ لال دروازہ شہر جونپور کی حاضری اور وہاں کے مقدمات کی سماعت اور فیصلہ جس کا سلسلہ کئی سال تک چلتا رہا۔

(۳) اسی طرح کھٹہنہ کے مکتب کی نظامت اور اس کی نگرانی و دیکھ بھال اساتذہ کی تقرری اور ان کی تنخواہوں کی ماہانہ فراہمی اور مکتب کی دیگر ضروریات کا نظم وانتظام اگست ۱۹۸۹ء سے لے کر ۱۹۹۶ء تک پابندی کے ساتھ کرتا رہا۔

(۴) اسی طرح ۱۱ر ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ مطابق ۹ر اکتوبر ۱۹۹۲ء کو مدرسہ مجیدیہ جھٹکاہی، ڈھاکہ ضلع مشرقی چمپارن کا سرپرست بنا کر مختلف انواع کے کام کا بوجھ اس خادم کے سر ڈال دیا گیا۔ جس کو ایک طویل عرصہ تک بحسن وخوبی انجام دیتا رہا اور چند سالوں کے بعد ۱۹۹۶ء میں مدرسہ مجیدیہ کے ذمہ داروں نے اس خادم کو مدرسہ کا بااختیار ناظم بنا کر اس کا بوجھ دوبالا کر دیا جس کو دو سال تک اٹھانے کے بعد ۱۹۹۶ء میں یہ خادم برضا ورغبت از خود سبکدوش ہو گیا۔

(۵) ۲۸ر شعبان ۱۴۱۳ھ مطابق ۲۱ر فروری ۱۹۹۳ء کو مدرسہ خیر العلوم بریار پور موتیہاری کا مہتمم وہاں کے ذمہ داروں نے اس خادم کو بنا دیا اور اس کے ساتھ مدرسہ کے بہت سے کاموں کا بوجھ اس خادم کے ناتواں کندھے پر ڈالا گیا۔

(۶) اسی طرح جب جامعہ شرعیہ فیض العلوم شیرواں عیدگاہ کی بنیاد اس خادم

نے باصرار حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی کو بنارس سے لاکر ڈلوایا تو اس کے بعد وہاں کی مجلس منتظمہ و عاملہ کا ممبر اس خادم کو بنا دیا گیا اور ایک طویل عرصہ تک یہ سلسلہ جاری رہا کہ سب سے پہلے اس خادم ہی سے میٹنگ کی تاریخ طے کروائی جاتی تا کہ اس خادم کی شرکت میٹنگ میں یقینی بن جائے، چونکہ مختلف انداز کے مسائل پر ممبران کے سوالات کے جوابات کا مجیب و متکلم یہ خادم ہی ہوا کرتا تھا اور ایک لمبے عرصے تک دونوں اجلاس کی صدارت بھی اسی خادم کے سپرد رہی۔

اس کے علاوہ اس مدرسہ کے لئے قولاً وعملاً تقریراً وتحریراً سفراً وحضراً جتنی تائید وتوثیق ہوسکتی تھی اس سے کبھی دریغ نہیں کیا بلکہ ایسا بھی وقت آیا کہ کئی مہینے تک اس ادارہ کے اہتمام کے فرائض جو تحریراً اس خادم کے سپرد کئے گئے تھے اس کو بحسن وخوبی انجام دیتا رہا۔

لیکن ان ساری خدمات، تعلقات، ایثار وقربانی، محبت و ہمدردی کا جو صلہ اس خادم کو ملا اس کو علاقہ کے لوگوں نے دیکھا محسوس کیا، افسوس کیا، فالی اللہ المشتکی۔

بہر حال **مااسئلکم علیه اجراً ان اجری الا علی الله۔**

تذکرہ تصنیفات وتالیفات

جیسا کہ یہ بات اس سے قبل آچکی ہے کہ مدرسہ ریاض العلوم گورینی کے قیام کے زمانہ میں اصل ذمہ داری اور مسئولیت اس خادم کے ذمہ تدریس کے ساتھ کار افتاء

کی تھی جس کو باحسن وجوہ اس خادم نے انجام دیا جس کی تحسین پر سارے تلامذہ اور ہندوستان کے ام المدارس کے اساتذہ مجبور ہوئے اور جس سے ادارہ کی شہرت کو چار چاند لگا اور پورے ہندوستان میں یہاں کے انداز تدریس کی گونج سنائی دینے لگی جس کے نتیجہ میں طلباء کی ایک بھیڑ امنڈنے لگی جن کا داخلہ لینا اور کنٹرول کرنا منتظمین مدرسہ کے لئے مشکل ہونے لگا۔

لیکن اس اہم ذمہ داری کے ساتھ غیر واجبی کام بھی اس خادم کے سر ہوتے گئے۔ اور الحمدللہ بڑوں کے حکم کے امتثال میں ان مشکل ترین کاموں کو بھی سر کرتا گیا اور کامیابی کے ساتھ منزل مقصود پر پہونچتا گیا جس کی تحسین بڑوں نے کی اور جی بھر کر حوصلہ افزائی کے ساتھ پذیرائی کی جس کی وجہ سے بہتوں کی نظر میں یہ خادم محسود بنتا چلا گیا۔

جیسا کہ اس سے پہلے یہ خادم لکھ چکا ہے کہ مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں بہت سے شعبے ایسے تھے جن کا نام ونشان بھی نہیں تھا۔ چنانچہ انہیں شعبوں میں ایک شعبہ شعبۂ تصنیف وتالیف بھی تھا، اس خادم کے وہاں پہونچنے کے بعد سے جب تک وہاں قیام رہا اس وقت تک اس شعبہ کو زندہ کر کے اس کی آبیاری کرنے والا اس خادم کے علاوہ کوئی اور شخص نہیں تھا۔

(۱) ''احکام یوم الشک''

اس شعبہ کو حیات اس وقت ملی جب حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب نے ایک مرتبہ بلا کر جلالپور کے اپنے چند دوستوں کی موجودگی میں یہ حکم فرمایا کہ یوم الشک سے

متعلق ایک رسالہ مجھ کو چاہئے جس میں یوم الشک کے تمام جز ئیات کا احاطہ ہو، یہ میرے جلالپور ضلع فیض آباد کے احباب اس کو طبع کرا کر تقسیم کرنا چاہتے ہیں، اس کے مضمرات اور شان نزول کی تفصیلات اس کے قبل کے صفحات میں یہ خادم لکھ چکا ہے۔ چنانچہ حضرت کے حکم پر احکام یوم الشک کے نام سے اس خادم کی سب سے پہلی کتاب وجود میں آئی اور اسی کتاب کے ذریعہ مدرسہ ریاض العلوم گورینی کے شعبہ تصنیف وتالیف کا نمود وظہور ہوا، ورنہ اس سے پہلے یہ شعبہ زاویہ خمول میں پڑا ہوا تھا جس کا کوئی نام ونشان بھی نہیں تھا۔

(۲) ''المساعی المشکورہ فی الدعاء بعد المکتوبہ''

یہ کتاب حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب کے حکم پر اس خادم نے اس وقت لکھی جب ملاٹولہ شہر جونپور کے کچھ علماء حضرت مولانا کے پاس آئے اور ایک تحریری سوالنامہ پیش کیا جس میں بنگلہ دیش کے ایک مشہور عالم مولانا فیض اللہ صاحب کا تذکرہ تھا کہ مولانا فیض اللہ صاحب فرائض کے بعد اجتماعی دعاء کو بدعت سیئہ قرار دیتے ہیں جس کو لے کر بنگلہ دیش کی مساجد اور عوام میں ایک فتنہ برپا ہے۔ حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب نے اس خادم کو بلا کر ایک کتاب کی تصنیف کا اس کے جواب میں حکم فرمایا، اس مسئلہ کے تمام تر جزئیات کا احاطہ کرتے ہوئے مولانا فیض اللہ صاحب کے اشکالات کے جوابات پر مشتمل جو کتاب تیار ہوئی اس کا نام ''**المساعی المشکورہ فی الدعاء بعد المکتوبہ**'' رکھا گیا۔

کتاب مکمل ہونے کے بعد حضرت مولانا کے حکم پر یہ کتاب شائع ہوئی اور خود حضرت مولانا نے اس کی تصدیق وتصویب کے ساتھ پذیرائی فرمائی اور شائع ہونے

کے بعد ہندوستان کے اکابر علماء کے ہاتھوں میں یہ کتاب پہونچی، اس کتاب کے سلسلہ میں مزید تفصیلی گفتگو حیات حبیب الامت کی جلد اول میں یہ خادم لکھ چکا ہے۔

(۳) ''احب الکلام فی مسئلۃ السلام''

یہ کتاب سلام اور مصافحہ اور معانقہ کے ساتھ اس سے متعلق بہت سی جزئیات پر مشتمل قرآن اور احادیث اور اقوال فقہاء کی روشنی میں ایک قیمتی ذخیرہ ہے جس میں موضوع کے ہر گوشہ کا احاطہ کیا گیا ہے اور تفصیل کے ساتھ ہر جزئیہ پر مدلل گفتگو کی گئی ہے، یہ اس خادم کی تیسری تصنیف ہے جو مدرسہ ریاض العلوم میں قیام کے زمانہ میں وجود میں آئی اور حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب نے اس کو بے حد پسند فرمایا، پوری کتاب ایک ایک حرف سننے کے بعد اس کی تصدیق وتصویب فرمائی اور ہمت وحوصلہ افزائی فرماتے ہوئے اس کی اشاعت کا حکم فرمایا۔ اس طرح یہ مدرسہ ریاض العلوم کے شعبہ تصنیف وتالیف سے شائع ہونے والی تیسری کتاب تھی جو شائع ہونے کے بعد ہندوستان کے اکابر علماء کے ہاتھوں میں پہونچی اور خراج تحسین حاصل کیا۔

(۴) ''نیل الفرقدین فی المصافحۃ بالیدین''

حاجی رحمت اللہ صاحب بنارسی کی خواہش پر اور حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب کے حکم سے دو ہاتھ سے مصافحہ کی سنیت پر انتہائی اہم اور جامع، مکمل ومدلل اور احادیث وآثار سے مبرہن انتہائی قیمتی رسالہ ہے جو کئی ماہ کی عرق ریزی اور مطالعہ کے بعد وجود میں آئی اور حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب نے اس کتاب کا بھی ایک ایک حرف سن کر اس میں

مذکور مضامین کی تصدیق وتصویب فرمائی۔اس طرح اس خادم کی تالیفات کی یہ کتاب چوتھی کڑی بن گئی۔اور یہ کتاب بھی شائع ہوکر اکابر علماء کے ہاتھوں میں پہونچی اور جنہوں نے بھی پڑھا بے حد پسند کیا۔اس کتاب کے متعلق بھی ضروری اور اہم تفصیلات حیات حبیب الامت کی جلد اول میں لکھ چکا ہوں وہاں اس کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

(۵)''التوسل بسید الرسل''

حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا توسل یعنی دعاؤں میں آپ کو وسیلہ بنانا اور یہ کہنا کہ اے اللہ میری دعاؤں کو اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ طفیل میں قبول فرما۔ یہ وہ مسئلہ ہے جو آیات وروایات آثار وتعامل،صحابہ سے ثابت ہے اور جس کے جواز پر اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے،لیکن ابن تیمیہ اور ان کے مقلدین وتبعین اور سلفی حضرات اس کے عدم جواز کے قائل ہیں جس کی تبلیغ وترویج کی کوشش بھی ان کی طرف سے کی جاتی رہی ہے۔ یہ کتاب توسل کے جواز پر آیات وروایات، آثار وتعامل صحابہ اور تصریحات اکابرین سے مزین ایک جامع تصنیف ہے جو حاجی رحمت اللہ صاحب بنارسی کی خواہش پر اور حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب کے حکم پر اس خادم نے کئی مہینوں کی عرق ریزی کے بعد لکھی ۔ اس طرح یہ کتاب اس خادم کی تالیفات کی پانچویں کڑی بن گئی جو مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں قیام کے دوران مکمل ہوئی اور شائع ہوکر اکابر علماء کے ہاتھوں میں پہونچی اور جس نے بھی دیکھا اس نے کتاب کی تحسین اور خادم کی پذیرائی کی۔

(۶) ''والدین کا پیغام زوجین کے نام''

قصبہ جلالپور ضلع فیض آباد کے اس خادم کے ایک مخلص دوست حاجی نورالحسن صاحب کے بھائی کے لڑکے کی شادی تھی اس موقعہ پر انہوں نے مدرسہ ریاض العلوم گورینی پہونچ کر اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ کوئی مختصر سی ایسی کتاب آپ لکھ دیں جس کی حیثیت زوجین کے لئے والدین کے پیغام کی ہو جس کو میں شائع کروا کر شادی کی تقریب میں تقسیم کروانا چاہتا ہوں۔ چنانچہ ان کی خواہش کے احترام میں ایک مختصر رسالہ لکھا جس کا نام ''والدین کا پیغام زوجین کے نام'' رکھا، اور جس کے تعارف میں اس خادم نے یہ لکھا کہ یہ کتاب اللہ اور اس کے حبیب کے کلام کا مجموعہ ہے جس کی وجہ سے یہ رسالہ قابل ستائش ومحمودہ ہے، اس میں والدین کے ارمان اور نوشہ کا وقت امتحان اور اسلام کی نظر میں دونوں کی شان کا تذکرہ ہے۔ ماضی کی بندگی اور سسرالی زندگی پر ایک تبصرہ ہے، اس میں مکارم اخلاق کی ایک جھلک ہے جس کو پڑھتے جائیے نہ جھپکے پلک بھی ہے، اس میں بتلایا گیا ہے کہ شادی کا وقت غفلت کے قہقہوں کا عیش ومسرت کی تالیوں کا نہیں بلکہ پروردگار عظیم کے خوف سے قلب سلیم کے ڈرنے اور لرزنے کا ہے کہ ایک عظیم الشان امانت ہمارے مکان میں آنے کو ہے، یہ گرانقدر تحفہ اس قابل ہے کہ بوقت شادی سارے مہمان ونوشہ کو پیش کیا جائے، خود پڑھیں اور دوسرے کو سنایا جائے۔

اس طرح یہ کتاب اس خادم کی تالیفات کی چھٹی کڑی بن گئی، شائع ہو کر خوب تقسیم ہوئی اور آج تک شادیوں کی تقریبات میں اس کی تقسیم کا عمل جاری ہے۔ درجنوں مرتبہ یہ کتاب شائع ہو چکی ہے اور پچاسوں ہزار لوگوں کے ہاتھ میں پہونچ

چکی ہے جس نے بھی پڑھا اس نے پسند کیا اور کتاب میں مذکور نصائح پر عمل کا عزم کیا۔

(۷) ''التوضیح الضروری شرح القدوری''

۱۹۸۸ء میں جب پہلی مرتبہ اس خادم کو بیت اللہ شریف کے حج کی سعادت نصیب ہوئی تو اللہ کا نام لے کر حطیم میں قدوری کی شرح کا آغاز کیا، چونکہ اب تک قدوری کی جتنی تشریحات سامنے آئیں اور نظر سے گزریں سب کا انداز مختلف ملا، کسی نے صرف ترجمہ پر اکتفاء کیا تو کسی نے مسائل کے دلائل احادیث سے تخریج کر کے قدوری جیسی فقہی کتاب کو احادیث کا مجموعہ بنا دیا، کسی نے نحوی صرفی اور لغوی تحقیقات میں طلباء اور قارئین کو الجھا دیا۔ حالانکہ یہ کتاب صرف فقہ کی تھی، لہٰذا ضرورت اس بات کی تھی کہ اس پر فقیہانہ گفتگو کی جائے تا کہ طلباء اور قارئین کے دل ودماغ میں فقہ کا ایک مواد فراہم ہو جائے اور تفقہ کی بیج ان کے اندر جم جائے جس کی آبیاری شرح وقایہ اور کنز الدقائق کے پڑھنے سے ہو جائے اور ہدایہ میں پہونچ کر وہ بیج تناور درخت کی شکل اختیار کر لے۔

حطیم میں جس دیرینہ آرزو کی تکمیل کا اس خادم نے آغاز کیا تھا وہ بعض ناگفتہ حالات کی وجہ سے تشنۂ تکمیل ہو کر رہ گیا تھا، لیکن ۲۰ رسال کے بعد جب یکسوئی حاصل ہوئی تو ۲۰۱۴ء میں اس کام کو پھر شروع کیا اور الحمد للہ چند مہینوں کی کاوش کے بعد کتاب الطہارۃ سے کتاب الحج تک شرح کی تکمیل ہوگئی۔

راقم نے اس کی تشریح میں عام شراح سے ہٹ کر ایک نیا اسلوب اختیار کیا جس کا تعلق اس کتاب کو دیکھنے سے ہے، یہ کتاب طلباء کے ساتھ عوام کے لئے بھی یکساں مفید ہے۔ قدیم مسائل کے ساتھ حوادث الفتاوی اور نوازل کا حکم بالاہتمام بیان

کیا گیا ہے۔مختلف فیہ اقوال میں راجح اور مفتی بہ قول کی وضاحت وصراحت کا بھی اس میں اہتمام ہے، دقیق الفاظ ومسائل کی تعبیر سہل ترین انداز میں کی گئی ہے۔فقہ وتفقہ پر ازاول تا آخر نظر رکھی گئی ہے،مسائل کو مدلل کر کے پیش کرنے کا التزام کیا گیا ہے۔

بہر حال علمی دنیا میں ایک نئے اسلوب اور نئے انداز سے آراستہ اس کتاب کو آپ پائیں گے۔ چنانچہ مارچ ۲۰۱۵ء میں یہ کتاب شائع ہو کر منظر عام پر آئی اور علماء، طلباء نے بے حد پسند کیا۔ آج بھی طلباء کے ہاتھوں میں قدوری کی دوسری شروحات کے مقابلہ میں یہ شرح زیادہ پائی جاتی ہے۔ یہ کتاب اس خادم کی تصنیفات کی ایک اہم کڑی ہے جو کافی عرق ریزی اور کاوش کے بعد وجود میں آئی ہے۔

(۸)''مسلم معاشرہ کی تباہ کاریاں''

اس خادم نے دومرتبہ (۱) نومبر ۱۹۹۲ء (۲) نومبر ۱۹۹۳ء میں جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے چلنے والی تحریک اصلاح معاشرہ کے تحت صوبہ بہار کے مختلف اضلاع کا سفر کیا اور ہر جگہ معاشرتی خرابیوں کے ازالہ اور اس کے لئے اختیار کی جانے والی تدابیر پر مشتمل گفتگو اور خطاب کا عوام سے موقعہ ملا جس کے نتیجہ میں مسلم معاشرہ میں پیدا ہونے والی وہ خرابیاں اور برائیاں مستحضر ہو گئیں اور دل ودماغ کا دباؤ شروع ہو گیا کہ ان برائیوں میں سے اہم برائیوں کے ازالہ کی تدابیر کو کتابی شکل دے کر اس کو عوام امت تک پہونچانے کی ضرورت ہے تاکہ امت کے افراد اس کو بار بار پڑھیں اور ان معاشرتی خرابیوں سے معاشرہ اور خود کو محفوظ رکھنے کی سعی بلیغ کریں۔

چنانچہ چند مہینوں کی کاوش کے بعد یہ کتاب وجود میں آگئی اور چھپنے کے بعد عوام میں تقسیم ہوئی اور امت نے اس سے فائدہ اٹھایا۔

چنانچہ خود جمعیۃ علماء ہند کے دفتر سے اصلاح معاشرہ کے عنوان سے ایک اجلاس کے موقعہ پر زیادہ مقدار میں اس کتاب کو چھپوا کر تقسیم کیا گیا جس کو سبھی حضرات نے پسند کیا۔ اس طرح یہ کتاب اس خادم کی تالیفات کی آٹھویں کڑی بن گئی۔

(۹)''نوٹ کی شرعی حیثیت''

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا نے اس مسئلہ کو موضوع بحث بنایا۔ حضرت قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب نے کاغذی نوٹ کے اہم جزئیات پر ایک سوالنامہ مرتب کر کے ہندوستان کے مفتیان کرام کے پاس بھیجا۔ چنانچہ یہ سوالنامہ اس خادم کے پاس بھی آیا۔ جواب لکھنے سے قبل اس خادم نے سوالنامہ حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب کی خدمت میں پیش کیا، آپ کی دعاء اور توجہ کے بعد اس نازک اور اہم مسئلہ پر جدید وقدیم فقہاء کے کلام کی روشنی میں ایک مدلل ومکمل مقالہ مرتبہ کیا جس میں کاغذی نوٹ کی شرعی حیثیت کے ساتھ نوٹ اور دراہم و دنانیر میں فرق، نوٹ کا ابتدائی دور، نوٹ کو حوالہ ماننے میں دشواریاں ، علماء معاشیات کی رائے اور دیگر جزئیات پر مشتمل یہ مقالہ جب اہل علم اور مفتیان کرام کی نظر سے گزرا تو انہوں نے اس کو اتنا پسند کیا کہ خادم کی اس تحریر نے کتابی شکل اختیار کر لی اور نوٹ کی شرعی حیثیت کے نام سے یہ کتاب شائع ہو کر عوام وخواص کے ہاتھوں میں پہونچ گئی۔ اس طرح یہ کتاب اس خادم کی تالیفات کی نویں کڑی بن گئی۔

(۱۰) ''تنقیح الاذہان فی انتقال جسد المیت من مکان الی مکان''

مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں قیام کے دوران حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب نے ایک تحریر اس خادم کے سپرد کی جس میں تقریباً دس بارہ سوالات تھے اوران میں سے بیشتر کا تعلق میت کے جسد کو ایک ملک سے دوسرے ملک یا ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف منتقل کرنے سے تھا۔ حضرت مولانا نے سوالنامہ اس خادم کے سپرد کرتے ہوئے فرمایا کہ مفتی صاحب ان سوالات کے جوابات آپ مدلل لکھیں، چونکہ میں اس کو کتابی شکل میں طبع کرا کر تقسیم کروانا چاہتا ہوں، چونکہ اس مسئلہ میں عموم بلوی ہوتا جارہا ہے، کثرت سے سعودیہ وغیرہ سے ہندوستان جسد خاکی کے انتقال کا سلسلہ رواج پکڑتا جارہا ہے تاکہ صحیح مسئلہ سے عوام کو روشناس کرایا جاسکے۔ چنانچہ حضرت مولانا کے دیئے ہوئے سوالات کے ساتھ اس خادم نے کچھ دوسرے اہم سوالات بھی اس میں شامل کردیئے، جوابات کی تیاری کے بعد اس مضمون نے بھی کتابی شکل اختیار کرلی اور شائع ہوکر عوام وخواص کے ہاتھوں تک پہونچی۔ اس طرح اس خادم کے سلسلہ تالیفات کی دسویں کڑی بن گئی۔

(۱۱) ''جذب القلوب''

مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں قیام کے دوران ایک دن اتفاق سے علامہ شہاب الدین قلیوبی کی کتاب ''قلیوبی'' جو عربی زبان میں ہے ہاتھ میں آگئی، مطالعہ جو کیا تو پڑھتا چلا گیا، سیرابی نہیں ہوئی، تشنگی بڑھتی چلی گئی، چونکہ اس کتاب میں مذکور ہر واقعہ عبرت آموز دلنشیں، دلگداز تھا، کئی روز مطالعہ کے بعد خیال ہوا کہ اس کتاب کو

عوام امت کے ہاتھوں تک پہونچنا چاہئے، لیکن عربی زبان میں ہونے کی وجہ سے عوام کے لئے اس سے استفادہ ممکن نہیں تھا۔

چنانچہ اس خادم نے تشریحی ومفہومی ترجمہ شروع کردیا تا کہ عوام امت کے لئے قابل انتفاع بن سکے اور ہر واقعہ کے اخیر میں فائدہ کے عنوان کے تحت واقعہ کا عطر بھی پیش کرنے کی کوشش رہی، لیکن حالات کی پراگندگی نے اس کام کو بھی زاویہ خمول میں ڈال دیا، لیکن جب حالات میں کچھ سدھار آیا تو ۱۹۹۵ء میں اس کو معتد بہ مقدار میں پہونچا کر اور شائع کروا کر امت کے ہاتھوں تک پہونچانے کی کوشش کی گئی۔ چنانچہ جذب القلوب کے نام سے اس خادم کی تالیفات کی یہ گیارہویں کڑی بن گئی اور اس کتاب نے بھی دوسری کتابوں کی طرح قبولیت عامہ حاصل کی۔

(۱۲) ''مبادیات حدیث''

بفضلہ تعالیٰ ایک طویل زمانہ تک حدیث پاک خصوصاً بخاری شریف، ترمذی شریف، نسائی شریف، ابن ماجہ، موطاء امام مالک، موطا امام محمد، مشکوۃ شریف وغیرہ کی تدریس کی سعادت حاصل رہی۔ بالخصوص ترمذی بہت اہتمام کے ساتھ پڑھانے کا معمول رہا۔ پہلے سال سے اخیر تک آغاز کتاب سے پہلے مبادیات حدیث یعنی مقدمۃ العلم اور مقدمۃ الکتاب پر تفصیل کے ساتھ پندرہ بیس روز کا درس ہوتا تھا، سیکڑوں طلباء نے ان مبادیات کو تحریراً محفوظ کیا جو ایک قیمتی اثاثہ بن گیا، بعض تلامذہ کی خواہش واصرار پر درس ترمذی کا یہ مقدمہ ''مبادیات حدیث'' کے نام سے شائع ہوا اور تیسری مرتبہ ۲۰۱۷ء میں مکتبہ الحبیب جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور، سنجر پور، اعظم

گڑھ سے شائع ہوئی اور علماء وطلباء کے ہاتھوں میں پہونچی اور سب نے اس کو پسند کیا۔

اس طرح یہ کتاب اس خادم کی تالیفات کی بارہویں کڑی بن گئی اور اس کتاب نے بھی علماء وطلباء میں قبولیت عامہ حاصل کی۔

(۱۳)''تحفۃ السالکین''

تصوف وسلوک ایک ایسا فن ہے جو قدیم زمانہ سے اپنی پوری توانائی کے ساتھ میدان عمل میں قابل قدر خدمت انجام دیتا رہا ہے، مختلف ادوار میں مختلف قسم کے افراد نے اس کی توانائی کو کمزور و مضمحل کرنے کی ناکام کوشش کی، لیکن ان کی یہ کاوشیں فیل ہوگئیں۔

اس حقیقت کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ صحابہ تابعین، تبع تابعین کے بعد کے زمانوں میں شجر اسلام کی آبیاری جتنی سالکین وعارفین، اہل اللہ کے ذریعہ ہوئی اتنی کسی کے علم وفن سے نہیں ہوئی، لاکھوں لاکھ انسانوں کے داخل اسلام ہونے کا ذریعہ یہی سالکین وصوفیاء بنے۔ اور ان کی کرامتوں نے ایسی ایسی بازیاں جیتی ہیں جن کو جیتنے کی طاقت کسی اور میں نہیں تھی۔

سلوک وتزکیہ ہر زمانہ کی ضرورت رہی ہے اور ہر زمانہ میں اس کے رجال پیدا ہوتے رہے اور زمانہ کی ضرورت کے تحت ایک عظیم خدمت انجام دیتے رہے۔ ان کے کام ومزاج سے آشنا ہونا ان کی اصطلاحات سے واقف ہونا، ان کے اسرار ورموز کا جاننا بھی ایک فن ہے جس سے زیادہ تر لوگ نابلد ہیں۔

آج بہتوں کو نہیں معلوم ذکر دوازدہ تسبیح کس کو کہتے ہیں اور اس کے کرنے کا

طریقہ کیا ہے، تصورات و کیفیات ذکر کیا ہیں، خطرات، اور لطائف ستہ کس کو کہتے ہیں، پاس انفاس مراقبہ کس کو کہتے ہیں، اس کا طریقہ کیا ہے۔

ذکر ناسوتی، ذکر ملکوتی، ذکر جبروتی، ذکر لاہوتی، ذکر قلندری، ذکر حدادی، ذکر ارہ، ذکر سرمدی، ذکر جاروب القلب، سلطان الاذکار کس کو کہتے ہیں، اور ان کا طریقہ کیا ہے، اس کے فوائد ومنافع کیا ہیں، اسم ذات کے کتنے طریقے ہیں اور ان کو کرنے کا طریقہ کیا ہے۔

افسوس تو اس وقت ہوتا ہے جب معلوم ہوتا ہے کہ طریقت میں داخل ہوئے چالیس سال پچاس سال ہو گئے اور اب بھی وہ تسبیحات ثلاثہ ہی کی گردش میں ہیں۔

ان کو سلوک وطریقت کی ا، ب، ت، ث کی بھی واقفیت نہیں اور ماشاءاللہ لمبی لمبی اسناد کے حامل ہیں اور ان کا شمار طریقت کے اکابرین میں ہوتا ہے۔

جب آنکھوں نے اس ماحول اور ایسے افراد کو دیکھا تو داعیہ پیدا ہوا کہ کوئی مختصر ایسی کتاب آنی چاہئے جو اس کمی کو کسی حد تک پوری کر سکے۔ چنانچہ ان اسرار ورموز کو واشگاف کرنے والی کتاب جو خادم نے لکھی اسی کا نام تحفۃ السالکین ہے، جو مکتبہ الحبیب سے کئی بار شائع ہوئی اور اہل طریقت وسالکین کے مطالعہ کا جز بن گئی۔ اس طرح تحفۃ السالکین اس خادم کی تیرہویں تصنیف ہے۔

(۱۴) ''تصوف صوفیاء اور ان کا نظام تعلیم وتربیت''

تصوف مذہب کی روح، اخلاق کی جان، اور ایمان کا کمال ہے، اور اس کا سرچشمہ قرآن و حدیث ہے، تصوف کی مستند کتابیں قوت القلوب، رسالہ قشیریہ،

کشف المحجوب، عوارف المعارف، تذکرۃ الاولیاء، فوائد الفوائد، خیر المجالس جیسی تصوف کی اہم اور بنیادی کتابیں پڑھنے کے بعد آپ کو اندازہ ہوگا کہ حضرات صوفیاء کے یہاں کتاب وسنت کی پیروی کا کس قدر اہتمام والتزام رہا ہے۔

حضرات صوفیاء کو یہ کہنا کہ یہ قرآن وسنت کی پیروی نہیں کرتے، یہ خیال وسوچ انہی کا ہوسکتا ہے جو تصوف وصوفیاء کے طریق اور نظام تعلیم وتربیت اوران کے معمولات شب وروز سے نابلد ہیں۔

حضرات صوفیاء کا مزاج تو یہ رہا ہے کہ جو انسانوں کا درد اپنا درد بنانے والا ہو اوران کی ضلالت وگمراہی کی فکر کو اپنی آہ سحر گاہی سے جوڑنے والا ہو اور ہر ایک کے دکھ درد میں کام آنے والا ہو، صوفی کہلانے کا وہی مستحق ہے۔

حضرات صوفیاء نے کبھی بھی اپنے کو امراء، حکام، سلاطین، اغنیاء کے در کا جانشین نہیں بنایا اور نہ بننے والوں کو پسند کیا، بلکہ ہمیشہ ان کی اصلاح کی فکر میں رہے۔

لیکن بعض لوگوں نے دانستہ تصوف وصوفیاء اوران کے نظام تعلیم وتربیت پر ایسی دبیز چادر ڈال دی تاکہ اس کی حقیقت لوگوں کو نظر نہ آسکے اور لوگ یہ سمجھیں کہ تصوف قبر پرستی، مزار پرستی اور مجاورت کے ساتھ چند مخصوص اعمال وحرکات کے مجموعہ کا نام ہے۔

اس لئے اس خادم نے ضرورت محسوس کی کہ اختصار کے ساتھ تصوف وصوفیاء اوران کا مزاج اوران کا انداز تعلیم وتربیت امت تک پہونچ جائے، تاکہ ان کی صحیح رہنمائی ہو سکے۔

اسی سلسلہ کی کاوش کا نام ''تصوف وصوفیاء اوران کا نظام تعلیم وتربیت'' ہے۔

جو اس خادم کی چودہویں تالیف ہے۔

یہ کتاب جنوری ۲۰۱۶ء میں مکتبہ الحبیب جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور، سنجر پور، اعظم گڑھ سے شائع ہو کر مقبول خاص و عام ہوئی۔

(۱۵)''حضرات صوفیاء اور ان کا نظام باطن''

اس خادم نے تصوف کے موضوع پر دو کتابیں لکھیں: (۱) تحفۃ السالکین، جس میں حضرات صوفیاء کرام کے یہاں رائج ذکر و اذکار کا تعارف سہل انداز میں کرانے کی کوشش کی۔

دوسری کتاب: ''تصوف وصوفیاء اور ان کا نظام تعلیم و تربیت'' کے نام سے لکھی، جس میں حضرات صوفیاء کا دائرۂ کار اور تصوف کی اساس اور تصوف وصوفیاء کے طبقات اور حضرات صوفیاء کی خدمات و مزاج و نظام پر مشتمل ہے۔

لیکن حضرات صوفیاء کا ایک نظام باطن بھی ہے جس سے بہت سے کور باطن نا آشنا و نابلد ہیں۔ حضرات صوفیاء اور ان کے نظام باطن میں اس خادم نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ غوث و قطب و ابدال کس کو کہتے ہیں؟ اور ان کی تعداد کتنی ہے؟ اور ان کے مساکن کہاں کہاں ہیں؟ طیِّ الارض اور تصوف باطنی اور توجہ کی حقانیت پر بھی اس مختصر سی کتاب میں گفتگو کی گئی ہے۔

کتاب کے اختصار کو ہر حال میں ملحوظ رکھا گیا ہے، تا کہ ہر ایک کے لیے استفادہ ممکن ہو سکے۔ اس طرح یہ کتاب اس خادم کی تالیفات کی پندرہویں کڑی بن گئی ہے۔

(۱۶) ''قدوۃ السالکین''

حضرات اکابرین کا معمول رہا ہے کہ جو حضرات ان سے بیعت ہوکر داخلِ سلسلہ ہوتے تھے ان کو زبانی معمولات کے ساتھ تحریری کتابی شکل میں معمولات پر مشتمل کتاب ان کے سپرد کی جاتی اور ان کو یہ ہدایت کی جاتی کہ اس کتاب میں مذکور معمولات کی پابندی کریں، کیونکہ معمولات کی پابندی ہی باطنی ارتقاء کا ذریعہ ہے۔

چنانچہ اس خادم سے بھی جو حضرات بیعت ہوتے رہے اس کی ضرورت محسوس کی گئی کہ ان کے معمولات تحریری شکل میں ان کو دے دیئے جائیں، چنانچہ معمولات کے ساتھ شجرۂ حبیبیہ چشتیہ اور دوسری اہم چیزوں پر مشتمل جو کتاب اس خادم نے مرتب کی، جس کا نام ''قدوۃ السالکین'' رکھا، یہ اس خادم کی سولہویں تالیف ہے، جو ہزاروں کی تعداد میں شائع ہوکر تقسیم ہوچکی ہے۔

(۱۷) ''علماء وقائدین کے لیے اعتدال کی ضرورت''

جامعہ علوم القرآن جمبوسر ضلع بھروچ گجرات میں مارچ ۲۰۱۴ء میں اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کا تیئیسواں سمینار منعقد ہوا، اس سمینار کے ابتدائی پروگرام میں بہ حیثیت ذمہ دار اسلامک فقہ اکیڈمی حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے اپنا کلیدی خطبہ پیش کیا، جس میں اکیڈمی کی کارکردگی کے ساتھ ایک ایسا دل دوز مضمون حاضرین کی نذر کیا کہ اکابر علماء وارباب افتاء بھی اس پر خراج تحسین پیش کرنے سے اپنے کو نہیں روک پائے۔ عصر حاضر میں علما وقائدین کو اعتدال کی کس قدر ضرورت ہے، اس کی تفصیلات پر

اس مضمون میں روشنی ڈالی گئی ہے، اور محققانہ انداز میں اس کو پیش کیا گیا ہے۔

مضمون بالا کی ترتیب وتبویب واختصار کے بعد اس خادم نے ''علما وقائدین کے لیے اعتدال کی ضرورت'' کے نام سے شائع کیا۔ اس طرح یہ کتاب خادم کی تالیفات کی سترہویں کڑی بن گئی جو طبع ہونے کے بعد بے حد پسند کی گئی۔

(۱۸) ''صدائے بلبل''

۱۴۲۱ھ مطابق ۲۰۰۰ء میں جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور میں ایک جلسۂ دستار بندی کا انعقاد ہوا، جس میں جلسے کے ساتھ مسابقۂ خطابت کا بھی پروگرام طے پایا اور الحمد للہ ایک درجن سے زائد مدارس کے طلبہ نے اس مسابقہ میں شرکت کی، مسابقہ کے لیے چھ عناوین منتخب کیے گئے، سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، علماء دیوبند کا عشق رسول، جہاد اور عصر حاضر، تعمیر ملک وملت میں اکابر علما کا کردار، عصر حاضر میں مدارس کی ضرورت وافادیت، آزادئ ہند میں علماء مدارس کا حصہ۔

شرکاء مسابقہ نے پوری تیاری کے ساتھ مسابقہ میں شرکت کی اور اپنے اپنے خطابات کی ایک کاپی دفتر مسابقہ میں حسب ہدایت جمع کرادی، جس کو بعد میں ان کی حوصلہ افزائی کے لیے نئے انداز سے مبوب ومرتب کرکے اور نئے عناوین سے معنون کرکے صدائے بلبل کے نام سے شائع کراکر افادۂ عام کے لیے اس کی اشاعت کی گئی۔ اس طرح تالیفات کی یہ اٹھارہویں کڑی بن گئی۔

اشاعت کے بعد مدارس کے طلبہ نے اس کتاب کو بے حد پسند کیا۔

(۱۹) حبیب العلوم شرح سلم العلوم''

منطق ایک ایسا دقیق فن ہے جس سے بعض حضرات نے اتنی دوری بنائی کہ اس فن سے اشتغال ہی کو لغو کام قرار دے دیا اور بعض حضرات نے اپنے موقف میں اتنی شدت اختیار کی کہ ''یجوز الاستنجاء باوراق المنطق'' تک لکھ ڈالا، لیکن ہمارے اکابرین واسلاف کے نصاب ونظام تعلیم وتربیت میں منطق وفلسفہ کا عمل دخل رہا۔

بلکہ دارالعلوم دیوبند نے ترجیحی طور پر اس فن کو مطمح نظر رکھا، اس حسین امتزاج معقولیت ومنقولیت کی وجہ سے دارالعلوم دیوبند کے فضلا کو میدان عمل میں وہ فوقیت حاصل رہی جو دوسرے ادارہ کے فضلاء نہیں حاصل کر سکے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ منطق وفلسفہ کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھنے والوں نے یہاں تک کہہ دیا ؎

بُرا کہتے ہیں منطق کو جو ہیں منطق سے ناواقف
بُرا کہنے سے منطق میں خلل کچھ آ نہیں سکتا
اگر اندھا نہ دیکھے روشنی، یہ نقص ہے اس کا
طلوعِ شمسِ انور کو کوئی جھٹلا نہیں سکتا

زمانۂ تدریس میں ایک لمبے عرصہ تک اس خادم کے ذمہ سلم العلوم کی تدریس رہی اور بہت شوق ودلچسپی کے ساتھ اس فن کو فنی اعتبار سے پڑھاتا رہا، زمانۂ تدریس کے مطالعہ کا ماحصل وخلاصہ ''حبیب العلوم شرح سلم العلوم'' کے نام سے علما وطلبہ کے

ہاتھوں میں پہنچی۔اس طرح یہ کتاب تالیفا حبیب الامت کی انیسویں کڑی بن گئی۔

(۲۰)''تحقیقات فقہیہ''

۲۰۰۷ء میں جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور اعظم گڑھ میں اسلامک فقہ اکیڈمی کا ایک عظیم سمینار ہوا، اس سمینار کے موقعہ سے بہت سے احباب کی خواہش واصرار پر اس خادم کے لکھے ہوئے وہ مقالات جو اسلامک فقہ اکیڈمی کی طرف سے آنے والے سوالناموں کے جواب میں بہ شکل مقالہ مختلف عناوین پر لکھے گئے اور سمیناروں میں پیش ہوئے ان ہی مقالات کی نئی تلخیص، ترتیب، تہذیب، تبویب، تنقیح کے بعد تحقیقات فقہیہ کے نام سے شائع ہوکر ہونے والے سمینار میں آئے ہوئے علماء وفقہاء کے مطالعہ کی زینت بنی۔اس طرح یہ کتاب تالیفات حبیب الامت کی بیسویں کڑی بن گئی جو ۲۰۰۷ء میں مکتبۃ الحبیب جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور اعظم گڑھ سے شائع ہوکر مقبول خاص وعام بنی۔

لیکن حالات وضرورت کے تقاضوں کے پیش نظر ۲۰۲۱ء میں اس کتاب پر نظر ثانی کے ساتھ دو جلدوں میں نئی تحقیق وتعلیق وتخریج کے ساتھ اس کی اشاعت کا پروگرام بنا اور بحمد اللہ اس کی اشاعت عمل میں آئی۔

(۲۱)''رسائل حبیب''(جلد اول ودوم)

مختلف ادوار ومختلف امکنہ میں حسب ضرورت وحسب خواہش وحسب تعمیل حکم اکابرین مختلف نام کے رسائل وکتابیں وجود میں آتی رہیں اور شائع ہوکر عوام

وخواص کے ہاتھوں میں پہنچ کر نایاب و نایافت ہوتی گئیں۔

جس کی وجہ سے اس خادم کے احباب ورفقاء، محبین وتلامذہ، منتسبین وخلفاء نے اس کی ضرورت شدت سے محسوس کی کہ مختلف رسائل کو ایک مجموعہ کی شکل ''رسائل حبیب'' کے نام سے دے کر اس کو شائع کر دیا جائے، تا کہ اس کی حفاظت وصیانت میں مدد مل سکے۔

چنانچہ انھیں وجوہ کے پیش نظر رسائل حبیب (جلد اول ودوم) منصۂ شہود پر آئی۔

اس طرح تالیفات حبیب الامت میں اس کتاب کو اکیسواں نمبر حاصل ہے۔ اس طرح یہ کتاب بھی مکتبہ الحبیب جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور، اعظم گڑھ کی طرف سے شائع ہو کر عمومی استفادہ کے لیے عوام وخواص کے ہاتھوں میں پہنچی اور اس کتاب نے بھی دیگر کتابوں کی طرح قبولیت عامہ حاصل کی۔

(۲۲) ''حبیب الفتاوی'' (مکمل ومدلل آٹھ جلد)

ابتداء تدریس سے تدریس کے ساتھ افتاء کا کام بھی اس خادم کے سپرد رہا اور اس عظیم خدمت کا بار بھی یہ خادم بہ صد شوق از اول تا آخر اٹھاتا رہا اور الحمد للہ اپنے بڑوں کی دعاء وتوجہ کے ساتھ حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی کی خصوصی شرف تلمذ اور طویل عرصہ تک ان کی خدمت میں رہ کر فتاوی نویسی کی خدمت دہی نے ہر مشکل سے مشکل تر مسئلے کو آسان بنا دیا تھا۔

چنانچہ منقح انداز میں مکمل و مدلل، مطول ومختصر، محقق و مدقق ہر طرح کے جوابات ہر طبقے کے ہاتھوں میں پہنچتے رہے۔

ایک دن وہ بھی آیا کہ ان فتاوی کی تعداد اچھی خاصی ہوگئی اور احباب وتلامذہ واقفین و آشناؤں کے تقاضے بڑھنے لگے کہ ان مکتوب فتاوی کو ترتیب دے کر عوامی استفادہ کے لیے، عوام وخواص کے ہاتھوں میں پہنچنا چاہئے۔

چنانچہ تلامذہ ومتعلقین، احباب ورفقاء ومتوسلین کی مسلسل خواہش واصرار کے بعد اس خادم کو اس کی اجازت دینی پڑی۔ چنانچہ ۱۹۹۴ء سے اس پر کام شروع ہوا اور ایک سال کے وقفہ میں اس کی پہلی جلد مکمل ہوکر اس وقت کے اکابرین افتاء کے ہاتھوں میں پہونچی اور درجنوں اکابرین نے حبیب الفتاوی کو دیکھنے کے بعد اس کی تائید وتوثیق اور تحسین فرمائی اور تحسینی کلمات سے سرفراز فرمایا جن کو حبیب الفتاوی کے جلد اول میں دیکھا جاسکتا ہے۔

اس طرح مختلف اوقات میں حسب سہولت حبیب الفتاوی کی ترتیب وتبویب، تدوین واشاعت کا کام ہوتا رہا، تا آنکہ اس کی کئی جلدیں زیور طبع سے آراستہ ہوکر عوام وخواص کے ہاتھوں میں یکے بعد دیگرے پہنچتی رہیں۔

چند سالوں سے اس کی ضرورت شدت سے محسوس کی گئی کہ اس کو نئی ترتیب اور نئی تحقیق وتعلیق وتخریج کے ساتھ کامل ومکمل انداز میں شائع کیا جائے، چنانچہ اس زاویے سے کام شروع ہوا اور دو سال کی محنت کے بعد الحمدللہ یہ کتاب ستمبر ۲۰۲۰ء میں حبیب الفتاوی مکمل ومدلل جدید ترتیب، تعلیق وتخریج کے ساتھ آٹھ جلدوں میں زیور طبع سے مزین ہوکر منصۂ شہود پر آگئی۔

اس طرح یہ کتاب تالیفات حبیب الامت کی بائیسویں کڑی ہے جس نے

خوب خوب خراج تحسین حاصل کیا۔

(۲۳) ''ملفوظات حبیب الامت'' (جلد اول، دوم)

مختلف اوقات میں مختلف امکنہ ومختلف مجالس میں اس خادم نے کبھی عوام سے کبھی خواص سے کبھی طلباء سے کبھی اساتذہ سے کبھی علماء سے کبھی جہلاء سے جو کچھ القائی والہامی کتب بنی اور قطب بنی کی برکت سے جو باتیں کہیں یا کہتا رہا ان کو بعض تلامذہ منتسبین، محبین، متعلقین وخلفاء نوٹ کر کے جمع کرتے رہے، جب ان کی مقدار زیادہ ہوگئی تو احباب وتلامذہ، خلفاء ومریدین کے اصرار پر ملفوظات حبیب الامت کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہوکر عوام وخواص امت، اکابرین واصاغرین کے ہاتھوں میں پہونچ گئی جس نے پڑھا پسند کیا اور عام ملفوظات سے ہٹ کر ایک نیا اسلوب وانداز الہامی والقائی باتوں وارشادات کا مجموعہ قرار دیا۔

اس طرح تالیفات حبیب الامت کے تیئیس نمبر پر یہ کتاب آ گئی۔ آج سیکڑوں علماء وطلباء کے ہاتھوں میں یہ کتاب ہے اور لوگ جی بھر کر اس سے استفادہ کر رہے ہیں اور فیض یاب ہو رہے ہیں۔

(۲۴) ''جمال ہمنشیں''

تابعین، تبع تابعین، صلحاء، اتقیاء، اصفیا، انقیاء، ابرار، اخیار، اولیاء، مشائخ، چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ، سہروردیہ کے ۱۴۱ نفوس قدسیہ کے اعمال واحوال، سفر وحضر، عبادت وتلاوت، ریاضت ومجاہدہ، مشاہدات وکرامات کا اس کتاب میں تذکرہ ہے۔

بالخصوص ان کی عبادت، تلاوت، نمازوں کا اہتمام، فرائض کے ساتھ نوافل کا التزام، تلاوت کی کثرت، گریہ وبکاء، شب بیداری وتعلق مع اللہ کا انداز، تکبیر اولیٰ اور صف اول کی پابندی، خدمت خلق کا جذبہ اور ان جیسی کتنی اہم باتوں سے لبریز یہ کتاب ہے جس نے کتنوں کی رات کی نیند اڑادی ہے اور یہ سوچنے پر مجبور ہوگئے کہ کیا ایسے بھی لوگ اس دنیا میں تھے۔ خاص پس منظر اور خصوصی حالات کے تناظر میں لکھی گئی اپنے موضوع پر قابل دید کتاب ہے۔

تالیفات حبیب الامت کی یہ چوبیسویں کڑی ہے جو طبع ہوکر ہاتھوں میں پہونچ چکی ہے۔

(۲۵)''حیات حبیب الامت'' (جلد اول، دوم، سوم)

ہر شخص کی زندگی میں کچھ ایسے خدوخال، نشیب وفراز، مدوجزر، تلاطم وطوفان ہوتے ہیں اور آتے ہیں کہ وہ بہتوں کے لیے مثال بنتے ہیں اور بہتوں کے لیے نمونہ اور بہتوں کے لیے درس عبرت۔

ہمارے بڑوں میں سے بعض نے بقلم خود اپنی زندگی کے نشیب وفراز کو سپرد قرطاس کیا اور بعض کی حیات پر دوسروں کا قلم چلا اور ہر ایک کی حیات کے واقعات خوردوں کے لیے اسوہ ونمونہ بنے۔

یہ خادم اگرچہ بڑوں میں سے نہیں لیکن سیکڑوں سے زیادہ اپنے ان اکابرین وبڑوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور ان کی کم وبیش صحبت پائی اور ان سے فیض اٹھایا جس کا اندازہ خادم کی تالیفات کے مطالعہ سے ہوگا۔

جس کی تاثیر خادم کی زندگی کے بہت سے گوشوں میں لوگوں نے دیکھی اور محسوس کی جس کے بعد ان کا اصرار شروع ہوا کہ اپنی زندگی کے نشیب وفراز اور اہم واقعات کو ہم خوردوں کے لیے قلمبند اور محفوظ کردیں تا کہ اس کے سایہ میں ہم اپنی زندگی گزارنے کی کوشش کریں۔

ان اصرار کرنے والوں میں بعض ایسے مخلص رفقاء، احباء، تلامذہ، خلفاء تھے کہ ان کی درخواست مسترد نہیں کرسکا اور بادل خواستہ وناخواستہ قلم اٹھانا پڑا اور اپنی زندگی کے نشیب وفراز وخدوخال جو ذہن میں محفوظ و باقی تھے ان کو دیانت امانت، صداقت وعدالت کے ساتھ سپرد قرطاس کرتا چلا گیا تا آنکہ یہ مواد تین جلدوں میں جا کر مکمل ہوا۔ اوراس کا نام ''حیات حبیب الامت'' رکھا گیا۔

اس طرح زندگی کے مختلف گوشے سپردقرطاس ہوکر زندہ جاوید بن گئے۔

ہم نہیں ہوں گے لیکن خادم کی حیات کے اہم نقوش بہتوں کے لیے مشعل راہ کا کام کریں گے۔

اس طرح حیات حبیب الامت اس خادم کی تالیفات کی پچیسویں کڑی بن گئی اور طباعت واشاعت کے مراحل سے گزر کرامت کے ہاتھوں میں پہونچ گئی، اور بہت سی لائبریریوں اور کتب خانوں کی زینت بن کر اپنے نقوش ثبت کرگئی۔

(۲۶) ''اک چراغ''

اس میں شک نہیں کہ چراغ سے ہی چراغ جلتے ہیں، کبھی ایک چراغ سے بہت سے چراغ جلتے ہیں اوران سے اندھیرے ختم یا کم ہوتے ہیں۔ بعضوں کا یہ

مزاج ہوتا ہے کہ جہاں ان کو اندھیرا نظر آتا ہے یا روشنی کی کمی نظر آتی ہے وہاں کوئی دیا یا چراغ روشن کر دیتے ہیں۔ باقی کام اس مقام و مکان کے مکینوں کا ہوتا ہے کہ وہ اس روشنی سے کتنا فائدہ اٹھاتے ہیں یا اٹھا پاتے ہیں۔

اہل شمع ضرورت کی بنیاد پر اپنا کام کر جاتے ہیں اور کر کے آگے بڑھ جاتے ہیں۔

الحمدللہ اس خادم کے باطن میں ہمارے بڑوں نے جو شمع روشن کی اس سے فیضیاب ہونے والے سیکڑوں ہیں، ان کے مختصر احوال و کیفیات پر مشتمل یہ ایک مجموعہ ہے جس کا نام ''اک چراغ'' ہے جو تالیفات حبیب الامت کی چھبیسویں کڑی ہے۔

(۲۷) ''برکات قرآن''

قرآن کریم ایک ایسی جامع اور سراپا ہدایت کتاب ہے جس کی کوئی نظیر نہیں، سارے علوم کا مجموعہ اس کتاب کو اہل علم نے قرار دیا ہے۔

قرآن کریم ۱۱۴ سورتوں پر مشتمل ہے جن میں سے ہر ایک کی الگ الگ خصوصیات و برکات ہیں، جن سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

آیات جن پر سورتوں کا اشتمال ہے ان کی خصوصیات و برکات الگ ہیں جو اعمال قرآنی جیسی کتابوں میں مذکور ہیں لیکن سورتوں کی خصوصیات و برکات سے عموماً لوگ نا آشنا ہیں۔

اسی اہم ضرورت کی تکمیل کے لیے یہ کتاب لکھی گئی تا کہ عوام امت اس سے آشنا ہو کر ان سورتوں کے برکات سے فیضیاب ہو سکیں۔

اس طرح یہ کتاب تالیفات حبیب الامت کی ستائیسویں کڑی بن گئی اور

امت کی ایک اہم ضرورت کی تکمیل کا ذریعہ بن گئی۔

(۲۸)''خطبات حبیب الامت''

الحمد للہ ہزاروں خطابات و بیانات کی سعادت اس خادم کو حاصل ہوئی، ہر طرح کے عنوان پر خطاب و بیان کا موقعہ ملا، اجتماعات و بڑے اجلاس سے خطاب کا موقعہ میسر ہوا۔ عوام و خواص کے علاوہ اکابرین و مشائخ کی موجودگی میں بھی اس خادم کے خطابات ہوئے۔

خطابات میں تذکیر بالقرآن والاحادیث کا معمول رہا، خطابات میں ہمیشہ تسلسل اور روانگی رہی جس کی وجہ سے مجمع ہمیشہ یکسو ہوکر پوری بات سن کر ہی اٹھتا تھا، انداز بیان سلیس اور مربوط ہونے کے ساتھ عام فہم ہوتا تھا، اس لیے سامعین دلچسپی سے خطابات سنتے تھے۔

احباب و تلامذہ، متوسلین و خلفاء کے اصرار و خواہش پر خطابات کا مجموعہ خطبات حبیب الامت کے نام سے مرتب و تیار ہوکر تالیفات حبیب الامت کی یہ اٹھائیسویں کڑی بن گئی اور تلامذہ و خلفاء کے استفادہ کے لیے ایک ذخیرہ تیار ہوگیا۔

(۲۹)''حوادث الفتاوی''

نئے مسائل اور واقعات کا ظہور ایک فطری امر ہے، ہر زمانہ میں نئے مسائل پیدا ہوئے اور اس وقت کے فقہاء اور مفتیان کرام نے پوری کاوش و جدوجہد کے بعد اس کا حل اجتہاد و تطبیق کے ذریعہ نکال کر امت کی رہبری کی اور امت کے لیے صحیح

سمت کی تعیین کر کے ان کے لیے راہ ہموار کیا۔

چنانچہ اسی طرح کے نئے مسائل کا حل اس کتاب میں موجود ہے جو حوادث الفتاوی کے نام سے موسوم ہے۔ اللہ نے مختلف اوقات میں پیش آمدہ جدید مسائل کے حل کی سعادت اس خادم کو نصیب فرمائی جس کا مجموعہ کتابی شکل میں منصۂ شہود پر آیا۔ اس طرح تالیفات حبیب الامت کی یہ انتیسویں کڑی بن گئی۔

(۳۰) ''درود وسلام کا مقبول وظیفہ''

حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پاک کی جو فضیلت ہے اس سے کم وبیش امت واقف ہے، درود پاک کے مختلف صیغے احادیث پاک میں مذکور وموجود ہیں۔ مختلف کتب کے تعاون سے احادیث میں جتنے الفاظ درود وسلام کے منقول ہیں، ترجمہ اور فضائل وخصائل کے ساتھ اس مجموعہ میں موجود ہے، کئی بار اس کی اشاعت مکتبہ الحبیب جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور اعظم گڑھ یوپی سے ہوئی اور ہزاروں کے ہاتھوں میں یہ کتاب پہونچی اور انہوں نے روزانہ پڑھنے کا معمول بنایا۔

اس طرح درود پاک کی تبلیغ واشاعت کا اجر اس خادم کو حاصل ہوا اور پڑھنے والے بھی ماجور ہوئے۔

(۳۱) ''حضرت حبیب الامت کی علمی دینی خدمات''

حضرات اکابرین ومشائخ کی آمد ورفت مختلف اوقات میں جامعہ میں ہوتی رہی۔ نیز خادم کی تصنیفات وتالیفات کے پہونچنے کا سلسلہ بھی قائم رہا۔ جامعہ اور

خادم کے ساتھ تصنیفات کے سلسلہ میں اکابر علماء ومشائخ، اہل علم و اہل قلم کے تأثرات و مشاہدات کا مجموعہ یہ کتاب ہے جس کو خادم کے تلمیذ خاص مولانا قاری سلمان خوشتر نے مرتب کر کے شائع کیا تا کہ امت حیثیت عرفیہ سے واقف و آشنا ہو سکے اوران کے لیے استفادہ کی راہ آسان ہوجائے۔دنیا سے جانے کے بعد قصیدہ ومرثیہ خوانی کا مزاج تو امت کا بہت پرانا ہے لیکن زندگی میں بڑوں کے دامن کو داغدار کر کے استفادہ کی راہ مسدود کرنے کا عام مزاج ہے۔اسی رسم بد کو اس کتاب کے ذریعہ دور کرنے کی سعی کی گئی ہے۔

(۳۲)''روضۃ الحبیب''

چہل حدیث پاک کا مجموعہ لکھنے کا معمول اسلاف سے چلا آرہا ہے۔ ہر مصنف نے اپنے ذوق کے مطابق ذخیرۂ احادیث سے چہل حدیث کا انتخاب کر کے مجموعہ تیار کیا تا کہ امت کے لیے احادیث سے استفادہ کے ساتھ اس کا حفظ آسان ہوجائے اور چہل حدیث کو محفوظ کرنے کے ساتھ اس کی اشاعت وتبلیغ کے اجر سے مستفید ہوجائیں۔

چنانچہ اسی تناظر میں چہل حدیث کا مجموعہ مختصر تشریح کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے تا کہ عوام امت کے ہاتھوں میں احادیث مبارکہ کا مجموعہ پہونچ سکے اور مدارس کے طلباء کے لیے بھی اس کا حفظ اور استفادہ آسان ہوجائے۔

الحمدللہ اس کے آگے بھی تصنیفات وتالیفات کا سلسلہ جاری ہے، اللہ پاک بقاءدوام کے ساتھ قبولیت سے نوازے اور ذریعۂ نجات بنائے۔

رمضان ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۹۹۳ء

جیسا کہ اس سے قبل یہ خادم لکھ چکا ہے کہ مدرسہ ریاض العلوم گورینی کا جو پرسکون ماحول تھا اس ماحول میں بہت تیزی کے ساتھ تبدیلی پیدا ہوئی، حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب کے علاوہ دوسرے ذمہ داروں کے سوچنے کا انداز اور معاملات کے برتاؤ میں کافی فرق شروع ہوگیا، بالخصوص مولانا افضال الحق صاحب کے حادثے کے بعد اور حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب کی اس خادم کو اجازت وخلافت دینے کے بعد حالات میں بہت شدت پیدا ہوئی۔

۱۹۹۱ء کا رمضان اس خادم کے لیے بہت صبر آزما اور پریشان کن رہا، چونکہ یکے بعد دیگرے اس خادم کے ساتھ دیدہ ودانستہ ایسی غلیظ حرکت کروائی گئی جس کو اس خادم نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔

پہلے تو اس خادم کی چپل کئی مرتبہ چھپائی اور پھینکی گئی، اس کے بعد ان چپلوں کو کاٹنے کا سلسلہ شروع ہوا، اس کے بعد خادم کے کمرے کے دروازے پر کئی مرتبہ غلاظت اور کوڑا کباڑ پھینکا گیا، اسی طرح تالے میں کچھ اس انداز کی چیزیں ڈالی گئیں کہ چابی اس کے اندر داخل نہ ہوسکے۔

مجبوراً تالے کو کاٹنا اور توڑنا پڑا، شرارت کرنے والے اور کرانے والوں کا اتنے ہی سے پیٹ نہیں بھرا، بلکہ اس کے بعد مسلسل کئی روز تک بال بنانے والی مشین زیرناف بنا کر، کاغذ میں لپیٹ کر اور چوہے کو مار کر کاغذ میں لپیٹ کر مسلسل کئی روز تک میرے رہائشی مکان کے صحن میں پھینکا جاتا رہا۔

بالآخر ان تکلیف دہ حالات سے گزر کر ایک دن صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹا اور حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب سے بعض مخلص دوستوں کے اصرار پر پوری کہانی سنا ڈالی، لیکن اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلنے والا تھا، نہ نکلا، بلکہ حالات میں دن بہ دن سختی پیدا ہوتی گئی۔ چونکہ یہ حالات جو لوگ پیدا کر رہے تھے ان کا واحد مقصد یہ تھا کہ یہ خادم کسی طرح حالات سے دل برداشتہ ہوکر، مدرسہ چھوڑ دے، چونکہ علمی و عملی اعتبار سے کوئی ایسی کمی اس مدت میں ان لوگوں نے نہیں پائی جس کو میرے اخراج کا ذریعہ بنا سکیں اور نہ ہی شوریٰ سے اخراج کرانا ان کے لیے ممکن تھا، اور نہ ہی عوامی مقبولیت کو ختم کرا کر، عوام کو میرے خلاف کرنا ان کے لیے ممکن تھا۔

اس لیے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ اندر سے ماحول کو اتنا خراب کر دیں کہ صبر کا پیمانہ لبریز ہو جائے اور یہ خادم مجبوراً اپنا بوریا بستر لپیٹ کر رخصت ہو جائے۔

لیکن اس قدر سنگین اور سخت حالات میں بھی اس خادم نے ایک لمبا عرصہ وہاں گزارا، جب کہ دوسرا شخص ان حالات میں ایک دن بھی وہاں نہیں رہ سکتا تھا، بالآخر ۱۴۱۳ھ کا تعلیمی سال مکمل کر کے یہ خادم وطن گیا اور تعطیل کے ایام گھر پر گزار کر ۱۹ر رمضان ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۴ر مارچ ۱۹۹۳ء اتوار کے دن مدرسہ ریاض العلوم گورینی پہنچا اور ارادہ آخری عشرے کے اعتکاف کا تھا۔

لیکن جب حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب کے برخوردار مولانا عبدالعظیم صاحب ندوی سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے شعبان اور رمضان میں پیدا کردہ حالات کی تفصیل اس خادم کو بتائی جس کا حاصل یہ تھا کہ گھریلو کچھ مسائل کو لے کر برادران کا آپسی اختلاف ہوا، لیکن اس میں اس خادم کو زبردستی گھسیٹ کر لایا گیا اور

نام لے کر پیٹ بھر کر مسلسل مجھ کو مغلظ گالیاں دی گئیں۔

اس صورت حال کی تفصیل بتانے کے بعد مولانا عبدالعظیم صاحب ندوی کی حتمی رائے یہ بنی کہ آپ آخری عشرے کا اعتکاف یہاں ہرگز نہ کریں، چونکہ اس صورت حال میں آپ کو یہاں موجود پاکر آپ کو ماضی سے زیادہ تنگ اور پریشان کرنے کی بھرپور کوشش کریں گے اور آپ کا آخری عشرہ ضائع ہوجائے گا، اس سے پہلے بھی رمضان میں آپ ان خبیثوں کی خباثت اچھی طرح جھیل چکے ہیں، اس لیے میری حتمی رائے یہ ہے کہ آپ حضرت مولانا سے اجازت لے کر یہاں سے رخصت ہوجائیں۔

چنانچہ ۲۰/رمضان ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۵/مارچ ۱۹۹۳ء دوشنبہ کے دن حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب سے اجازت لے کر وایا سرائے میر، اعظم گڑھ ۲۴/رمضان مطابق ۱۹/مارچ جمعہ کے دن بنارس پہنچ گیا اور ۴/دن بنارس میں حاجی یحیٰ صاحب کے مکان پر قیام کرنے کے بعد ۲۸/رمضان مطابق ۲۳/مارچ منگل کے دن وایا پٹنہ وطن پہنچا اور عید کی نماز گھر پر ادا کی۔

چمپارن سے مدرسہ ریاض العلوم گورینی کے لیے روانگی

۲۱/شوال ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۴/اپریل ۱۹۹۳ء بدھ کے دن یہ خادم وطن سے مدرسہ ریاض العلوم گورینی کے لیے روانہ ہوا، لیکن حالات کے تحت براہ راست مدرسہ نہ پہنچ کر مدرسے سے پہلے اعظم گڑھ ضلع کے ایک گاؤں میں رات کا قیام کیا اور کل ہوکر ۲۲/شوال مطابق ۱۵/اپریل جمعرات کے دن ایک عزیز کو مدرسہ ریاض العلوم

گورنگی کے حالات جاننے اور سمجھنے کے لیے بھیجا، واپسی پر معلوم ہوا کہ ترمذی شریف جس کو یہ خادم آغاز دورہ سے پڑھا رہا تھا اور حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب نے یہ کہہ کر ترمذی شریف اس خادم کے سپرد فرمایا تھا کہ بخاری شریف جس کا دل چاہے پڑھائے، لیکن ترمذی شریف تو ہمارے مفتی صاحب ہی پڑھائیں گے، وہ ترمذی نقشہ تقسیم اسباق میں اس خادم سے ہٹا کر دوسرے کو دے دی گئی اور اسی طرح حدیث وتفسیر کی کئی اہم وفنی کتابیں جن کو یہ خادم ایک زمانے سے بہت شوق سے پڑھا رہا تھا وہ ساری کتابیں ہٹا کر دوسری معمولی کتابیں اس خادم کے سپرد کر دی گئیں۔

جس کا حاصل یہ تھا کہ یہ خادم ویسے نہیں تو ایسے تنگ آ کر اور مجبور ہو کر مدرسہ چھوڑ دے۔

چنانچہ ۲۴ر شوال مطابق ۱۷ر اپریل سنیچر کے دن ۱۲ر بجے دوپہر میں مدرسہ ریاض العلوم گورنگی کے اپنے رہائشی مکان پر پہنچا۔ تھوڑی دیر کے بعد میرے مخلص اور کرم فرما عزیزم جناب مولانا عبدالماجد صاحب سلمہ جو حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب کے سب سے چھوٹے داماد تھے وہ میرے رہائشی مکان پر آئے اور حالات پر تذکرہ شروع ہوا، ابتدا انہوں نے اس بات سے کی کہ مفتی صاحب! یہ جگہ آپ کیلیے مکمل دارالہجرت بن گئی ہے، اب یہاں سے آپ کے لیے ہجرت فرض ہو چکی ہے۔ شرعاً، اخلاقاً کسی طرح بھی یہاں رہنے کی گنجائش آپ کے لیے نہیں ہے، میں اندر کی ایک ایک بات سے واقف ہوں، اس لیے آپ ہجرت میں قطعاً تاخیر نہ کریں، اس گفتگو کے دوران میرے رہائشی مکان کی کھڑکی کے پیچھے مدرسہ کے نائب ناظم جاسوسی کرتے ہوئے بھی ملے، اس کے بعد حالات کی سنگینی کو سمجھتے ہوئے اس خادم نے اپنے عزیز اختر

عالم سلمہٗ کو سامان باندھنے کا حکم دے دیا، اور ظہر کی نماز کے بعد اپنے رفیق محترم مولانا عبدالعظیم صاحب ندوی سے مل کر، صورت حال پر گفتگو کی، انھوں نے بھی اس بات کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ مفتی صاحب! واقعہ تو یہی ہے، کہ معاندین نے آپ کے لیے یہاں اس قدر نفرت آمیز اور سنگین ماحول تشکیل دے دیا ہے اور ماحول کو اتنا متعفن کر دیا ہے کہ اس میں گھٹ گھٹ کر رہنا آپ کے لیے اب ممکن نہیں ہے، اس لیے اب میری بھی رائے یہی ہے کہ آپ مدرسہ ریاض العلوم کو خیر باد کہہ دیں۔

چنانچہ اس فیصلے کے بعد انھوں نے چند طلبہ کو بلایا اور میرے کمرے میں موجود کتابوں کو باندھنے کا عمل شروع کروا دیا جس میں مولوی حمزہ گورکھپوری بھی تھے۔

اس کے بعد اس خادم نے مولانا عبدالعظیم صاحب ندوی سے دو درخواست کی۔ نمبر ایک: حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب سے صحیح صورت حال بتلا کر اس خادم کو یہاں سے جانے کی اجازت دلوا دیں۔ اور نمبر دو: اپنی نگرانی میں مجھ کو اور میرے سامان کو بہ عافیت یہاں سے رخصت کروا دیں۔

چنانچہ انھوں نے دونوں باتوں کا وعدہ کیا اور اس خادم کو لے کر والد محترم حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب کے پاس گئے اور پوری صورتحال بتلا کر والد محترم سے مولانا عبدالعظیم صاحب ندوی نے اصرار کے ساتھ یہ درخواست کی کہ ابا آپ اب مفتی صاحب کو یہاں سے جانے کی اجازت دے دیں، چونکہ جو حالات ان کے لیے پیدا کر دیئے گئے ہیں، ان حالات کو ختم کرنا نہ آپ کے بس میں ہے اور نہ ہی میرے بس میں۔ اس لیے مفتی صاحب کو یہاں کے حالات و ماحول میں جلانے اور جھلسانے سے بہتر یہ ہے کہ آپ بہ رضا و رغبت خوشی خوشی ان کو جانے کی اجازت دے دیں اور اپنی زندگی میں ان کو رخصت کر دیں۔

چنانچہ حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب نے حالات کی سنگینی کو دیکھتے ہوئے اس خادم کو مدرسہ ریاض العلوم کو چھوڑنے کی بہ رضا و رغبت اجازت مرحمت فرمادی اور ہم دونوں کو لے کر دفتر نظامت تشریف لائے اور دفتر محاسبی کے ذمہ دار مولانا وکیل احمد صاحب سے یہ کہا کہ مفتی صاحب کو میں نے یہاں سے جانے کی اجازت دے دی ہے، اب یہ مدرسہ ریاض العلوم چھوڑ کر جارہے ہیں، لہٰذا آج تک ان کا جو حساب وکتاب بنتا ہو ان کو دے دیا جائے۔

مدرسہ ریاض العلوم گورینی سے میرا استعفیٰ

چنانچہ ۲۵؍شوال ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۸؍اپریل ۱۹۹۳ء اتوار کے دن سے یہ خادم باضابطہ مدرسہ ریاض العلوم کی تمام تر خدمات سے مستعفی سبک دوش ہوکر وہاں سے ہجرت کی تیاری میں لگ گیا، چونکہ سامان زیادہ تھا، کتابوں کی تعداد بھی اچھی خاصی تھی، اس لیے بڑے ٹرک کی ضرورت تھی۔ چنانچہ جونپور سے، گورینی سے چمپارن کے لیے ایک ٹرک کرائے پر لیا اور رات میں ٹرک پر سارا سامان لوڈ کرواکر ایک بجے رات میں ٹرک اپنے ایک عزیز کے ذریعہ چمپارن کے لیے روانہ کیا، جس کی روانگی میں اور سامان کو لوڈ کرنے میں مولانا عبدالعظیم صاحب ندوی اور مولانا عبدالماجد صاحب اور ان کے بچوں نے پورا پورا ساتھ دیا۔

ٹرک کی روانگی کے بعد رات کا باقی حصہ مولانا عبدالماجد صاحب کے مکان پر ان کی رفاقت میں گزارا، چونکہ اس خادم کو اس کا احساس تھا کہ آج کی رات میرے ساتھ کچھ بھی ہوسکتا ہے، لہٰذا اگر کچھ ہوا تو بیٹی داماد تو گواہی دے سکیں گے۔ چنانچہ اس خادم کی

اس سوچ کی تصدیق ڈاکٹر سخاوت علی شمیم صاحب کی بات سے ہوئی، جس کو روتے ہوئے انھوں نے خود مجھ سے بیان کیا، جس کا تذکرہ آئندہ صفحات میں آپ پڑھیں گے۔

رات کے چند گھنٹے گزارنے کے بعد فجر کی نماز مدرسہ کی مسجد میں، میں نے ادا کی اور نماز فجر کے بعد حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب سے الوداعی سلام ومصافحہ اور معانقہ کیا، اس کے بعد مولانا عبدالعظیم صاحب اور مولانا عبدالماجد صاحب نے صبر حد تک اس خادم کو رخصت کیا، اس کے بعد یہ خادم اپنی بائک سے باقی سفر طے کر کے شاہ گنج ڈاکٹر سخاوت علی شمیم صاحب کے یہاں پہنچا اور ان سے ملاقات کر کے پوری صورت حال سے ان کو واقف کرایا، اس کو سن کر وہ رو پڑے۔

شاہ گنج سے وایا اعظم گڑھ وطن کے لیے روانگی

شاہ گنج میں ڈاکٹر سخاوت علی شمیم صاحب سے ملاقات کرنے کے بعد سرائے میر اور گرد و پیش کی ملاقات کرتا ہوا ۲۸/شوال مطابق ۲۱/اپریل بدھ کے دن شام کے وقت یہ خادم اپنے وطن پہنچ گیا، اور وطن پہنچنے کے بعد یہ طے کر لیا کہ اب مجھ کو دو چار مہینہ گھر ہی پر قیام کرنا ہے، اس کے بعد کسی جگہ کے بارے میں کچھ سوچوں گا۔

لیکن جب مہذب پور کھٹنہ والوں کو یہ اطلاع ملی کہ میں نے ریاض العلوم گورینی سے استعفیٰ دے دیا ہے اور میں گھر پر مقیم ہوں تو ان دونوں گاؤں کے باشندگان کا دباؤ مسلسل بڑھنے لگا کہ آپ ہمارے یہاں آجائیں، ہمیں ایک دارالعلوم قائم کرنا ہے اور اس کے لیے آپ کی اور آپ کی صلاحیت کی ہمیں ضرورت ہے، کیونکہ ہم اس

کام سے نا آشنا و ناواقف ہیں اس لیے آپ کی رہبری کی اشد ضرورت ہے، لیکن یہ خادم ان لوگوں سے معذرت کرتا رہا اور وعدہ سے گریز کرتے ہوئے ٹالتا رہا۔

تا آنکہ ان لوگوں میں سے بالخصوص حاجی اقبال صاحب مہذب پوری کا اصرار اتنا بڑھا کہ کچھ دنوں کے بعد اس خادم کو مجبوراً مہذب پور واپس آنا پڑا۔ چنانچہ ۱۶/ذیقعدہ ۱۴۱۳ھ مطابق ۹/مئی ۱۹۹۳ء اتوار کے دن یہ خادم مہذب پور پہنچا۔

چمپارن سے اعظم گڑھ کے لیے واپسی

اس خادم کی واپسی کے بعد مہذب پور کھٹنہ والوں کی ایک عمومی میٹنگ ہوئی، جس میں بہ اتفاق رائے جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور کی بنیاد اور تعمیر اور اس کے وجود و بقا کے لیے اس خادم کا قیام طے کیا، باوجودیکہ یہ خادم معذرت اور انکار کرتا رہا، لیکن جب تک تمام شرکا و حاضرین مجلس نے اس خادم سے دار العلوم مہذب پور کے قیام کا وعدہ نہیں کرالیا اس وقت تک مجلس برخواست نہیں ہونے دی۔

جب خادم نے دیکھ لیا کہ اب انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے، چونکہ اس خادم سے ان لوگوں کے دیرینہ ۱۹۸۹ء سے تعلقات بھی تھے، بالخصوص حاجی اقبال احمد صاحب مہذب پوری و جناب ڈاکٹر عمران صاحب سیہی پور و دیگر بہت سے درجنوں وہ افراد تھے جن سے ذاتی طور پر اس خادم کا تعلق تھا، اور مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں رہتے ہوئے ان کی آمد و رفت بھی مسلسل وہاں رہا کرتی تھی۔

بہر حال جب اس خادم نے یہ دیکھ لیا کہ انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور ہر حال

میں یہاں کے قیام کی منظوری دینی پڑے گی تو اس خادم نے چند شرائط ان کے سامنے رکھے: (۱) جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور کا تاحیات میں بانی و مہتمم رہوں گا (۲) یہاں شوری و عاملہ کے نام کی کوئی کمیٹی نہیں ہوگی، بلکہ میں تنہا بااختیار اس ادارہ کا مہتمم رہوں گا (۳) میں حسب سہولت وصواب دید ملک و بیرون ملک کا سفر کیا کروں گا، اس پر اعتراض کا کسی کو حق نہیں ہوگا (۴) میرے اور میرے مہمانوں کے کھانے پینے کا نظم گاؤں والوں کو کرنا ہوگا (۵) دارالعلوم کی بنیاد جس زمین پر رکھنا ہے اس کی رجسٹری دارالعلوم کے نام کرنی ہوگی (۶) رجسٹری کے بعد دونوں گاؤں والوں کو کھڑے ہوکر دارالعلوم کی زمین کی نشاندہی کرنی ہوگی تاکہ باؤنڈری کا کام بہ سہولت ہوسکے (۷) دارالعلوم کی زمین کی پہلے باؤنڈری مکمل ہوگی، اس کے بعد اس کے اندر تعمیری کام شروع کیا جائے گا (۸) علاقائی سفر کے لیے کسی چھوٹی موٹر سائیکل جیسے ہیرو مجسٹک وغیرہ کا نظم کرنا ہوگا۔

چنانچہ دونوں گاؤں کے تمام شرکاءِ مجلس جن میں سارے ہی بڑے بوڑھے موجود تھے، سب نے متفقہ طور پر اس خادم کے شرائط کو منظور کیا اور تحریری شکل دے کر اپنے اپنے دستخط اس تحریر پر ثبت کیے، جب یہ کاروائی مکمل ہوگئی تو اس خادم نے یہ کہہ کر مجلس برخاست کردی کہ میں اس پر ان شاءاللہ غور کروں گا۔ چنانچہ چند روز غور وفکر اور صلاح ومشورہ کے بعد اس خادم نے اس علاقہ میں ادارہ کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور کی بنیاد اور قیام کے لیے اپنے قیام کی منظوری دے دی۔

اس خادم کی طرف سے یہاں پر قیام کی منظوری کے ملنے کے بعد اس علاقہ کے ہر طبقے کے لوگوں میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی اور بہت سے لوگوں کی زبانوں سے

کہتے ہوئے لوگوں نے یہ سنا کہ مفتی صاحب انسان کی شکل میں ایک فرشتہ ہیں، جو ہمیں مل گئے ہیں۔ ہم ستو باندھ کر بھی ان کو تلاش کرنے کے لیے نکلتے تو ان کو حاصل نہ کر پاتے، لیکن یہ اللہ کا ہم پر خصوصی فضل ہے کہ بغیر محنت ومجاہدہ کے ہمیں اتنی عظیم دولت حاصل ہوگئی ہے، ہمیں ان کی قدر کرنے کی ضرورت ہے۔

مدرسہ ریاض العلوم گورینی سے استعفیٰ کے بعد اہل مدارس کے مطالبات

مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں قیام کے دوران خادم کے انداز تدریس واسلوب بیان کا اتنا شور اور تذکرہ ہندوستان کے مدارس میں ہو چکا تھا کہ جب لوگوں کو یہ اطلاع ملی کہ یہ خادم مدرسہ ریاض العلوم گورینی سے سبک دوش ہو چکا ہے تو اہل مدارس کی قطار لگ گئی اور ہر ایک کی خواہش یہ رہی کہ میں ان کے مدرسہ میں پہنچ جاؤں تا کہ اس ادارہ کا علمی ارتقاء ہو سکے اور تدریس میں استحکام پیدا ہو سکے۔

لیکن مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں جتنے دنوں جس انداز سے اس خادم نے خدمت کی، جس کا تفصیلی تذکرہ اس سے پہلے حیات حبیب الامت کے جلد اول میں آچکا ہے کہ مدرسہ کا ہر کام، خادم نے اپنا کام سمجھ کر ہمیشہ کیا اور ہر شعبے کو وجود دے کر ترقی تک پہنچایا اور چھ گھنٹے کے بجائے اٹھارہ گھنٹے ہمیشہ کام کرتا رہا، اس کے باوجود اس خادم کے ساتھ وہاں کے ذمہ داروں کا معاندانہ جو برتاؤ رہا جس کو ایک زمانے تک جھیلتا رہا اور جس کو تا زندگی فراموش نہیں کیا جا سکتا، تو اس کی کیا گارنٹی ہے کہ کسی نئے ادارہ میں پہنچ کر یہ خادم پھر محسود نہیں بنے گا؟ اور ذمہ داروں اور پرانے اساتذہ کا عناد نہیں جھیلنا ہوگا؟

لہٰذا اس سے بہتر ہے کہ کہیں گوشۂ گم نامی میں بیٹھ کر سکون کے ساتھ دین کا کام کیا جائے۔

لیکن اس کے باوجود اہل مدارس کا مسلسل اصرار ہوتا رہا، لیکن یکے بعد دیگرے ان سب سے یہ خادم یہ کہہ کر معذرت کرتا رہا کہ اس خادم کا مزاج ہے: ''یک در گیر، محکم گیر''۔

اور میں نے اہل مہذب پور سے وعدہ کرلیا ہے اور ان کے در پر ہاں کر کے بیٹھ چکا ہوں، تو جب تک کہ کوئی عذر شرعی نہ ہو یا یہ جگہ خادم کے لیے دار الامن کے بجائے دار الحرب نہ بن جائے، اس وقت تک اس جگہ کو وعدہ کے بعد میں کیسے چھوڑ سکتا ہوں؟

مدارس کے مطالبات

۱- دار العلوم حیدر آباد

مدرسہ ریاض العلوم گورینی کے استعفیٰ کی خبر دار العلوم حیدر آباد پہنچی تو وہاں کے ذمہ داروں نے باضابطہ اعظم گڑھ کے ایک عالم جو وہاں پڑھا رہے تھے ان کو مستقل حیدر آباد سے اعظم گڑھ بھیجا اور اس کا پابند ان کو بنایا کہ ہر حال میں اس خادم کو تیار کر کے حیدر آبا لے کر آئیں، لیکن چونکہ یہ خادم اہل مہذب پور سے وعدہ کر چکا تھا اور اس کے ساتھ کام شروع کر دیا تھا، اس لیے دار العلوم حیدر آباد والوں سے معذرت کرلی۔

۲- دار العلوم دیوبند

اسی طرح دار العلوم دیوبند کے دار الافتاء کے لیے تین حضرات نے تین

اوقات میں مختلف مقامات پر دوران ملاقات صراحت کے ساتھ یہ فرمایا کہ دار العلوم دیوبند کے دار الافتاء کو ایک باصلاحیت و تجربہ کار مفتی کی ضرورت ہے، آپ صرف درخواست دے دیں، باقی کاروائی ہم لوگ کرلیں گے۔ وہ تین شخصیات جنہوں نے یہ بات اس خادم سے کہی (۱) حضرت مولانا اسماعیل صاحب کٹکی (۲) حضرت مولانا مفتی منظور احمد صاحب کانپوری اور یہ دونوں حضرات دار العلوم دیوبند کی شوریٰ کے ممبر بھی تھے (۳) مولانا حبیب الرحمٰن صاحب جگدیش پوری اعظمی جو دار العلوم دیوبند کے ذمہ دار اساتذہ میں سے ہیں، لیکن اس خادم نے ان تینوں حضرات سے معذرت کرلی۔

۳-جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ

جب یہ خادم دار العلوم مہذب پور پہنچ کر مصروف عمل ہو گیا تو اسی زمانہ میں حضرت قاری صدیق احمد صاحب باندوی کا بہار کے مختلف علاقوں کا سفر ہوا، اسی سفر کے دوران یہ خادم کشن گنج کے پروگرام میں شریک ہوا، پروگرام ختم ہونے کے بعد حاضرین سلام ومصافحہ کر رہے تھے، اسی دوران اچانک سلام ومصافحہ روک کر مجھ کو مخاطب کر کے فرمانے لگے کہ مفتی صاحب اگر مہذب پور والے پورے اختیارات کے ساتھ کام کرنے کی منظوری دیتے ہوں تب تو وہاں کام کریں، ورنہ مہذب پور چھوڑ کر میرے پاس آجائیں۔

حضرت قاری صاحب کے انداز گفتگو سے یہ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ حضرت اپنے مدرسہ میں بلانے کی خواہش رکھتے ہیں۔ چنانچہ دوسرے ذرائع سے بھی اس کی تصدیق ہوئی، لیکن حضرت قاری صاحب کو یہ کہہ کر میں نے مطمئن کر دیا کہ حضرت یہ ساری باتیں تحریری شکل میں لوگوں نے لکھ کر مجھے دے دی ہیں، باقی آپ دعا

فرمائیں، دلوں کا حال تو اللہ ہی کو معلوم ہے۔

۴- مدرسۃ الاصلاح سرائے میر، اعظم گڑھ

جس دن مستعفیٰ ہوکر یہ خادم سرائے میر پہنچا، مفتی شعیب احمد صاحب قاسمی جو مدرسۃ الاصلاح کے مؤقر اساتذہ میں سے تھے، اسی دن حج کے لیے تشریف لے جارہے تھے، سرائے میر میں جس جگہ میری ان سے ملاقات ہوئی، وہاں پر مدرسۃ الاصلاح کے دوسرے اہم اساتذہ اور کمیٹی کے ذمہ دار افراد بھی موجود تھے، ان کو میں نے اپنے استعفیٰ کی اطلاع دی، افسوس کا انھوں نے اظہار کیا اور حج کے لیے روانہ ہوگئے، جب حج سے واپس تشریف لائے تو میں مہذب پور میں کام سے لگ چکا تھا، وہ کہنے لگے کہ جب آپ سے ملاقات ہوئی اور آپ نے اپنے استعفیٰ کی خبر دی تو ڈاکٹر مظفر حسین صاحب اصلاحی نے مجھ کو پابند کیا کہ مفتی صاحب کو ہر حال میں مدرسۃ الاصلاح لے آئیں، جو بھی ان کے شرائط ہوں پیشگی وہ سب منظور ہیں، مگر ان کی اور ان کی صلاحیتوں کی اصلاح کو ضرورت ہے، لیکن جب میں حج سے واپس آیا تو معلوم ہوا کہ آپ نے دارالعلوم مہذب پور کے نام سے ادارہ قائم کرلیا ہے اور مکمل طور سے اس سے وابستہ ہو چکے ہیں۔

۵- دارالعلوم جوگواڑ، گجرات

مدرسہ ریاض العلوم گورینی سے مستعفیٰ ہونے کے بعد جب دارالعلوم مہذب پور کا کام شروع کردیا تو اسی دوران حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی کی علالت کی خبر معلوم ہوئی، چنانچہ آپ سے ملاقات کے لیے خادم دلی پہنچا، اس وقت آپ دلی میں ہی زیر علاج تھے، دوران علاج کئی روز کا قیام اس خادم کا وہاں رہا، اس قیام کے دوران ہندوستان کے مختلف علاقوں سے آنے والے علماء کی ملاقات بھی ہوتی رہی،

انھیں علماء میں حضرت مولانا ہاشم صاحب سے بھی ملاقات ہوئی، جو جوگواڑ، گجرات کے رہنے والے تھے اور حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کے خلفاء میں سے تھے اور دار العلوم بری، لندن کے استاذ حدیث تھے، جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ میں مدرسہ ریاض العلوم گورینی سے مستعفی ہوگیا ہوں تو انھوں نے دار العلوم زکریا جوگواڑ کے لیے بہت اصرار کیا اور دوسروں سے سفارش بھی کروائی کہ دار العلوم جوگواڑ کی خدمت قبول کرلیں، وہاں رہتے ہوئے دار العلوم مہذب پور بھی چلتا رہے گا اور ان شاءاللہ وہاں کا بھی انتظام ہوتا رہے گا، اس کے لیے حضرت مولانا ہاشم صاحب بہت دنوں تک کوشاں وخواہش مندرہے، لیکن اس خادم نے ان سے بھی معذرت کرلی۔

۶- جامعہ شرعیہ فیض العلوم سرائے میر

اس مدرسہ کے ذمہ داروں نے بھی کافی دنوں تک اس خادم سے اس مدرسہ میں رہنے کا اصرار کیا، لیکن انھیں وجوہات کے تحت اس خادم نے وہاں کی خدمت قبول کرنے سے معذرت کردی، جس کا تذکرہ اس سے پہلے کیا جاچکا ہے کہ لوگ ایک زمانے تک دوسروں کی صلاحیتوں سے استفادہ کرتے ہیں اور جب ان کی ضرورت پوری ہوجاتی ہے، ادارہ اور ذمہ دار اپنے پاؤں پر کھڑے ہوجاتے ہیں تو وہ سب بھلا کر بہ یک بنی دوگوش باہر کا راستہ دکھا دیتے ہیں، اس لیے تابعیت اسی وقت تک پسند کرتے ہیں جب تک ان کو ضرورت ہوتی ہے۔

حالانکہ اس ادارہ کا بانی ومحرک یہ خادم ہی تھا اور حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی کو تیار کرکے بنارس سے سرائے میر پہنچا کر اس مدرسہ کی بنیاد اس خادم نے ہی رکھوائی اور اس کے بعد ایک لمبے عرصہ تک وہاں کی مجلس عاملہ ومنتظمیہ کا ممبر بھی رہا، اور

اس کی میٹنگیں عموماً اس خادم کی دی ہوئی تاریخ پر ہی ہوا کرتی تھیں، اور ایک طویل عرصہ تک تقریراً وتحریراً اس مدرسہ کی تائید اور حمایت بھی کرتا رہا اور مالی فراہمی کے ساتھ ممکنہ تعاون سے کبھی دریغ نہیں کیا، چند ماہ تک اس کا بااختیار قائم مقام مہتمم بھی رہا۔

تاہم بچند وجوہ مدرسہ کی خدمت کے لیے یہاں کے قیام سے معذرت کردی۔

اس کے علاوہ درجنوں اور دیگر مدارس اور ان کے ذمہ داران نے اپنے یہاں آنے کی درخواست پیش کی، لیکن اس خادم نے ماضی کی تلخیوں کی وجہ سے ہر ایک سے معذرت کرلی۔

۷- مدرسہ مظاہر علوم دار جدید سہارنپور

اس سے پہلے یہ خادم اس کا تذکرہ کرچکا ہے کہ مدرسہ ریاض العلوم گورینی میں رہتے ہوئے حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب کے لڑکے مولانا زبیر الحسن صاحب نے مسلسل کئی ماہ تک بلکہ مدرسہ ریاض العلوم سے مستعفیٰ ہونے کے بعد بھی مدرسہ مظاہر علوم دار جدید سہارنپور کے لیے بہ حیثیت استاذ حدیث اصرار کرتے رہے، لیکن یہ خادم ان سے بھی معذرت کرتا رہا۔

۸- جامعہ حسینیہ راندیر گجرات

اسی طرح حضرت مولانا اسماعیل بدات جو مدینہ طیبہ میں مقیم تھے انھوں نے جامعہ حسینیہ راندیر کے لیے بہت اصرار اور تعاقب کیا، لیکن اس خادم نے ان سے بھی معذرت کردی۔

الغرض اس طرح بہت سے مدارس کے ذمہ داروں نے اپنے یہاں بلانے کی کوشش کی، لیکن مدرسہ ریاض العلوم گورینی کے معاندین وحاسدین کی حرکتوں سے یہ

خادم اتنا شکستہ دل ہو چکا تھا کہ اس کے بعد کسی بھی ادارہ میں ماتحتی کے ساتھ رہ کر کام کرنے کی ہمت و جرأت نہیں ہوئی۔ اور یہ طے کرلیا کہ کام تو بہرحال دین کا ہی کرنا ہے۔اس لیے کہ اس سے ہٹ کر اگر کسی دوسرے کام میں لگا تو ہمارے اکابرین و بڑے جو ابھی زندہ ہیں، کسی دوسرے کام سے وابستگی گوارا نہیں کریں گے، اس لیے کوئی ایسی جگہ جو گم نامی کی ہو وہاں بیٹھ کر کام شروع کر دیا جائے، باقی حالات اللہ کے حوالہ ہیں۔اللہ جس حال میں رکھے وہ منظور ہے، چنانچہ انھیں اسباب وعلل کے تحت دارالعلوم مہذب پور کا انتخاب کیا، چونکہ یہاں آنے کے لیے پختہ سڑک بھی نہیں تھی اور نہ ہی کنور ندی میں کوئی پل تھا جس کی وجہ سے یہاں تک پہنچنا بھی ایک مشکل ترین کام تھا۔

چنانچہ اللہ کا نام لے کر کام شروع کیا اور چند سال کے صبر آزما حالات سے گزرنے کے بعد ۲۰۰۰ء سے اللہ نے غیبی مدد شامل حال فرمائی اور فتوحات کا دروازہ شروع ہوگیا، جس کی تفصیلات ان شاء اللہ حیات حبیب الامت کی جلد سوم میں آپ پڑھیں گے۔

شاہ گنج ڈاکٹر سخاوت علی شمیم صاحب کی ملاقات

مدرسہ ریاض العلوم گورینی سے مستعفیٰ ہونے کے بعد ڈاکٹر صاحب موصوف سے ملاقات کرتے ہوئے وایا سرائے میر وطن کے لیے روانہ ہوگیا، چند ہفتوں کے بعد جب وہاں سے واپسی ہوئی اور مہذب پور میں قیام طے پا گیا تو فرصت نکال کر ایک روز ڈاکٹر صاحب موصوف سے ملاقات کے لیے شاہ گنج یہ خادم گیا، چونکہ ڈاکٹر صاحب کا اس

خادم سے بہت گہرا لگاؤ تھا اور خادم کی تقریر و تحریر سے بہت مانوس تھے اور ذاتی طور پر بہت قربت رکھتے تھے، ہومیو پیتھک دواؤں کی پریکٹس کرتے تھے، جب کبھی خادم کو دواء کی ضرورت پڑتی تھی تو کبھی بھی دواء کا پیسہ انھوں نے نہیں لیا، دوا کی قیمت معلوم کرنے پر فارسی کا یہ جملہ سنا کر خاموش ہوجاتے تھے، ''حساب دوستاں در دل''۔ ڈاکٹر صاحب موصوف سنجیدہ مزاج اور سلیم الطبع تھے، اور گرد و پیش کے حالات پر بہت گہری نظر رکھتے تھے، علم دوست و علماء نواز تھے، بزرگوں سے محبت و عقیدت رکھتے تھے، حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب سے بھی بہت گہرا تعلق تھا، آپ کے خلیفہ اور مجاز بھی تھے، حضرت مولانا گاہ بہ گاہ ان کے مطب پر بھی تشریف لے جایا کرتے تھے، مدرسہ ریاض العلوم گورینی کے آپ شوریٰ کے ممبر بھی تھے، اور شوریٰ کی کاروائی اکثر رجسٹر پر آپ ہی لکھا کرتے تھے۔

قصبہ شاہ گنج میں غلہ منڈی میں آپ کی رہائش گاہ تھی اور اسی کی تحتانی منزل میں آپ کا مطب بھی تھا، قصبہ کے شرفاء میں آپ کا شمار ہوتا تھا، اہل قصبہ عزت کی نگاہ سے آپ کو دیکھتے تھے۔

قصبہ شاہ گنج میں اس خادم کا جہاں کہیں پروگرام ہوتا اس میں ضرور شرکت کرتے تھے اور بہت اہتمام اور توجہ سے بیان سنتے تھے، اس خادم کے مدرسہ ریاض العلوم سے علاحدگی کا ان کو بہت صدمہ تھا، وطن سے واپسی کے بعد جب ملاقات کے لیے خادم ان کے پاس پہنچا تو مجھ کو دیکھ کر رونے لگے، اور فرمایا کہ مفتی صاحب! کچھ آپ کو معلوم بھی ہے؟ جس رات میں آپ نے اپنا سامان ٹرک پر لوڈ کرکے گھر کے لیے روانہ کیا اس کے بعد آپ کے ساتھ کیا ہونے والا تھا؟ میں نے کہا: میں آپ ہی کی زبان سے سننا چاہتا ہوں، اس کے بعد میں اپنی بات عرض کروں گا، اس کے بعد روتے ہوئے انھوں نے نام

لے کر یہ بتایا کہ فلاں شخص فلاں ابن فلاں اور کچھ اوباش لوگوں کو اس کام کے لیے فٹ کیا تھا کہ مفتی صاحب کا ہاتھ پاؤں توڑ دو۔ یہ صحیح سالم یہاں سے جانے نہ پائیں، یہ بتانے کے بعد ڈاکٹر صاحب موصوف پھر رونے لگے۔

اس کے بعد فرمایا: مفتی صاحب! آپ نے ان کا یا مدرسہ کا کیا نقصان کیا تھا؟ کتنی غلیظ حرکت وہ آپ کے ساتھ کرنے پر آمادہ تھے؟ آپ تو جب تک رہے مدرسہ کے مکمل ہم درد اور بہی خواہ بن کر رہے اور مدرسہ کی ہر طرح کی خدمت آپ کرتے رہے، اور تدریس کے ساتھ افتاء کے شعبہ کو عروج تک پہنچایا اور بہت سے دوسرے شعبوں کو آپ نے زندہ کیا، اس کے باوجود آپ کے ساتھ اتنی غلیظ اور خبیث حرکت کا ارادہ۔ جب کہ آپ نے باضابطہ حضرت مولانا سے اجازت لے کر اپنی علاحدگی طے کی اور جاتے وقت آپ نے کوئی شر بھی مدرسہ میں پیدا نہیں ہونے دیا، بلکہ آپ کے جانے کے بعد لوگوں کو خبر ہوئی، اس کے باوجود آپ کے ساتھ اتنی گندی حرکت کا ارادہ ان کی سوچ کی غلاظت اور گندگی اور خباثت کا پتہ دیتی ہے۔

اس کے بعد پھر وہ رونے لگے اور فرمایا: پتہ ہے آپ کو ان کی اس غلیظ حرکت سے کس چیز نے بچایا؟ میں نے کہا: آپ ہی کی زبان سے سننا چاہتا ہوں۔ کہنے لگے: ٹرک کی روانگی کے بعد آپ کا رات کے باقی حصے میں مولوی عبد الماجد کے مکان پر قیام کرنا، اللہ کے فضل کے بعد آپ کی اس حکمت عملی نے آپ کو بچالیا ورنہ اگر مدرسہ کے کسی کمرہ میں آپ رات کا بقیہ حصہ گزارتے تو آپ کے ساتھ وہ ضرور وہ حرکت کروا بیٹھتے، جس کا پلان انھوں نے بنایا تھا۔

اس پلاننگ کی دھیرے دھیرے اندرون خانہ کئی افراد کو اطلاع مل گئی اور ان

کے ذریعہ ڈاکٹر صاحب اور دیگر حضرات تک یہ خبر پہنچ گئی، چنانچہ منن بھائی جمد ہاں والے نے بھی یہی بات مجھ سے نقل کی، جس کی اطلاع ان کو ان کی بچی نے دی تھی جو بچی اسی خانوادے کے ایک فرد سے منسوب تھی، جس کا تذکرہ آئندہ صفحات میں آپ پڑھیں گے۔

بہرحال جب ڈاکٹر سخاوت علی شمیم صاحب نے رو رو کر اپنی پوری بات سنالی تب خادم نے ان سے عرض کیا: ڈاکٹر صاحب! اب سے آپ حضرات کی سمجھ میں آجانا چاہئے کہ وہ شخص کس قدر گندی سوچ و گندی ذہنیت کا مالک ہے؟ اور اس کی غلط حرکتوں اور ظلم و بربریت ہی کی وجہ سے مجبور ہو کر مجھ کو مدرسہ ریاض العلوم سے علاحدگی اختیار کرنی پڑی، اگر حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب کی موجودگی میں علاحدگی اختیار نہ کرتا تو میرے ساتھ ان کی جو پلاننگ تھی، جو ٹی وی کی اسکرین پر آنے والی تصویروں کی طرح سے صاف صاف اس خادم کو دکھائی دے رہی تھی، اگر آج میں ان آنے والی حرکتوں کو آپ سے بتلا دوں تو آپ برداشت نہیں کر پائیں گے، آپ کا دل چھلنی ہو جائے گا۔

اس کے بعد اس خادم نے ڈاکٹر صاحب موصوف سے عرض کیا: ڈاکٹر صاحب! جو بات آپنے ابھی بتائی ہے، اس کا احساس اس خادم کو از خود بھی تھا کہ آج کی رات میں میرے ساتھ کچھ بھی ہوسکتا ہے اور وہ خبیث کوئی بھی حرکت کرواسکتا ہے۔ اسی لیے رات کا بقیہ حصہ اس مکان میں میں نے گزارا، جس میں حضرت کی صاحب زادی اور حضرت کے داماد موجود تھے، اور حضرت مولانا کے نواسے اور نواسیاں موجود تھیں، تاکہ میرے ساتھ ہونے والی حرکتوں کے یہ لوگ چشم دید گواہ بن سکیں اور حضرت مولانا کی عدالت میں یہ سب چشم دید گواہی دے سکیں۔

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے بہت کھل کر میرے اس فیصلے کی تائید کی کہ آپنے بہت اچھا کیا کہ حضرت مولانا کی زندگی میں آپ نے مدرسہ ریاض العلوم گورینی سے اپنے کوعلاحدہ کرلیا، میری علیحدگی پر انگلی اٹھانے والے اس تحریر کو بار بار پڑھیں۔

تبلیغی جماعت کے احباب کا کردار

یہ بات تفصیل کے ساتھ ماضی کے صفحات میں یہ خادم لکھ چکا ہے کہ حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب کی منشاء اور خواہش اور چاہت کو دیکھتے ہوئے سب سے پہلے مدرسہ ریاض العلوم گورینی کے مدرسین وملازمین میں تبلیغی کام سے جڑنے کی سعادت حاصل ہوئی، جس کے نتیجے میں اس خادم نے کئی چلے بھی تبلیغ کے عنوان سے لگائے اور مدرسہ کے طلبہ واساتذہ کا امیر بھی اس خادم کو بنایا گیا، اور جونپور واعظم گڑھ کے ماہانہ اجتماعات میں بھی پابندی سے شرکت ہونے لگی اور اس خادم کی کوششوں سے مدرسہ ریاض العلوم پر بھی ماہانہ تبلیغی اجتماعات شروع ہوگئے، اس کے علاوہ اضلاع مشرقیہ کا بھی مدرسہ پر اجتماع ہوا اور مدرسہ ریاض العلوم کی مرکز سے لے کر پورے ہندوستان میں تبلیغی کام سے وابستگی کا چرچا شروع ہوگیا اور اس کے نتیجے میں اس خادم کو جن ہفوات کے سننے کی نوبت آئی اس کی تفصیلات بھی اس سے پہلے لکھ چکا ہوں۔

لیکن مدرسہ ریاض العلوم گورینی سے مستعفی ہونے کے بعد جب جامعہ اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور میں مستقل اس خادم کا قیام ہوگیا، جس کی اطلاع پورے علاقہ ہی نہیں بلکہ پورے ہندوستان میں پھیل گئی، اس کے باوجود جونپور اور اعظم گڑھ کے تبلیغی احباب میں سے کسی ایک کو بھی اس کی توفیق نہیں ہوئی جو ملاقات کر کے تسلی

کے دو جملے اس خادم سے کہہ دیتا، اور میرے انتقال پر میری تعزیت کر دیتا۔

جب کہ یہ خادم اس وقت واجب التعزیت والتسلیہ تھا، جس کا افسوس اور قلق اور رنج ایک طویل عرصہ تک رہا اور آج بھی ہے۔ اور شاید مرتے دم تک رہے گا۔ تبلیغ کا بول بولنے والے، تبلیغ کا بڑا خادم اپنے کو سمجھنے والے افراد کے اس عمل کا دل و دماغ پر اتنا اثر ہوا کہ یہ خادم تبلیغ سے مکمل یکسو ہو کر تصنیف و تالیف، تدریس و افتاء اور خانقاہی نظام کی ترویج و اشاعت سے مکمل وابستہ اپنے کو کر کے بیٹھ گیا، چونکہ یہ کام بھی دین ہی کے ہیں اور ان کاموں سے شروع سے وابستگی بھی رہی، اس لیے بداخلاقوں کی بداخلاقی بہت زیادہ جھیلنے کا تحمل اپنے اندر نہیں پایا اور اپنا دائرۂ کار محدود کر کے توکلاً علی اللہ اس میں سمٹ گیا۔

جمد ہاں کے منن بھائی کی مہذب پور آمد

مدرسہ ریاض العلوم گورینی سے علاحدگی کے چند مہینہ کے بعد حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب کی ملاقات کے لیے یہ خادم مدرسہ ریاض العلوم گورینی گیا، لیکن اس کا احساس اچھی طرح سے تھا کہ جانے کے بعد وہاں کے خبیث و رذیل لوگ کوئی بھی حرکت کر سکتے ہیں، چنانچہ اسی لیے اکیلے نہ جا کر وفد کی شکل میں گیا اور اس سفر میں مفتی محمد شعیب صاحب قاسمی، مولانا شاہد القاسمی اور مفتی اشفاق احمد اعظمی وغیرہم کو شریک کیا اور آمد و رفت کے لیے گاڑی ریزرو کی، چنانچہ گاڑی کے ذریعہ سیدھے حضرت مولانا کے مکان پر پہنچا اور عصر کی نماز سے پہلے حضرت مولانا سے ملاقات ہوئی، اور عصر کی نماز حضرت مولانا کی معیت میں مدرسہ کی مسجد میں ادا کی، نماز کے بعد طلبہ اور اساتذہ کا ہجوم سلام و مصافحہ کے

لیے امڈ پڑا اور ایک بھیڑ جمع ہوگئی، سلام و مصافحہ سے فارغ ہونے کے بعد مولانا جمیل احمد صاحب چھتے پوری کی چائے پی گئی اور پوری بھیڑ نے روڈ پر آ کر اس خادم کو رخصت کیا۔

کل ہو کر میرے محسن اور کرم فرما زکریا بھائی عرف منن بھائی جو جمد ہاں ضلع جونپور کے رہنے والے تھے اور اس خادم کے ساتھ بہت قربت اور محبت رکھتے تھے اور اس خادم کے ساتھ ان کی بہت ساری خدمات بھی تھیں، جس کا تفصیلی تذکرہ اس سے پہلے کے صفحات میں لکھ چکا ہوں، وہ اپنے برخوردار ''سالم'' کے ساتھ مہذب پور میرے پاس آئے اور آتے ہی بہت غصے میں مجھ سے سوال کیا کہ مفتی صاحب! آپ کل گورینی کیوں گئے تھے؟ میں نے اس کے جواب میں عرض کیا، حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب سے ملاقات کے لیے گیا تھا، انھوں نے اس کے جواب میں کہا: کیا ملاقات کے لیے گورینی ہی جانا ضروری ہے؟ اور کیا گورینی کے علاوہ کہیں اور حضرت مولانا سے ملاقات نہیں کی جا سکتی ہے اس کے بعد کہنے لگے: خبردار! آئندہ آپ کبھی گورینی گئے! رہ گئی حضرت مولانا سے ملاقات کی بات تو آپ کہیں بھی ملاقات کر سکتے ہیں۔

میں نے اس کے جواب میں ان سے پوچھا کہ منن بھائی! آخر اتنی خفگی اور ناراضگی کی وجہ کیا ہے؟ اس کے جواب میں انھوں نے بتایا: کہ وہاں کے خبیثوں نے آپ کے ساتھ جس حرکت کی پلاننگ اس رات میں بنائی تھی جس رات میں آپ نے اپنا سامان ٹرک پر لوڈ کر کے گھر بھیجا تھا، لیکن آپ کی قسمت اچھی تھی کہ ان کی پلاننگ فیل ہوگئی، وہی حرکت کل بھی آپ کے ساتھ ہونے والی تھی، لیکن طلبہ واساتذہ کی اتنی بھیڑ آپ کے گرد و پیش جمع رہی کہ ان کو یہ غلیظ حرکت کرنے کا موقع نہ مل سکا، اگر اینٹ پتھر چلا کر آپ کا سر پھوڑ دیتے تو آپ کیا کر لیتے؟ بنی بنائی عزت سب خاک میں مل جاتی۔ یہ کہنے کے بعد

انھوں نے کہا کہ یہ ساری تفصیل مجھ کوکل رات میری بیٹی نے بتائی، اس لیے آج جمد ہاں سے چل کر آپ کے پاس بتانے کے لیے آیا ہوں، اور آج کے بعد آپ کو کبھی بھی قطعاً اور ہرگز گورینی نہیں جانا ہے، چنانچہ اس کے بعد اس خادم نے بھی طے کر لیا کہ جب وہاں کے کچھ خبیثوں کی اتنی ہی گندی سوچ ہے تو اب مجھ کو وہاں قطعاً نہیں جانا ہے، رہ گئی حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب سے ملاقات کی بات تو وہ کہیں بھی کبھی بھی کی جاسکتی ہے۔

حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب کی سرائے میر آمد اور خادم کی ملاقات

چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب کی آمد سرائے میر میں مولانا شاہد القاسمی صاحب کے مکان پر مدنی منزل کھریواں موڑ پر ہوئی، مولانا شاہد صاحب نے حضرت مولانا کی آمد پر دعوت میں اس خادم کو بھی مدعو کیا، چنانچہ یہ خادم بھی وہاں پہنچا اور حضرت مولانا کے ساتھ کھانے میں شرکت کی، کھانے سے فارغ ہونے کے بعد تنہائی میں حضرت مولانا سے میں نے ملاقات کی اور مدرسہ ریاض العلوم سے علاحدگی پر معذرت پیش کی اور اپنے لیے دعا کی درخواست کی۔

اس کے جواب میں حضرت مولانا نے بہت ہی بشاشت کے ساتھ تقریباً ۲۰/۱۵ منٹ مجھ سے بات کی، اور اس گفتگو میں فرمایا کہ مفتی صاحب آپ کے ساتھ جو ہوا اور جس نے کیا اور کروایا وہ ساری تفصیلات مجھ کو معلوم ہیں، اور مجھ کو بھی اس کا بے حد افسوس اور صدمہ ہے، لیکن میں عمر کے اس مرحلے میں پہنچ چکا ہوں کہ میں بالکل بے بس ہو گیا ہوں، اب کسی کو ہٹانا کسی کو رکھنا میری طاقت سے باہر ہے، آپ کے

ساتھ جو کچھ بھی ہوا اس کا مجھے بے حد رنج ہے اور اس کے لیے میں معذرت خواہ ہوں، اور آپ کے لیے اور آپ کے کام کے لیے دل سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ پاک آپ کے کام کو قبول فرمائے اور اس میں برکت عطا فرمائے اور ہر قسم کے شرور و آفات وبلیات سے حفاظت فرمائے۔

اس پُر بشاشت گفتگو کے بعد یہ خادم مکمل طور پر مطمئن ہو گیا اور پورے شرح صدر کے ساتھ اپنے کام میں مصروف ہو گیا اور اس کی پرواہ چھوڑ دی کہ کون کیا کر رہا ہے۔ اور کیا کہہ رہا ہے۔ لیکن خبیث ذہنیت رکھنے والے لوگ حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب سے اس خادم کا جو روحانی رشتہ تھا اس کو وہ ختم کرنے کی بھرپور کوشش کرتے رہے اور جب اس میں وہ کامیاب نہیں ہو سکے تو حضرت مولانا کے انتقال کے بعد خود ہی قینچی اور استرہ لے کر بیٹھ گئے اور خود مختار ہو کر قطع و برید کا عمل شروع کر دیا جس کا شریعت وطریقت کی لائن سے قطعاً اس کے نہ مجاز تھے اور نہ ہی ان کو اختیار تھا، لیکن وہ اپنے اعتبار سے انھیں خرافات کو اپنی تمام تر کامیابی سمجھتے رہے، لیکن اہل شریعت وطریقت نے ان کے اس اقدام کو غلط ثابت کر دکھایا۔

چنانچہ جب ان امور کا تذکرہ خادم نے حضرت مولانا ابرارالحق صاحب سے کیا تو سن کر فرمایا مفتی صاحب آپ اپنا کام کرتے رہیں اگر کوئی پوچھے تو یہ کہہ دیں کہ ابرارالحق نے مجھ کو اس کی اجازت دی ہے، جب حضرت ہردوئی نے یہ بات کہی اس وقت وہاں پر میرے ایک دوست حاجی نذیر اطہر برہان پوری موجود تھے، نیز خواب میں درجنوں مرتبہ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کی زیارت ہوئی اور حضرت نے خادم کو اپنی اجازت سے سرفراز فرمایا، اس طرح منامی اجازت اس خادم کو حضرت شیخ کی بھی ہے۔

مہذب پور آنے کے بعد معاندین کی دسیسہ کاریاں

جن خبیث ذہنیت اور رذیل سوچ کی رذالت سے تنگ آ کر اس خادم نے گورینی کو الوداع کہا، وہ شخص جہاں حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب کو غلط اور جھوٹ پر مبنی باتیں سنا سنا کر میرے خلاف حضرت مولانا کے ذہن اور زبان کو کرنے کی کوشش کرتا رہا، اسی کے ساتھ مہذب پور اور اس کے گرد و پیش کے بعض مفسد عناصر کی ذہن سازی بھی وہ کرتا رہا، تا کہ اس خادم کا یہاں بھی جینا دوبھر ہو جائے، چنانچہ دونوں باتوں کی تصدیق اس طور پر ہوئی کہ ایک مرتبہ قاری انیس الرحمٰن صاحب جو مانی خورد کے رہنے والے تھے اور ریاض العلوم گورینی کے تجوید کے استاذ تھے اور اس خادم سے ان کے بہت قریبی تعلقات تھے، ملاقات کے وقت پوچھنے لگے کہ مفتی صاحب! کیا آپ ماضی قریب میں کلکتہ بھی گئے ہیں؟ میں نے اس کے جواب میں عرض کیا: نہیں۔ اس کے جواب میں وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئے اور کہنے لگے کہ ایک دن عصر کے بعد کی مجلس میں حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب نے مجھ کو بلایا اور فرمایا کہ قاری انیس! تم یہاں بیٹھے ہو اور مفتی صاحب تمہارے مدرسہ کا چندہ کلکتہ میں جا کر کر رہے ہیں، قاری صاحب نے یہ سننے کے بعد خاموشی اختیار کی، چونکہ ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ میں گیا ہوں یا نہیں، جب ان کو یہ معلوم ہو گیا کہ میرا سفر نہیں ہوا ہے تو حیران ہو کر کہنے لگے کہ کچھ ایسے بھی خبیث لوگ ہیں جو خود بھی جھوٹ بولتے ہیں اور حضرت مولانا سے بھی جھوٹ بلواتے ہیں، اس لیے کہ وہاں پر مجلس میں جتنے لوگوں نے سنا، وہ تو یہی کہیں گے کہ حضرت مولانا یہ فرما رہے تھے اور کیا حضرت مولانا جھوٹ بولیں گے۔

اسی طرح میرے بعض وہ رفقاء جو مہذب پور کے گرد و پیش کے رہنے والے تھے اور ایک طویل عرصہ سے ایک دوسرے پر اعتماد بھی تھا وہ انہیں خبیثوں کے اکسانے اور بہکانے میں آ کر سارا اعتماد و اعتقاد بھول گئے اور وہ حرکتیں شروع کر دیں جن کو میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا، لیکن وہ بھی بالآخر اپنے انجام کو پہنچ گئے وہ بھی اب سوچتے ہوں گے کہ میں نے یہ کیا کیا؟

چنانچہ اس کی تصدیق اس بات سے ہوئی کہ اسی کے چند ماہ کے بعد اس خادم کا دبئی جانا ہوا تو اس خادم کے بہت ہی قریبی اور مخلص دوست جناب انصار احمد صاحب جو لدرھی ضلع جونپور کے رہنے والے تھے اور شارجہ میں ان کا کاروبار تھا، انھوں نے نام لے کر بتلایا کہ مفتی صاحب! فلاں شخص دبئی آیا ہوا ہے، اس نے فلاں کی دکان پر بیٹھ کر یہ کہا کہ مفتی حبیب اللہ صاحب مہذب پور میں چند مہینہ کے مہمان ہیں، اس کے بعد وہاں سے بھی وہ نکال باہر کر دیئے جائیں گے، یہ سنانے کے بعد جناب انصار احمد صاحب نے مجھ سے کہا کہ مفتی صاحب! بہت باہوش انداز میں رہئے گا اس لیے کہ گورینی سے باضابطہ آپ کے خلاف محاذ آرائی ہو رہی ہے اور آپ کے خلاف پروپیگنڈہ کی پوری اسکیم بنا کر چلائی جا رہی ہے اور وہاں کے لوگوں کو آپ کے خلاف بھڑکایا اور اکسایا جا رہا ہے، اس لیے بہت ہی ہوش اور خرد کے ساتھ کام کرنے کی ضرورت ہے۔

بہر حال اس انداز کی دسیسہ کاریاں اور پروپیگنڈے مسلسل گورینی سے ہوتے رہے اور ناپاک ذہنیت رکھنے والے لوگ اپنی خباثت و رذالت سے ایک لمبے عرصہ تک باز نہیں آئے، لیکن اللہ کا فضل و کرم ہمیشہ شامل حال رہا اور اب بھی شامل حال ہے، جس ذات نے ماضی میں حفاظت کی، وہ ذات ان شاء اللہ آئندہ بھی حفاظت کرے گی۔

چکیا ابراہیم پور میں حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب کی آمد

سرائے میر کی ملاقات کے کچھ عرصہ کے بعد حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب کی دوبارہ آمد چکیا ابراہیم پور میں ہوئی، یہ گاؤں نندااؤں روڈ پر سرائے میر کے قریب میں واقع ہے، اس گاؤں کے مولانا طاہر صاحب اوران کے والد کا تعلق حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب سے تھا، اسی تعلق کی بنیاد پر گاہ بہ گاہ اپنے گھر پر دعوت دے کر حضرت مولانا کو بلاتے تھے، چنانچہ جب حضرت مولانا کو مدعو کیا تو مولانا طاہر صاحب نے اس خادم کوبھی یاد کیا، چنانچہ وقت موعود پر یہ خادم حاضر ہوا اور حضرت مولانا کے ساتھ کھانا کھایا اور بہت بشاشت کے ساتھ کئی گھنٹے تک مصاحبت رہی۔

اس طرح مختلف اوقات میں مختلف مقامات پر حضرت مولانا سے اس خادم کی ملاقات ہوتی رہی، اگرچہ معاندین اس روحانی رشتے کو کمزور کرنے کی بھرپور کوشش کرتے رہے، لیکن وہ اپنی ناپاک حرکت میں کامیاب نہیں ہوسکے۔

بنارس میں حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب سے الوداعی ملاقات

کسی جگہ کے سفر سے یہ خادم اپنے دوست حاجی یحیٰ صاحب کے مکان پر بنارس پہنچا، حاجی صاحب موصوف نے ملاقات کے بعد بتایا کہ حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب شدید بیمار ہیں، کولھے کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے، بنارس میں زیرعلاج ہیں، پتہ نہیں آپ کو اطلاع ہے یانہیں؟ میں نے اس کے جواب میں عرض کیا کہ مجھے کوئی اطلاع نہیں ہے، حاجی صاحب نے کھانے کا انتظام کیا، کہنے لگے کہ کھانے سے فارغ

ہو جاتے ہیں تو ہم دونوں چل کر ملاقات کرآتے ہیں، چنانچہ کھانے سے فارغ ہوکر ہم دونوں ہاسپٹل پہنچے، حضرت مولانا کے پاس اس وقت مولانا منیر احمد صاحب بستوی امام جامع مسجد کالینہ بمبئی اور حافظ عبد اللہ حضرت مولانا کے چھوٹے لڑکے اور ابوبکر حضرت مولانا کے نواسے موجود تھے، ان تینوں کی موجودگی میں ہم دونوں نے حضرت مولانا کو الوداعی سلام کیا اور الوداعی ملاقات کی اور وہاں پر تھوڑی دیر ٹھہرے رہے اور اس کے بعد ہم دونوں واپس آ گئے، ہاسپٹل سے نکلنے کے بعد حاجی یحیٰ صاحب نے برجستہ دو شعر پڑھے، جن میں سے ایک تو بھول گیا، ایک یاد ہے ؎

ہم نے دل دے بھی دیا، عہدِ وفا لے بھی لیا
آپ اب شوق سے دے لیں جو سزا دیتے ہیں
جرمِ الفت پہ ہمیں لوگ سزا دیتے ہیں
کیسے نادان ہیں، شعلوں کو ہوا دیتے ہیں

اس کے بعد ہم دونوں حاجی صاحب کے مکان پر واپس آ گئے اور کل ہو کر میں مہذب پور آ گیا۔

مہذب پور سے کسی ضرورت سے مدرسہ بیت العلوم سرائے میر جانا ہوا تو وہاں کے ذمہ دار اساتذہ نے پہنچتے ہی حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب کی علالت کی خبر سنائی اور یہ بتلایا کہ بنارس میں زیر علاج ہیں۔

اس کے جواب میں جب اس خادم نے یہ عرض کیا کہ جی میں کل حضرت مولانا سے الوداعی ملاقات اور سلام کر کے آیا ہوں اور میں عیادت کر چکا ہوں تو وہاں موجود سارے لوگ یہ سن کر حیران رہ گئے کہ حضرت مولانا محمد حنیف صاحب جو حضرت

مولانا کے سمدھی بھی ہوتے ہیں اور مدرسہ بیت العلوم کے شیخ الحدیث بھی اور حضرت مولانا کے ساتھ زندگی کا ایک طویل عرصہ گزارا تھا، تمام تر کوششوں کے باوجود ان کو ملاقات کی اجازت نہیں ملی، حاجی رحمت اللہ صاحب بنارسی اور مولانا توفیق احمد صاحب جامعہ حسینیہ لال دروازہ جونپور اور دیگر بہت سے لوگوں نے تمامتر کوشش کر ڈالی، لیکن آخری ملاقات کی کوئی شکل نہیں پیدا ہوسکی اور کمال ہے کہ آپ کی ملاقات ہوگئی اور عیادت بھی کر آئے، میں نے کہا: جی، الحمدللہ!

اس کے کل ہوکر حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب کا انتقال ہوگیا، جنازے میں شرکت کے لیے کل ہوکر یہ خادم اپنے رفقاء کے ساتھ مدرسہ ریاض العلوم گورینی پہنچا، عشاء کی نماز مدرسہ کی مسجد میں ادا کی، اس کے بعد نماز جنازہ میں شرکت کی، اس کے بعد رات ہی میں مہذب پور واپسی ہوگئی۔

مولانا محمد حنیف صاحب کی برخاستگی کی خبر

دارالعلوم مہذب پور میں آکر یہ خادم پوری یکسوئی کے ساتھ اپنے کام میں لگ گیا اور ہر طرح کی خبروں سے اپنے کو بے خبر بنالیا، اسی دوران سرائے میر سے ایک صاحب کا فون آیا کہ مفتی صاحب! آپ کو کچھ معلوم بھی ہے؟ میں نے پوچھا کہ کیا ہوا؟ انھوں نے جواب میں بتلایا کہ آج آپ عوامی عدالت میں مکمل بے داغ بری ہوگئے، کیونکہ جب آپ نے گورینی سے علاحدگی اختیار کی تھی تو ایک دو فیصد ہی سہی لیکن یہ کہنے والے کچھ لوگ تھے کہ مفتی صاحب کو کم از کم حضرت مولانا کی زندگی بھر وہاں رہنا چاہئے

تھا،لیکن اب وہ لوگ بھی یہ مان گئے کہ آپنے اچھا کیا کہ حضرت مولانا کی زندگی میں ان سے اجازت لے کر عزت کے ساتھ علاحدگی اختیار کر لی ورنہ آج آپ کو بھی بری طرح بے عزت ہونا پڑتا، اس تمہیدی گفتگو کے بعد فون پر پوری تفصیل انھوں نے بتائی کہ مولانا محمد حنیف صاحب کو کس طرح رسوا کر کے مدرسہ ریاض العلوم سے برطرف کیا گیا ،اور یہ بھی بتایا کہ اب وہ شیخ الحدیث بن کر مدرسہ بیت العلوم سرائے میر میں آ گئے ہیں۔

چنانچہ کل ہو کر یہ خادم بیت العلوم پہنچا اور ان کے انتقال پر ان کی تعزیت کی، ملاقات کے وقت وہ کہنے لگے کہ مفتی صاحب اچھا کیا آپنے، وقت سے پہلے دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے اپنی عزت بچا کر اپنے کو وہاں سے برطرف کر لیا، ورنہ جو کچھ میرے ساتھ ہوا اس عمر میں اور قرابت داری کے باوجود نہ معلوم آپ کے ساتھ کیا ہوتا۔

اس کے بعد جب مولانا عبد العظیم صاحب ندوی کو جن حالات اور ماحول میں نکالا گیا اس کے بعد تو سب کی زبان گنگ ہو گئی اور سارے لوگ انگشت بہ دنداں ہو گئے اور میرے فیصلے کی ہر ایک نے ستائش شروع کر دی۔

لیکن امت کا حافظہ بہت کمزور ہے، اس لیے اپنے زخم کو زخم والا ہی یاد رکھتا ہے اور اس کی زندگی بھر مرہم پٹی میں لگا رہتا ہے اور زخم دینے والوں کی حرکتوں کو امت بھول جاتی ہے، حالانکہ اس کا سبق اس کو ایسا دیا جانا چاہئے کہ وہ بھی زندگی بھر یاد رکھے، لیکن **فإلى الله المشتكى، وهو عليم خبير و هو فعال لما يريد.**

☆☆☆